دردآشنا

عفت موہانی

بڑے پیار کے ساتھ

اپنی انمار کے پیارے بیٹے

منصور احمد یاسر

کے نام

عفت موہانی

پندرہ برس بعد اٹلی سے آزر کا ٹیلی گرام آیا۔! تار کا مضمون ابا جان نے سنایا تھا۔ اور لفافہ چچی جان کو پکڑا کر خود کو بڑی مشکل سے سنبھال کر بیٹھ گئے تھے۔

"مبارک ہو۔ بالآخر خدا نے تمہاری سُن لی"

"سچ سچ۔ بھائی صاحب!" ان کے کانپتے لبوں سے نکلا اور وہ گرنے لگیں۔ اگر ابا جان اور سہیل آگے بڑھ کر انہیں تھام نہ لیتے تو وہ گر پڑتیں۔

پھر ان کے حواس درست ہوئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں!۔

"زبیدہ!۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اس قدر کمزور ہو" ابا جان نے کہا۔ "ارے بھئی دل مضبوط کرو۔ بیٹے کا استقبال کیسے کر سکو گی؟"

"بھائی صاحب۔ کوئی خوشی مجھے بہت کم راس آئی ہے" وہ آنسو پونچھنے لگیں

"بس آزر آ جائیں گے۔ اور تم از سرِ نو جی اٹھو گی" اماں بی نے کہا۔ ان کے چہرے پر کئی رنگ باری باری لہرا رہے تھے۔ آنکھوں سے سراسیمگی جھانک رہی تھی انہوں نے دبی زبان میں کہا۔

"مگر زبیدہ۔ مجھے تو خیال آتا ہے کہ وہ تمہاری حالت دیکھ کر ہم سے بدظن نہ ہو جائیں۔ تم نے اپنی عجیب حالت بنا رکھی ہے۔ وقت سے پہلے بوڑھی ہو گئی ہو"

میرا دل ہی مردہ ہو گیا ہے بھابی۔ اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟" چچی جان نے آہ بھر کر کہا اور یکبارگی ان کا سارا ماضی ایک جھلک دکھا کے چھپ گیا۔ اب یہ لوگ تو فرزدہ ہیں۔ بھول گئے ہیں کہ کون کون سے طوفان ان کے سر سے گزر رہے تھے۔!

"بڑا مشورہ بھی یہی ہے زبیدہ کی پچھلی باتیں انور کے سامنے دہرائی نہ جائیں۔" ابا جان نے کہا۔ "اگر تم پر کچھ زیادتی ہوئی تھی تو اس کے ذمہ دار بزرگ تھے جو اب اس دنیا سے جا چکے .... اور ۔ اور ۔ بھئی۔ تم تو جانتی ہو کہ ہم بھی بزرگوں کے پابند تھے"۔

"جب بڑے لوگ دنیا میں موجود تھے۔ تب بھی مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔" چچی جان نے جواب دیا۔ "نہ میں نے کبھی آپ کو الزام دیا۔ تقدیر بھی تو کوئی چیز ہے"۔

ابا جان کے لب ہلے۔ مگر انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ اور رخ پھیر کر سگریٹ سلگانے لگے۔ زاہرا نے اپنے ہوش میں پہلی دفعہ چچی جان کو اس قدر خوش دیکھا تھا۔ برسوں بعد ان کے چہرے پر تبسم کی کرنیں مچلتی دکھائی دی تھیں سفید کرتے پہنے بھاری کا آنچل تک پیشانی تک سرکائے وہ بے حد مقدس اور پیاری ہو رہی تھیں۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ وہ اپنے احساسات کو خود سمجھنے سے قاصر تھیں۔

انھیں زاہرا نے ہمیشہ خاموش اداس اور چپ چاپ دیکھا تھا۔ اتنے بڑے گھر میں سب سے الگ تھلگ رہا کرتیں۔ ان کا زیادہ وقت باورچی خانے میں ماماؤں کے ساتھ کام کرتے گزرتا تھا۔ صبح سے رات گئے تک انھیں آرام کا وقت ملتا ہی نہ تھا۔ سارے گھر کے ناشتے کھانے اور آنے جانے والوں کی تمام خاطر تواضع

ان کے ذمہ تھی۔ زبان ہلائے اور احتجاج کی صدا بلند کیے بغیر وہ ایک خادمہ کی طرح سارا کام کرتی تھیں۔ اماں بی، پھوپھی جان، ان کی بیٹی عذرا بھی یہیں رہتی تھیں لیکن زارا نے کبھی ان تینوں کو باورچی خانے میں کبھی نہیں دیکھا!

زارا کو چچی جان سے بے حد محبت تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ ان سے زندگی کی ساری خوشیاں چھن چکی تھیں۔ دس سال قبل چچا جان انھیں چھوڑ کر ویرانوں میں جا بسے تھے تب سے ان کے سر پر سفید آنچل آیا اور ہونٹوں پر خاموشی کے تالے پڑ گئے!۔ ان کا ہر انداز رحم طلب تھا۔ غم پسند آنکھیں، قیافہ سے عجیب سا درد برستا تھا۔ وہ سراپا غم تھیں۔ نجانے کون کون سے جذبات ان کے دل و دماغ میں ہزارپا کی طرح اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ جن سے شاید چھٹکارا ممکن نہ تھا۔ نجانے کن تکلیف دہ احساسات نے انھیں اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا کہ وہاں سے نکلنا ممکن نہ تھا! شاید وہ خود بھی سمجھ نہ سکی تھیں!۔ ایک جیسے صبح و شام تھے۔ ایک جیسے موسم۔ کسی تبدیلی یا تغیر کے بغیر گزرے چلے جا رہے تھے۔

اذدر کی آمد کی خبر نے گھر میں ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔! ابا جان نے ملازموں کو باہر کا بڑا کمرہ سجانے کا حکم دیا۔ اماں بی سالہا سال بعد باورچی خانے میں یاد نظر آ دی تھیں۔ اور دوپہر ہوتے ہوتے ساری تیاریاں مکمل ہو چکیں۔

عذرا کالج سے آ گئی تھی!۔ اسے بھی علم ہوا۔ عجیب سا ناقابل فہم رنگ اس کے چہرے پر بکھر گیا!۔

پھوپھی جان اپنے سسرال میں تھیں۔ انھیں جلد تر اطلاع دی گئی۔ وہ بھی چلا کر چلی آئیں!۔ پھر زارا نے دیکھا کہ اماں بی کے کمرے میں پراسرار سی گول میز کانفرنس ہو رہی ہے۔ وہ بڑی میز پر سویٹ ڈشیں رکھنے آئی تھی۔ اور ان کی باتیں سن رہی تھی۔!

ہائے بھابی، میرے تو حواس ہی کھو گئے" پھوپھی جان بولیں "یہ پندرہ برس بعد آزور میاں کو یہاں کی یاد کیسے آ گئی۔

معلوم نہیں" اماں بی نے پرتشویش انداز میں کہا "یہاں سے برابر زبیدہ کے خط جاتے تھے۔ کچھ لکھا ہوگا۔ ورنہ ہم تو سمجھے تھے کہ آزور نے اپنا گھر بسا لیا اور اب عمر بھر وطن کی شکل نہ دیکھیں گے۔!

بیوی بچے بھی ہیں" ابا جان نے پوچھا "کچھ معلوم کیا؟"

میں کیوں پوچھتی؟" اماں بی بولیں۔

خدا نہ کرے کہ وہ آسٹریلیا سے کوئی خاتون لائیں" پھوپھی جان نے کہا "ہمارے ہی سینے پر وہ نگوڑی بھی دندنائے گی۔"

میں تو سمجھتا ہوں کہ آزور خود بھی یہاں نہیں رہیں گے" ابا جان نے کہا "اپنی ماں سمیت کہیں اور قیام کریں گے۔

کیسی باتیں" پھوپھی جان نے ہاتھ نچا کر کہا "کیوں رہیں گے الگ؟ کیا یہ گھر ان کا اور زبیدہ کا نہیں ہے۔!

خیر بھائی۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آزور برسوں بعد آ رہے ہیں۔ ان سے نہایت اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ انھیں ہمارے ماحول کا قطعی علم نہ ہو۔"

ارے تو ان کا یہاں دشمن کون ہے؟" پھوپی جان نے کہا مگر وہ کچھ گم سم سی تھیں۔ ایک بڑا انقلاب جو دل خوش کن نہیں تھا انھیں اپنی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔

انھیں لانے کون گیا ہے؟" اماں بی نے پوچھا۔

ابھی وقت ہے۔ کچھ ٹھہر کر میں اور سہیل چلے جائیں گے!" ابا جان یہ کہہ کر

چلے گئے۔

کمرہ خالی ہوا تو زارا بھی خواب کی دنیا سے نکلی۔ ان لوگوں کی باتیں اسے عجیب سی لگیں۔ آخر سب کے سب متوحش اور پریشان کیوں تھے۔ اپنے ابا جان کا تند و تحکمانہ انداز اسے پسند نہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کے بڑے بھائیوں نے عربی ممالک میں قسمت آزمائی کر کے جو دولت ابا جان کو بھجوائی تھی۔ اس نے ان کے غرور تکبر میں اضافہ کر دیا تھا۔ اب ان میں نہ سادگی ہمدردی اور خلوص نہ رہا تھا۔ ان کی زندگی جو ریٹائر ہونے کے بعد اداس مضمحل سی گزر رہی تھی۔ یک بیک تر و تازہ اور چاق چوبند ہو گئی۔ اب وہ قدیم دوستوں میں بیٹھ کر نہ تو حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے تھے نہ ان کے دیوان خانے میں میر و غالب کے اشعار گونجتے تھے نہ پھر کبھی ان کے منہ سے سرسید، شبلی علی گڑھ اور پریم چند کے نام سنے گئے۔ سب کچھ وہ بھول چکے تھے۔ اب وہ دن بھر بڑی بڑی کمپنیوں کے چکر لگاتے —— بڑے بڑے کاروباروں میں شیئرز لے کر دولت کو دوگنی تگنی کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے! ۔ زارا کو ان کی عادتیں قطعی پسند نہ تھیں۔ لیکن وہ خاموش رہا کرتی۔ گھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ اور ماں باپ کی ایسی چہیتی بھی نہ تھی۔ اس کی سنتا کون ہے!

اس کے علاوہ ابا جان کو بہت جلدی غصہ آنے لگا تھا۔!

اماں بی کے رنگ بھی بدل گئے تھے۔ پہلے اپنے حالوں گرفتار تھیں اگر کوئی پاس پڑوس کی خاتون آ جاتیں تو وہ ان سے گرانی۔ اپنی بیماری اور گھر کے ناقابل گرفت بجٹ کا رونا رویا کرتیں۔ مگر اب۔ قیمتی ملبوس میں لپٹی۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے گلے میں سونے کا بڑا سا ہار لٹکائے وہ اپنے حلقۂ رنگیں سے بالکل باہر نکل گئی تھیں۔

پھوپھی جان جو عرصے سے شوہر سے بگاڑ کر میکے میں آ رہی تھیں۔ ان کی طبیعت سب سے مختلف تھی۔ مارے نخوت و رعونت کے وہ کسی سے سیدھے منھ بولنا بھی کسر شان سمجھتی تھی۔ ان کی صاحبزادی عذرا جو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھیں۔ وہ ٹھیک ٹھیک اپنی والدہ ماجدہ کی تصویر۔ اکلوتے پن، حسن و شباب اور تعلیمی ترقی پر حد سے زیادہ مغرور۔

زارا کے خالہ زاد بھائی سہیل بھی یہیں رہتے تھے۔ مگر سب سے الگ، سب سے مختلف۔ ان کے والدین عرصہ ہوا ختم ہو چکے تھے۔ چھوٹی بہن بیاہ کر دور جا چکی تھی۔ وہ دنیا میں اکیلے تھے۔ انھیں اماں بی نے اپنے گھر میں جگہ دے دی تھی۔ آرٹس کالج میں شعبہ صحافت کے ریڈر تھے۔ بہت متین، سنجیدہ اور شریف آدمی تھے ان کے ساتھ بھی ایک المیہ وابستہ تھا۔ مگر وہ سب سے اپنے کام سے کام رکھتے۔!

زارا گھر کے افراد کی نفسیات کا تجزیہ کرتی تو اسے سب سے زیادہ چچی جان اچھی لگتیں، بے حد مظلوم، اور ضابطہ سی۔ وہ سب سے زیادہ ان کی شکل سے متاثر تھی۔ بڑی جاذب نظر تھیں۔ گندمی رنگ، صاف صاف بڑی بڑی آنکھیں، نیلے نیلے لب۔ اور پچاس سال کی عمر سے زیادہ عمر میں بھی کمر سے نیچے تک بال، ان کی شخصیت مسحور کن سی تھی۔ زارا نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ انھیں تنہا اداس ہی دیکھ رہی تھی ویسے اس نے ان کے بیٹے کے تذکرے بہت سنے تھے۔ ان کی متعدد تصویریں دیکھی تھیں۔ ان کے بے شمار خط پڑھے تھے۔ مگر کبھی دیکھا نہ تھا۔ پندرہ سولہ سال قبل گھر سے چلے گئے تھے۔ اور ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد چچی جان بے حد برباد ہو کر رہ گئیں۔ رہی سہی کسر چچا جان کی موت نے پوری کر دی۔ ان کے بعد تو وہ بولنا بھی بھول گئیں۔ مشین بن کر رہ گئیں ہر احساس سے عاری مشین جو ٹوٹتی ہے بکھرتی ہے خراب ہو جاتی ہے مگر منھ سے نہیں

بول سکتی!۔

چچی جان کہتی تھیں کہ ازدر جب یہاں تھے تو اسے بے حد چاہتے تھے۔ گودی میں کھلاتے تھے اور کندھے پر بٹھائے گھوما کرتے تھے وہ بھی انھیں پل بھر کے لیے نہیں چھوڑتی تھی۔ زارا کو کچھ بھی یاد نہ تھا۔ ان کی روانگی کے وقت وہ دو یا سوا دو سال کی بچی تھی۔ وہ کرید کرید کر چچی جان سے ان کی باتیں پوچھا کرتی۔ ان سے کہتی زارا کی طرف سے بہت سے سلام خط میں لکھ دیجیے۔ وہ زارا کو بھول نہ جائیں۔ چچی جان نے ازدر کی اتنی بہت ساری باتیں اسے بتائی تھیں کہ اب اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ دفعتاً اس کے سامنے آ کے کھڑے ہو جائیں تو وہ انھیں فوراً پہچان لے گی۔ اور وہ ان کی تمام باتیں جانتی ہے۔ جب وہ آئیں گے تو کم از کم انھیں زارا کی حد تک اجنبیت نہیں محسوس ہو گی۔ وہ ان سے کہے گی۔ آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ میں تو آپ کو بہت دنوں سے جانتی ہوں۔ میرے دماغ کے ریشے ریشے میں میرے دل کی رگ رگ میں آپ بسے ہوئے ہیں۔ آپ میری نبض حیات ہیں۔ میری یادیں آپ ہی کے تصور سے آباد ہیں۔ اس گھر میں کوئی آپ کا استقبال کرنے والا نہیں ہے۔ مگر دو آدمی آپ کی راہوں میں پلکیں بچھا دیں گے۔ ایک آپ کی امی اور دوسرے آپ کی زارا۔

آپ کی زارا۔ وہ ہنس دی۔ واہ یہ اچھی زبردستی ہے۔ ابھی سے آپ کی زارا کیسی۔ وہ ابھی آئے نہیں کسی کو دیکھا بھالا نہیں۔ بہت سے چہرے نئے ہیں۔ بہت سے ہمیشہ کے لیے کھو چکے ہیں۔ دادا ابا۔ دادی اماں۔ چچا جان۔ اور جانے کون کون سے۔ بہت سے جنازے اس در سے اٹھے ہیں۔ یہاں شہنائی کبھی نہیں بجی۔ آہ بوڑھی کے طاقچوں کی ہمیشہ تباہ کاریاں مچاتے رہتے ہیں۔ آخر یہ کیا گر انبار ہے زندگی۔!

ابا جان اور سہیل شاید ایئرپورٹ جا چکے تھے۔ گھر بھر میں سناٹا تھا۔ چچی جان بڑے کمرے پر ایک ناقدانہ نظر ڈال کر جا چکی تھیں۔! زارا نے غسل کر کے ہلکا پھلکا لباس پہنا اور برآمدے میں چلی آئی۔ موسم گرما کا اختتام تھا۔ خشک ہوائیں چلنے لگیں تھیں۔ اور آسمان پر بھورے بادلوں کا غبار چھا رہا تھا۔! لان پر کھلے ہوئے پھول دھوپ کی تمازت سے کملا رہے تھے۔ اور سرسبز خطہ زرد ہو گیا تھا۔! کچھ سوچ کر وہ کمرے میں آگئی۔! عجیب سی ٹھنڈک تھی کہ یک بیک اس کی پلکیں بند ہو گئیں! سامنے کے بڑے دریچے سے گرم ہوا اندر آ رہی تھی۔ کھڑکیوں پر پڑی خس کی ٹٹیوں پر لڑکے نے پانی چھڑک دیا تھا۔ بھینی بھینی خوشبو نے فضا میں نشہ سا بھر دیا تھا۔! اس نے گلدان اٹھا کر ڈسٹ بن میں خالی کیا اور کاسماز کے شگوفوں سے گلدان سجا دیا۔!

اس کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی۔ آہ۔ اگر آج چچا جان زندہ ہوتے تو ان کی مسرتوں کا عالم ہی نرالا ہوتا۔

وہ پردہ برابر کر کے باہر نکلی خواتین سامنے دالان میں آ بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں پر خوف و مسرت کی پرچھائیاں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ وہ بھی ریڈیوگرام کی میز کے گوشے پر ٹک گئی۔!

شام کا وقت تھا۔! اداس اور کچھ سنسان سا۔

اچانک گیٹ پر ہارن گونجا اور دو ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئیں۔

زارا پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ خدا نہ کرے چچی جان فرطِ مسرت سے بے قابو ہو جائیں۔ پندرہ برس بعد اپنے بیٹے کو دیکھیں گی! لیکن چچی جان غیر متعلق سی ایک طرح سب کے پیچھے کھڑی تھیں جیسے اس دوران کے لیے بھی محض مہمان کی حیثیت رکھتی ہوں!۔ ان کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

ابا جان، سہیل اور آزور اوپر آئے۔ زارا کی آنکھوں میں ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی۔ جان بوجھ کر وہ پردے کی شکنوں میں چھپ گئی۔

اس نے ازور کی بہت سی تصویریں دیکھی تھیں۔ انھیں پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن وہ عجیب تھے۔ اپنی تصویر اور اس کے تصور سے کہیں مختلف وہ سچ مچ اجنبی لگ رہے تھے! اس نے سوچا۔ نہ تو وہ اتنی بے باکی سے ان کے سامنے جا سکتی ہے اور نہ ان سے یہ کہہ سکتی ہے کہ اب میرے لیے اجنبی نہیں رہیں!۔ وہ اس سے بہت بڑے تھے۔ کم و بیش سترہ سال۔! نہیں نہیں۔ وہ ان سے بے تکلف نہیں ہو سکتی۔

اماں بی اور پھوپھی جان نے بڑھ کر آزور کو گلے سے لگا لیا۔ ان کی پیشانی پر بوسے دیے اور بے حد خوشی کا اظہار کرتی رہیں۔ سہیل سامان لانے چلے گئے۔

اپنی ماں سے ملو۔ یہ اماں بی نے کہا۔

ازور نے آگے بڑھ کر چچی جان کے سامنے سر جھکا دیا۔ ان کے منھ سے صرف ایک لفظ نکلا۔

امی۔

چچی جان کے سینے میں محشر بپا تھا۔ لیکن انھوں نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا جھکے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر سر پر بوسہ دیا اور گیلی آنکھوں کو آنچل سے صاف کرتی پھر اپنی کرسی پر جا بیٹھیں۔ آزور نے بھی کچھ نہیں کہا۔!

وہ بے حد سنجیدہ، متین اور کم گو معلوم ہو رہے تھے!۔

ابا جان جو خواہ مخواہ بوکھلا رہے تھے۔ ملازموں کو آوازیں دیتے اور احکام صادر کرتے گئے۔

غسل خانہ تیار کرو۔ کھانے کی میز لگاؤ۔ سامان بڑے کمرے میں قرینے سے

رکھوا دیا کہ نہیں۔ سہیل میاں سے کہو۔ ایک نظر کمرے پر ڈال لیں۔ کچھ کمی نہ رہ گئی ہو۔ اچھا میں خود ہی دیکھتا ہوں۔"

"آپ اطمینان سے تشریف رکھیے جناب۔" آزر نے ان کی بدحواسی بھانپ لی۔ بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "سامان وغیرہ سہیل صاحب لے آئیں گے۔" ان کی بھاری ہموار آواز زہرا کو بے حد اچھی لگی!

کھانے کی میز میں دیکھ لیتی ہوں۔" عذرا نے مترنم لہجے میں کہا اور پشت پر سے ساڑی کا آنچل جھلاتی ہوئی چلی گئیں!

ابا جان ان سے باتیں کر رہے تھے۔ بچی جان ان کی غیر متوقع آمد پر اظہار مسرت ہی کرتی نہ تھکتی تھیں۔ ابا رہ بی تعجب سے ان کے ڈیل ڈول پر نظریں دوڑا رہی تھیں اور ابا جان رہ رہ کر اس سامان کو دیکھ لیتے تھے جو تخت کے سامنے انبار کی صورت میں ڈھیر تھا! نجانے کیا کچھ ہوگا۔ انھوں نے سوچا۔ اور کس کس کو ملے گا۔ انھیں قدرے کوفت ہوئی۔

اتنے میں سہیل آ گئے اور بولے۔

اچھا تو اب آپ غسل کر کے تازہ دم ہو جائیے۔ تب تک ڈنر بھی تیار ہو جائے گا۔ انشاء اللہ رات کو اطمینان سے گفتگو ہوگی!"

ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ابا جان نے فوراً تائید کی۔

آزر نے اپنا بھاری بھر کم کوٹ اتار کر وہیں ڈال دیا اور سہیل کے ساتھ چلے گئے! ۔ زہرا بچی جان کے ساتھ ان کے کمرے میں آئی۔ ان کا یہ کمرہ کچھ چھوٹا تھا۔ سامان بھی مختصر سا تھا۔ تھکی تھکی سی وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔!

یہاں کا موسم آزر بھائی کیسے برداشت کریں گے۔" زہرا نے کہا۔

ان کے کمرے میں تو دو دو پنکھے ہیں۔ بچی جان نے ہمیشہ کی طرح مدھم لہجے

میں کہا: "آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے!"

"میں تب تک فروٹ جوس بنا لاؤں چچی جان؟" زارا نے کہا اور ان کا جواب سنے بغیر چلی گئی۔

دس منٹ بعد از در سیدھے ماں کے کمرے میں آئے۔ یہاں تنہائی تھی چچی جان پاؤں لٹکائے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ دفعتہً از در جھکے اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر ماں کی گود میں سر رکھ دیا!

"امی!" انھوں نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ اور سسکیاں لینے لگے۔ چچی جان کے آنسو ان کے سر پر برس رہے تھے۔ وہ بھی کچھ نہ کہہ سکیں۔ کچھ دیر تک دونوں ہی بدحواس رہے۔ پھر از در نے اپنا چہرہ اٹھایا۔ چچی جان ضبط نہ کر سکیں۔ ان کی پیشانی پر لب رکھ دیے!

پھر دو لمحوں کی خاموشی کے بعد از در نے کہا: "امی۔ آپ مجھے کیسے معاف کریں گی؟ میں کیسے آپ کو اپنی شکل دکھاؤں گا۔ میں آپ کا گنہ گار ہوں۔ میں نے مسلسل پندرہ برسوں تک آپ کو تنہائی۔ اداسی اور اکیلے پن کا کرب دیا ہے۔ میں آپ کو اپنے پاس بلا سکتا تھا۔ امی آپ اپنے وجود کی آدھی بھی نہیں رہیں۔ چہرہ پژمردہ ہے۔ بال سفید۔ پہلی نظر میں آپ کو میں نے پہچانا نہیں۔ بابا جان کے بعد آپ نے بہت سے صدمے اٹھائے ہیں!"

"بیٹے۔ دل بھاری نہ کرو۔ تم آگئے ہو۔ وہ پندرہ سال پندرہ لمحوں کی طرح گزر چکے۔ میں نے اپنی جنت پالی۔ میرے سارے دکھ ختم ہو چکے۔ میری خوشیوں کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اٹھو۔ میرے پاس بیٹھو۔"

"مجھے آپ کے قدموں میں سکون مل رہا ہے!"

"نہیں نہیں۔ میرے پاس آؤ۔"

وہ اٹھ کر پہلو میں بیٹھ گئے۔

"بابا جان کی موت کی پوری تفصیل مجھے سنائیے۔! انھیں کیا ہوا تھا۔"

سنا دوں گی مگر ابھی نہیں۔ تم اتنے لمبے سفر سے تھکے ہوئے آرہے ہو۔ کھانا کھا کے آرام کرو پھر صبح کو سناؤں گی!۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آج میں ساری رات آپ سے باتیں کروں گا نہ خود سوؤں گا نہ آپ کو سونے دوں گا"

وہ بے حد پیار سے مسکرائیں: "اچھا اچھا۔!"

دفعتہً پردہ سرکا اور زارا اندر آگئی۔ اس نے ہاتھوں پر چھوٹی سی ٹرے سنبھال رکھی تھی جس پر فروٹ جوس کے دو خوشنما گلاس رکھے تھے!۔

اندر کی آنکھیں ادھر اٹھ گئیں۔ زارا شرمائی۔ ٹرے اس کے ہاتھوں پر لرز گئی۔

"بیٹے۔ تم زارا سے نہیں ملے۔ تمہاری جنیا۔ یاد ہے تمہیں؟ بہت چھوٹی سی تھی۔ جب تم گئے تھے۔!" چچی جان نے کہا۔ اندر کی آنکھوں سے حیرت جھلکنے لگی! جیسے انھیں یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا!۔

"تم بھی تو جنیا ہی کہتے تھے۔ زارا کہہ کے تو کوئی نہیں پکارتا!"

"جنیا؟" اندر نے دہرایا: "لیکن یہ تو....." وہ ہنسنے لگے: "یہ تو وہ چھوٹی سی دو سال کی بچی لگتی تھی نا نہیں یہ۔ جنھیں میں ہر وقت گود میں لیے کھلایا کرتا تھا۔"

زارا چپ تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھ سے ایک گلاس اندر کی طرف بڑھایا۔ اور دوسرا چچی جان کی طرف اور خود ان کے پیچھے دبک کر بیٹھ گئی۔

"آپ بھی تو لیجیے:" انھوں نے جھک کر زارا کو دیکھا اور اٹھ کر میز پر سے گلاس لے لیا۔

(باقی آئندہ)

آدھا جوس اس میں انڈیل کر گلاس زارا کی طرف بڑھا دیا۔

م۔میں۔میں تو پی چکی۔" بے حد شرما کر وہ بولی۔

ہمارے ساتھ اور سہی۔"

زارا نے گلاس لے لیا۔

چچی جان کہنے لگیں۔" بڑی اچھی بے حد پیاری بچی ہے۔ مجھے بہت چاہتی ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں اس کے لئے۔ نہایت سلیقہ مند۔ سگھڑ ہے۔ اب تم خود ہی دیکھ لوگے۔!

" جی ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔" ازور ہنسنے لگے۔

زارا کا چہرہ گلابی ہوا جا رہا تھا۔ چچی جان کو تعریف کرنا تھا تو اس کی غیر موجودگی میں کرتیں۔

ملازم نے دروازے سے جھانکا" صاحب۔ اگر اجازت ہو تو۔ کھانا لگاؤں۔"

کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔" چچی جان نے کہا۔ پھر ازور سے بولیں۔" بیٹا تم اپنے کمرہ میں چلو۔ یہاں تمھیں آرام نہیں مل سکتا۔ بڑی گرمی ہے یہاں۔!"

جی ہاں۔ سامان بھی سب سہیل بھائی نے ادھر ہی کمرے میں سجا دیا ہے۔" زارا بولی۔ اس طرح کہنے پر ازور کو احساس ہوا انھوں نے کمرے پر ایک گہری نظر ڈالی اور حیرت سے بولے۔

" کیا آپ یہاں رہتی ہیں امی؟"

ہاں۔ وہ۔ ادھر سے باورچی خانہ قریب پڑتا ہے۔ گودام سے نکلتی ہوں۔ ادھر چلی جاتی ہوں۔" چچی جان کو جواب دینا نہیں آیا۔

لیکن یہاں ـــ!" ازور نے دیکھا۔ کمرہ بس واجبی سا تھا۔ ایک طرف دیوار سے لگا پلنگ بچھا تھا۔ سامنے الماری کھڑی تھی۔ پلنگ کے پائینتی قدیم آبنوسی میز۔ جس پر جانے

کیا کچھ الم غلم رکھا تھا۔ پلنگ کے نیچے دو تین ٹرنک پڑے تھے۔ سامنے مثلث نما طاق پر ایک چھوٹی سی دقیانوسی الارم گھڑی ٹک ٹک کئے جارہی تھی۔!

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔" وہ زیر لب بولے۔ پھر کہا۔" میں جو رقم آپ کو بھجواتا رہا ہوں!..... وہ۔ آپ نے شاید خرچ نہیں کی امی۔ یہ آپ کا معمولی سا رہن سہن آپ کے لباس، یہ کم قیمت سامان۔ آپ کو یہاں آرام نہیں ملتا۔!

واہ۔ تمھاری ہی بھجوائی ہوئی رقم تو خرچ کرتی رہی۔" چچی جان نے سب باتوں کے جواب میں کہا۔

خیر۔" ازدر نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔" جہاں آپ رہتی ہیں۔ میں بھی وہیں رہوں گا۔ کسی سے کہیے۔ میرا سامان ادھر سے اٹھالائے۔ میں بہت طویل عرصہ تک آپ سے جدا رہا ہوں۔ اب نہیں رہوں گا۔!

"میاں یہاں تمھیں آرام نہ ملے گا!"

"مل جائے گا امی!"

زارا نے ماں بیٹے کی خلوت میں مداخلت مناسب نہیں سمجھی۔ ٹرے اٹھا کر چلی گئی

"جب سے آپ میرے باپ کی بیوی بن کر اس گھر میں آئی ہیں۔ کبھی کوئی سانس آپ نے آرام کی بھی لی ہے؟" ازدر نے پوچھا۔

پچھلی باتیں سب ذہن سے نکال دو۔ ان لوگوں نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔

" دکھ میں بانٹے ہیں؟" بڑے طنزیہ لہجے میں ازدر نے پوچھا۔

کیسی باتیں کرتے ہو ازدر۔ کیا تم پرانے جھگڑے پھر سے تازہ کروگے۔ یہ تمھارے شایان شان نہیں ہے!" چچی جان ڈری جارہی تھیں۔ نجانے کیا کریں۔ کیا کہہ دیں اب وہ نوخیز نوعمر ناسمجھ لڑکے نہیں۔ پینتیس سال کے ذمہ دار مرد ہیں۔ وقت جو پہلے ان کے مخالفوں کا تھا اب ان کا ہے۔

۱۹

آپ کا اگر یہ مطلب ہے کہ میں مال و دولت کے جھگڑے کھڑے کروں گا تو آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ دولت اب میرے نزدیک خس و خاشاک کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں اب وہ نہیں ہوں۔ جو دس روپے اسکول کی فیس کے لئے پریشان پھرتا تھا اور اس در سے مجھے کبھی خیرات نہیں ملتی تھی۔ اب آپ دیکھیں گی کہ۔ میں ــ"

بیٹے تمھارا ارادہ کیا ہے" وہ خائف ہو گئیں۔

وہ عزت اور حرمت ان سب سے مانگوں گا۔ جس کی آپ حقدار ہیں۔؟"

"مانگنے کی چیز سے تو تم مطمئن ہو جاؤ گے؟ ازدر بیٹے"

ازدر کا چہرہ سرخ ہو گیا" دیکھئے۔ اس طرح میں نے آپ سے کہلوا لیا کہ ان سب کا سلوک آپ سے کس قسم کا ہے؟ خیر۔ اب میں دیکھوں گا"

کیا دیکھو گے؟" چچی جان نے مرتعش لہجے میں کہا" ازدر۔ اگر تم برے ارادے باندھ کر آئے ہو تو تمھاری آمد میرے لئے خوشی کی بات نہیں ہے۔ تم نہ آتے یہی ٹھیک تھا میری بہت سی گذر چکی۔ رہی سہی یہ بھی گذر ہی جاتی۔ تم میرے دکھوں میں اضافہ کرنے آئے ہو"

نہیں امی نہیں۔ ازدر نے اپنی گڑیا کی سی ماں کو اپنی باہوں میں چھپا کر سینے سے لگا لیا۔ میں آپ کے سارے دکھوں کو راحت و آرام میں بدلنے آیا ہوں۔ جتنی تکلیفیں آپ نے اٹھائی ہیں۔ ان سب کا ازالہ کرنے آیا ہوں۔۔۔۔ آپ کو نہیں معلوم امی۔ میں آپ کے لئے اتنا مال و اسباب لایا ہوں کہ آپ کو سونے کے خول سے ڈھانپ کر خوشی سے معمور تخت طاؤس پر بٹھا دوں گا!"

چچی جان ایک ساتھ ہنسنے اور رونے لگیں "تم نے کہہ دیا اور میں نے پا لیا۔ ازدر اب تم میری تمنائیں پوری کر دو جس کے خواب میں نے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے دیکھے ہیں!

ازدر ہنستے ہوئے سیدھے بیٹھ گئے۔ وہ خواب جن کا تذکرہ آپ نے اپنے خطوں میں

کیا تھا۔ چاند سی بہو۔ اور شرارتیں کرتے ہوئے بچوں کے خواب۔!"

"ہاں۔ مگر تم اس طرح ہنس کیوں رہے ہو۔ کیا خدا نکرے تم نے غیر ملک میں کچھ۔!"

وہ ان کا چہرہ تکنے لگیں۔

بالکل کچھ نہیں۔" انھوں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ان کی بات کاٹ دی۔" یہ اندیشے اپنے دل سے نکال دیجئے۔! انشاء اللہ آپ کے سب خواب پورے ہو جائیں گے۔ مگر ابھی نہیں۔"

ابھی نہیں تو پھر کب؟"

"آدمی کے اختیار میں صرف خواب ہیں امی۔ تعبیر پر آدمی کا اختیار نہیں۔ بس آپ بھی وقت کا انتظار کیجئے!"

آپ حضرات کی باتیں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ جناب؟" سہیل کمرے میں آئے۔

"چلو چلیں" چچی جان اٹھ کھڑی ہوئیں۔

طعام خانہ شیشے کی طرح جگمگا رہا تھا۔!

میز پر گھر کے سارے افراد موجود تھے۔

ازور خوب سمجھتے تھے۔ یہ سارا اہتمام صرف انھیں کی وجہ سے تھا۔! اس منافقت پر انھیں بڑا غصہ آ رہا تھا۔ لیکن انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ نہ نظر اٹھا کے طعام خانے کی سجاوٹ دیکھی۔!

میز پر عذرا بھی تھیں۔ ان کی آواز سب پر حاوی تھی۔

ابا جان ازور سے پوچھ رہے تھے۔ ان کے فیوچر کا کیا پروگرام تھا۔ سہیل نے خیال ظاہر کیا کہ شاید انھیں ان کی ڈگریوں کے مطابق سروس نہ مل سکے!۔ اور تب عذرا نے مردوں کی گفتگو میں دخل دیا۔ موتی ایسے دانت چمکاتی ہوئیں بولیں۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ خود کو چند روز کے لئے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ پہلے کچھ

سیر و تفریح ہو جائے۔ کہیں گھومیں پھریں گے۔ خوب انجوائے کریں گے بعد کو جو آپ کا جی چاہے۔"

ازور کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ خاموش رہے۔ سہیل نے کہا۔

"کیا سوچ رہے ہیں جناب!"

"کچھ نہیں۔" انھوں نے بہت سادگی سے جواب دیا۔ "کھانا کھا رہا ہوں۔ ان چیزوں میں آپ نے مرچ بہت زیادہ کر دیا ہے۔ سینے میں جلن شروع ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو آپ یہ مٹھائی کھائیے۔" عذرا نے کسٹرڈ فروٹ کی ڈش ان کے آگے سرکائی

"شکریہ۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔ "مجھے مٹھائی اچھی نہیں لگتی۔" اور پھر سہیل سے کہا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔ میں کھانے کے بعد کچھ دیر سو جاؤں۔ تین شبانہ روز سے برابر جاگ رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور۔" سہیل نے تائید کی۔ "آرام آپ کے لئے بے حد ضروری ہے۔ انشاءاللہ کل جی بھر کے گفتگو کریں گے۔"

"تو پھر مجھے اجازت ہے۔" ازور اٹھنے لگے۔

"ہاں ہاں بیٹے جاؤ۔" پھوپی جان نے بڑی محبت سے کہا۔

"کیا آپ رات کے کھانے کے بعد چائے بھی نہیں پیتے۔؟" بے ساختہ زارا نے پوچھ لیا۔

"کافی۔ میں کافی بہت پیتا ہوں۔" ازور نے جان بوجھ کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"لیکن آپ کو تو مٹھائی اچھی نہیں لگتی۔" عذرا نے کہا۔

"کیا آپ کافی کو بھی مٹھائی سمجھتی ہیں۔؟" ازور نے کہا۔ سہیل ہنس پڑے۔ زارا خوش ہو گئی۔ لیکن عذرا کی نخوت پر سخت چوٹ آئی۔!!

رات تاریک تھی۔ فضا میں اماوس کا کاجل گھلا ملا تھا۔ سیاہ آسمان پر ستاروں کی افشاں بکھری ہوئی تھی۔ باغ کی منڈیر کے نیچے رات کی رانی اور ہار سنگھار کے پودے تھے ان کی مہک برآمدے میں بسی ہوئی تھی۔ کبھی کبھار باغ سے گرم اور خشک ہوا کا ایک جھونکا ادھر آتا اور اپنے ساتھ موتیے مونگرے کی خوشبو لے آتا۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ سب اپنی اپنی خوابگاہوں میں جا چکے تھے۔ نشست کے پاس دیوارگیر بلب زرد زرد بیمار روشنی پھیلا رہا تھا۔ ماحول میں عجیب سی سنانی رچی بسی تھی۔

تھوڑی دیر قبل سہیل ازور سے خوب گپ شپ کر کے جا چکے تھے۔ اور اب نیند ازور کی آنکھوں سے دور تھی۔ وہ سگریٹ سلگا کر باغ والے برآمدے میں ٹہلنے لگے۔!

چچی جان زبیدہ بیگم اپنے کمرے سے انھیں دیکھ رہی تھیں۔ جب بھی وہ رخ پھیر کر سامنے آتے وہ جلدی سے پیچھے ہو جاتیں۔ ان کی فطرت بھی عجیب تھی۔ وہ بڑوں کے سامنے تو لب کشائی کی جرأت نہیں کرتی تھیں لیکن انھیں چھوٹوں سے بھی ڈر لگتا تھا انھیں ڈھنگ سے جواب دینا بھی نہ آتا۔ بس آپ ہی آپ کڑھ کر اور غم کھا کر رہ جاتیں۔ اب انھیں احساس ہوا تھا کہ ان کے سسرال والوں کے روکھے سلوک کو ازور نے بخوبی جان لیا تھا۔ ازور وہ اپنے ماضی کا بدلہ ان سے لے کے رہیں گے۔ نجانے کیا کس طرح۔ کھانے سے کچھ دیر قبل ایسا ہی حادثہ ہو گیا تھا۔ جس کی بنا پر ازور کا موڈ یکبارگی بگڑ گیا۔ وہ جو اچھے خاصے بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ دفعتہً خاموش ہو گئے۔ اور ان کے مزاج کی یہ ناخوشگوار تبدیلی کسی سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی!۔

ہوا یوں تھا کہ سہ پہر کے بعد ازور حالاں کے سامنے صوفہ پر لیٹے وہ البم دیکھ

رہے تھے جو زارا انھیں دے گئی تھی ۔ اتفاقاً کسی کی آمد کی اطلاع پاکر باہر نکلے
ان کے نام سفارت خانے والوں کا انفارمیشن لیٹر آیا تھا جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی
کہ ان کا وہ قیمتی سامان جو بائی شپ آرہا تھا۔ دفتر پہونچ گیا ہے ۔ آکے وصول کرلیں
ماں کو اطلاع دینے وہ اندر آئے ۔ زبیدہ بیگم کمرے میں نہیں تھیں ۔ گھر بھر ہی میں نہیں
تھیں ۔ البتہ ان کی پھوپھی اور چچی آپس میں ہنستی بولتی دکھائی دیں ۔ جس کا اثر ان پر اچھا
نہیں ہوا ۔ وہ اپنی ماں کو بھی انھیں خواتین کے پاس دیکھنا چاہتے تھے
کیا امی کہیں باہر گئی ہیں ۔" انھوں نے پوچھا ۔ زارا نے معصومیت سے جواب
دیا ۔ "چچی جان بھلا باہر کہاں جاتی ہیں ۔ باورچی خانے میں ہوں گی ۔ ! "
باورچی خانہ کہاں ہے ؟ " ازور نے برہم ہو کر پوچھا ۔
ادھر صحن کے اس طرف ۔ ! جواب ملا ۔
صحن سے گذر کر وہ باورچی خانے تک پہونچے ۔ اتار کی دھوپ سے سارا کچن بھٹی
بنا ہوا تھا ۔ خادمہ رات کا کھانا تیار کر رہی تھی ۔ ایک چوکی پر زبیدہ بیگم بیٹھی سر جھکائے
چاول بین رہی تھیں ۔ پرات میں چاولوں کا ڈھیر لگا تھا ۔ ! زبیدہ بیگم کے سر پر دھوپ
پڑ رہی تھی ۔ ! مگر انھیں شاید اس کا بھی خیال نہ تھا ۔
ازور کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔
وہ آگے بڑھے اور دروازے میں جا کھڑے ہوئے ۔
دھوپ بند ہوئی ۔ سایہ ہو گیا ۔
اور زبیدہ بیگم نے سر اٹھا کر دیکھا ۔
آپ یہ کام بھی کرتی ہیں ۔ ؟ ازور نے غصیلے لہجے میں پوچھا ۔
زبیدہ کو کوئی جواب نہیں سوجھا ۔ . . . .
اٹھئے یہاں سے ۔ ورنہ میں یہ سب کچھ اٹھا کے پھینک دوں گا ! "

بیٹا یہ تو اپنا کام ہے" انھوں نے گر درآواز میں کہا۔

سب جانتا ہوں میں۔ سب جانتا ہوں"

زبیدہ بیگم نے بے بسی سے ازدر کو دیکھا۔ ازدر کی خونی آنکھوں سے ان کی آنکھیں ملیں اور زبیدہ بیگم نے پلکیں جھکا لیں۔

آج بوا شکورن کو بخار آ گیا تھا" انھوں نے پہلے کی بہ نسبت اور بھی مردہ آواز میں کہا۔ سب کو وقت پر کھانا۔ بیٹے سنو تو" وہ کہتی ہی رہ گئیں۔ مگر ازدر نے پرات ان کے ہاتھ سے چھین کر اس طرح دور ڈھکیلی کہ وہ الٹ گئی اور سارے چاول زمین پر بکھر گئے۔ ماں کا ہاتھ تھام کر انھوں نے اٹھا دیا۔ اور کہا۔

"وقت پر چاہے کسی کو کھانا ملے چاہے نہ ملے۔ لیکن اگر میں نے آپ کو پھر کبھی کچن میں دیکھا تو انجام آپ کے اور میرے حق میں بہت برا ہوگا۔ آپ کو یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ اگر آپ اس طرح ہاتھ نہ پیٹیں تو آپ کو کھانا نہیں ملے گا۔"

ملازمہ سہم کر کونے میں دبک گئی تھی۔ زبیدہ بیگم، خاموش کھڑی تھیں۔

"چلیے میرے ساتھ۔!"

بیٹا۔ وہ اکیلی افسری کچھ نہ کر سکے گی۔" وہ مشکل سے گھگھیائیں۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔!"

وہ زبردستی انھیں اپنے ساتھ لائے اور دوبارہ دیکھا کہ انکی چچی اماں اور پھوپھی جان بدستور سوا کے رخ پر تخت نشین ہیں۔!

ان دونوں نے بھی یہ سارا تماشہ دیکھا تھا۔ مگر کچھ نہ کہا۔ جب دونوں صحن سے گزر کر چلے گئے تب وہ خواتین مرے مرے قدموں سے اس طرح باورچی خانے میں آئیں جیسے انھیں کسی نے مطلق العنانی سے معزول کر کے ملک بدر کر دیا ہو۔ گم صم۔ کچھ حیران اور بدحواس۔!

کمرے میں پہونچ کر ازور نے ماں کو کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ بے چاری ہانپنے لگیں۔ ازور بڑے برہم ہو رہے تھے۔ ان بے چاری نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی مگر عذر گناہ بدتر از گناہ کے مطابق ان کا غصہ پر استدلال پر بڑھتا ہی رہا۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ مگر جیسے ان ہی سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا۔ وہ شام تک کمرے سے باہر نہ نکلیں۔!

پھر سہیل آ گئے، اور ازور سے باتیں کرنے لگے!۔ انھیں حالات کی کچھ خبر نہ تھی ازور نے بھی ان سے سادگی سے باتیں کیں۔ گھر بھر میں صرف دو افراد انھیں مخلص اور اپنے ہمدرد لگے تھے۔ ایک سہیل دوسرے زارا۔ سہیل ان کے صرف دوست تھے۔ لیکن زارا ان کی بنت عم تھی۔!

اور یہ روح فرسا سناٹا جا نگسل خاموشی سب کچھ سہ پہر کے ناخوشگوار واقعہ کا ردعمل تھی۔!

اکیلے میں ازور کا طیش اور جذبے کا ابال اور بڑھا۔!

ایک اور معمولی سی بات بھی ان کا سکون درہم برہم کر رہی تھی۔ انھیں یاد آیا۔ صبح کو جب ان کی امی غسل خانے جا رہی تھیں۔ تب۔ دیر تک اپنے ٹرنک کو کریدتی رہی تھیں۔ اور انھیں موزوں کپڑے دستیاب نہ ہو سکے تھے۔

اس کی وجہ کیا تھی؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رکے اور دیوار سے ٹک کر سگریٹ سلگانے لگے!۔

چچی جان نے اندر سے آواز دی۔

"بٹیا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ آ کے سو جاؤ۔ ایک بجنے والا ہے"؟

انھوں نے سگریٹ باغ میں اچھال دیا اور لائٹر جیب میں رکھ کر اندر آئے۔

تمھیں نیند کیوں نہیں آتی؟" چچی جان نے پوچھا۔

میں سمجھتا ہوں امی کہ آج دن بھر کی میری ذہنی اور قلبی کوفت کا باعث آپ ہیں"
چچی جان نے سینے سے ایک آہ نکلی مگر درآواز میں بولیں "جو جیا ہو کہہ لو میاں
کہنے والوں کی زبان تو میں پکڑ نہیں سکتی۔!"

آپ میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے امی۔ ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ آپ کو
کچھ کہہ سکے" وہ اپنے پلنگ پر جا بیٹھے اور بالوں میں انگلیاں الجھالیں۔

خواہ مخواہ کی باتیں سوچتے ہو اور کوفت میں مبتلا ہوتے ہو" چچی جان نے کہا
آپ سے ایک بات پوچھوں۔!

"یہی وقت رہ گیا ہے باتوں کا۔ یونہی اپنی نیند خراب کر رہے ہو"

"مجھے نیند نہیں آئے گی جب تک کہ آپ میرا اطمینان نہ کرا دیں گی!۔ ورنہ
میں ساری رات اسی عذاب میں گرفتار رہوں گا۔!"

"پوچھو۔ کیا پوچھنا ہے" ان کا لہجہ پھر مردہ ہو گیا۔ کیا ستم ہے کہ بیٹے پر بس
نہیں چلتا۔!

آپ کو آپ کے سسرالی عزیزوں نے خادمہ کا درجہ کیوں دے رکھا ہے؟"
"نہیں تو"

"بیکار ان کی طرفداری نہ کیجئے امی۔ میں بھی تو آخر دیکھ ہی رہا ہوں"

میاں وہ بھابی بلڈ پریشر کی مریض ہیں" چچی جان نے کہا "وہ دو قدم
چلتی ہیں اور ہانپنے لگتی ہیں۔ آپا جان کو درد سر کے دورے اٹھتے ہیں۔
وہ اگر دھوپ میں کھڑی ہو جائیں تو ہفتوں سر کا درد لیئے پڑی رہتی ہیں۔

ہوں" وہ غرائے" اور آپ کو کچھ نہیں ہوتا۔ نہ بلڈ پریشر نہ درد سر، کچھ
نہیں۔ ان لوگوں نے آپ کو باورکرا دیا ہے۔ اگر آپ کام نہ کریں گی تو آپ
کو کھانا نہ ملے گا۔ میں نے سب دیکھ لیا۔ یہاں آپ کا درجہ کیا ہے۔ خیر

اب میں اس کا بخوبی انتظام کردں گا۔ اچھا اور بتایئے۔ سچ سچ بتایئے۔ کہ میں نے تین ماہ قبل آپ کو سات ہزار روپے بھیجے تھے۔ وہ آپ نے کیا کئے کیونکہ مجھے تو اب معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے پاس روزمرہ کے استعمال کے لباس بھی نہیں ہیں۔!"

چچی جان کا چہرہ تاریک ہو گیا" وہ۔ وہ۔ رقم تو میں نے۔ میں نے اپنے نام سے بینک میں جمع کر دادی۔"

"یہ مجھے بہلا رہی ہیں آپ۔

یقین کرو۔

کون سے بینک میں۔؟

بینک کا نام میں نہیں جانتی۔!

رقم جمع کس نے کروائی تھی؟"

بھائی صاحب نے!"

پاس بک کہاں ہیں۔؟"

ارے یہ سب کچھ پوچھنے کا اب کون سا موقعہ ہے۔ ازور۔ نہ خود سوتے ہو نہ مجھے سونے دیتے ہو۔ صبح کو سب کچھ معلوم کر لینا" چچی جان نے احتجاج کیا

کیا پاس بک بھی آپ کے بھائی صاحب ہی کے پاس رکھی ہے؟" ازور نے پوچھا۔

میرے بھائی صاحب کیا معنی۔ کیا وہ تمھارے بابا ماما نہیں ہیں۔"

قطعی نہیں۔ میرے وہ کوئی نہیں ہیں۔!" ازور نے برہم لہجے میں کہا" یہ نامعقول رشتے ناطے آپ ہی کو مبارک ہوں۔ ان رشتوں کے احترام نے آپ کو اس نوبت پر پہنچایا ہے۔ جو سلوک ان سب کا میرے والد کے زمانے میں آپ

سے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مرنے اور میرے چلے جانے کے بعد اس میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی تھی۔ اچھی بات ہے میں کل ہی سب ٹھیک کر دوں گا۔!"

بیچی جان کے مرجھائے ہوئے گالوں پر آنسو بہنے لگے "ازدر۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری رہی سہی زندگی بھی جہنم بن جائے۔ بیٹا کسی سے کچھ مت پوچھنا۔ جو کچھ میں نے بھگتا وہ میرے نصیب کا لکھا تھا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ لوگ تم سے بدظن نہ ہو جائیں۔ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔"

میں ان سب کو پاتال میں پہنچا دوں گا امی۔" ازدر کی آواز سے خون برسنے لگا۔! اب کون ہے جو آپ کی زندگی کو جہنم بنا سکے۔ قسم خدا کی اس شخص کو میں جہنم ہی میں پہنچا دوں گا۔ جو آپ کو کچھ کہہ کر تو دے۔ بہت کچھ بھگتا ہے آپ نے۔ یہ میرے بیچارے باپ کی اور مجھ ظالم کی خطا تھی۔ ہم دونوں نے آپ پر ظلم کیے۔ میرے باپ کے منہ میں زبان نہ تھی۔ اور میں کسی قابل نہ تھا۔ لیکن اب... اب میں ان یزیدوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں.... آپ کیوں رو رہی ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کے پاس اتنے آنسو کہاں سے آ گئے ہیں۔ امی۔ آپ کے آنسو میرا جذبۂ انتقام بھڑکا رہے ہیں۔ خدا کے لیے چپ ہو جایئے۔ ورنہ میں نہیں جانتا کہ میں اپنے جنون میں کیا کر گزروں گا۔"

"ازدر۔ تمھیں خدا کا واسطہ یہ خیالات دل سے دور کرو۔ میں نے تو تمھیں کچھ بتایا ہی۔ کچھ تم کو لکھا نہیں۔ پھر تم کو کیسے پتہ چلا کہ۔ میں یہاں تکلیف میں ہوں۔"

تعجب ہے امی۔ ایسا معصومانہ سوال آپ مجھ سے کر رہی ہیں۔ ازدر بڑے طنز سے ہنسے۔" اگر آپ اپنے چاروں طرف نظریں ڈالیے تو آپ کو اپنے ایک سوال کے کئی جواب مل جائیں گے..... میں بتاؤں آپ کو۔ یہ آپ کا کمرہ جس میں آپ کے راحت و آرام کا کوئی سامان نہیں ہے۔ نہ پنکھا، نہ قاعدے کی بجلی

نہ مناسب لباس، نہ مناسب خوراک۔ آپ کی رشتہ دار خواتین غالباً اس وقت گپیں ہانک کر قہقہے لگاتی یا بیماریوں کا بہانہ کر کے آرام کرتی ہیں جس وقت کہ آپ باورچی خانہ میں ماماؤں کے ساتھ کھانا پکاتی ہیں آپ فولاد کی بنی ہیں۔ آپ پر نہ دھوپ کا اثر ہوتا ہے نہ بارش کا۔ آپ شاید کبھی بیمار بھی نہیں پڑتیں۔"

اچھا ازور۔ جو کچھ تم کہتے ہو۔ سب ٹھیک ہے۔" چچی جان نے کہا۔" مگر میری خاطر۔ میرے بچے۔ تم کسی سے نہ الجھو۔ اچھے دل برے نہ کرو۔ مجھے تو یہیں رہنا پسند ہے

"یہ کون کہتا ہے۔؟"

میں کہتی ہوں۔"

بالکل غلط کہتی ہیں آپ۔ آپ کو یہاں نہیں رہنا ہے۔ میں آپ کے لئے ایک آرام دہ خوبصورت مکان خرید دوں گا۔ آپ کو سب سے الگ رکھوں گا۔ آپ کی خدمت کے لئے ملازم ہوں گے۔ جس قدر تکلیفیں آپ نے اٹھائی ہیں۔ اب ان کا ازالہ ہو جائے گا۔"

کیا ضروری ہے کہ تم سب سے لڑ جھگڑ کے الگ رہو۔!"

لڑ جھگڑ کے نہیں۔ اچھی طرح انتقام لے کے۔ مزہ چکھا کے۔

انھوں نے بستر پر بیٹھ کر وہ چھوٹا سا پنکھا اٹھایا جو ساری گرمیوں پر ساتھ دیتا تھا اور بڑے زور زور سے اپنے چہرے پر جھلنے لگے

بے چاری زبیدہ بیگم جن کی کمزور تاویلیں، اخلاقیات کے سبق کچھ کام نہ آسکے تھے وہ بھی گری مری ہو کے اپنے بستر پر نیم دراز ہو گئیں۔ اور اپنے بے قابو خیالوں کو قابو میں کرنے لگیں۔ ازور نے ان کی ایک نہ سنی تھی۔ سننا چاہتے ہی نہیں تھے۔

ساری رات ان کی عجیب بیقراری میں کٹی۔ اور ساری رات زبیدہ بیگم بھی بے خواب رہیں جیسے جیسے رہرو شب کے قدم منزل سحر تک پہونچ رہے تھے۔ ویسے ویسے زبیدہ بیگم

کا کرب واضطراب ترقی کر رہا تھا!

خدا خدا کر کے فجر کی اذان ہوئی۔ ان کا روز کا کام تھا کہ وہ بعد نماز فوراً کچن میں چلی آتی تھیں۔ اور خادمہ کے آنے تک آدھے سے زیادہ کام وہی نمٹاتی تھیں۔۔ آج جانماز سے اٹھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی جیسے کانٹوں پر بیٹھی تھیں۔ تسبیح کے دانے ایک کے بعد ایک گر رہے تھے مگر انھیں معلوم نہ تھا کہ وہ کیا پڑھ رہی ہیں۔

ایک طرف وہ ظالم بے حس اور بے درد لوگ۔

دوسری طرف سخت گیر، غصہ ور۔ ضدی بیٹا۔

انھوں نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعا مانگی۔

اے خدا۔ ازور کے دل میں نیکی ڈال دے۔ وہ کوئی جھگڑا نہ کھڑا کریں۔

ازور جاگ رہے تھے۔ انھوں نے کمرے سے باہر نکل کر گھر پر ایک نظر ڈالی۔! صرف زارا صحن میں دکھائی دی۔ ہارسنگھار کے پیڑ تلے سے پھول چن رہی تھی۔ بڑی معصوم ادا سے اس نے ازور کو سلام کیا۔! اور سر پر دوپٹہ برابر کرنے لگی۔

صبح صادق کے نور میں ملفوف۔ روشنی کی ایک انوکھی کرن کی سی۔ بھولی بھالی پاکیزہ۔ سیدھی سادھی۔ بہار کے پہلے پھول کی سی شگفتہ، نرم ونازک، سادگی و نفاست کا پیکر۔

اسے دیکھتے ہی ازور کے آتشیں خیالات دفعتہً یخ بستہ ہو گئے!۔ وہ مسکرائے انھیں یاد آیا۔ جب وہ بہت چھوٹی تھی۔ تب اسی صحن میں۔ وہ ان کے ساتھ کھیلا کرتی تھی لیکن زمانے کی طنابیں پندرہ سولہ سال کی طوالت تک کھینچ چکی تھیں۔ وہ زمانہ خواب ہو گیا تھا۔ جو اپنی تمام تر معصومیت اور معصومیت اور پاکیزگی کے ساتھ شاید ازور کو تو یاد تھا۔ لیکن شاید زارا کو بالکل یاد نہ تھا!

وہ ان کے کسی حکم کی منتظر تھی۔!! ادھر ازور کو کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے تھا۔ لہٰذا انھوں

نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور کہا۔

"جنیا تم بڑے سویرے جاگ اٹھیں۔!"

زارا کو آج پہلی دفعہ اپنا نام پیارا لگا۔ جنیا، جنیا۔ اس کے ننھے سے دل میں کوئی ساز بج اٹھا۔

"جی ہاں۔" وہ مسکرائی "میں تو روز نماز کے لیے جلدی اٹھ جاتی ہوں" پھر اس نے پوچھا۔

کیا چچی جان ابھی تک سو رہی ہیں آج۔

نماز پڑھ رہی ہیں!۔

میں تو ان ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ پہلے تو ہم دونوں ساتھ ساتھ اٹھ جاتے تھے میں ان ہی کے پاس تو سوتی تھی۔ مگر۔ جب سے آپ آئے ہیں۔ میں۔"

میری وجہ سے تم ان کے پاس نہیں گئیں۔؟؟

جی ہاں۔ اماں بی نے منع کر دیا تھا کہ وہاں آپ سوتے ہیں۔ اس لئے اب میں چچی جان کے پاس نہ سوؤں" بے حد معصوم لہجے میں اس نے بتا دیا۔

"آج سے تم انہیں کے پاس سویا کرنا میں اپنا انتظام کہیں اور کر لوں گا۔"

"سنئے آپ کے لئے۔ بڑے بھائی جان کا کمرہ درست کیا گیا تھا۔ آپ اس میں کیوں نہ رہے۔؟؟"

"میں امی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ میرا بھی بہت دل چاہتا تھا کہ میں امی امی کے پاس سوؤں۔ سوچو کہ میں کتنے برسوں تک ان سے الگ رہا تھا۔

ہاں ہاں۔ یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ کسی نے سوچا ہی نہیں کہ اتنے برسوں تک الگ رہنے کے بعد آپ چچی جان سے ملے ہیں۔ پھر بھلا ان سے دور کیونکر رہ سکے؟"

اس کی نرم و مترنم آواز پھوار کی طرح ازدر کے دل پر آہستہ آہستہ برس رہی

تھی۔ اس کے چہرے کی دید ان کے لطیف و نازک جذبات کی تسکین کا باعث بن رہی تھی۔ اس کا نو دمیدہ کلی کا سا وجود ازدر کے بھاری بھرکم وجود کو ناقابل فہم سا سہارا عطا کر رہا تھا۔ نجانے کیا وجہ تھی۔ وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ نہ انھیں یہ گوارا تھا کہ زارا اپنی گفتگو ختم کر کے چل دے۔ انھوں نے اسے باتوں میں الجھا لیا۔

"تم کون سے ایر میں ہو جنیا؟"

سکنڈ ایر۔!

اچھا اچھا۔ ماشاء اللہ۔"

" اباجان کہہ رہے تھے کہ آپ نے بہت سی ڈگریاں حاصل کی ہیں!"

"نہیں۔ بہت سی نہیں ...۔ ضرورت کے مطابق تھوڑا بہت پڑھ لیا تھا۔"

آپ کو تین چار خط چچی جان نے مجھ سے بھی لکھوائے تھے۔" وہ کچھ شرمائی۔" آپ کو وہ ملے تھے؟"

"ملے تھے اور انھوں نے وضاحت بھی کی تھی کہ یہ خط زارا نے لکھا ہے۔"

"آپ کو میں یاد رہی تھی۔؟"

" تھوڑی سی تو یاد تھیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی بڑی ہو گئی ہو۔۔ مجھے تو بس وہی دو سال کی ننھی سی بچی یاد تھی۔!"

زارا ہنسنے لگی۔ انھوں نے اس کا ساتھ دیا۔

آپ نے جو تصویر چچی جان کو بھجوائی تھی نا۔ کچھ دنوں پہلے۔!

ہاں بھجوائی تھی۔" ازدر نے تسلیم کیا۔

وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ میں نے چچی جان سے لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ مگر آپ تو تصویر سے بھی بہت زیادہ اچھے ہیں۔!"

کتنی معصوم اور سادہ دل ہے۔ ازدر نے سوچا۔ پھر ہنس پڑے۔

اب وہ تصویر پر تم اپنی چچی جان کو واپس کر دو۔

کیوں۔

"میں تصویر سے زیادہ اچھا ہوں۔ لہٰذا مجھے رکھ لو۔!"

آپ کو کیسے رکھ لوں۔؟" وہ ایکی کھلکھلا کے ہنس دی "تصویر تو میں نے اپنے البم میں لگا لی ہے۔!"

دالان میں ابا جان نظر آئے۔ انھوں نے ان دونوں پر ایک نگاہ دوڑائی۔ پھر زارا سے بولے۔ کیا بات ہے یم نیہاں ہو۔ زبیدہ دکھائی نہیں دیتیں۔ چائے کا کہیں پتہ نہیں!۔ کیا وہ ابھی تک نہیں جاگیں۔؟"

اور پھر ازور کے اطراف جہنم کا دہانہ کھل گیا۔ انھوں نے نہایت سرد لہجے میں جواب دیا۔ "چچی اماں اور پھوپھی جان بھی مجھے دکھائی نہیں دیتیں۔ کافی کا مجھے بھی انتظار تھا۔ کیا دونوں ابھی تک نہیں جاگیں؟"

ابا جان نے آنکھیں پھاڑ کر ازور کو دیکھا اور معاً انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا نہایت بے تکے پن سے بہانہ بنایا۔

بھئی وہ رات کو تمھاری چچی اماں درد سر کی وجہ سے بڑی پریشان رہیں اور غالباً عزیزہ بھی انھیں کے پاس تھیں۔ شاید اسی لئے ابھی تک پڑی سو رہی ہیں۔..... بیٹی جنیار کیا کچھ دیر ہے چائے میں؟" صاف ظاہر تھا وہ بوکھلا رہے تھے۔

بنا لاتی ہوں ابا جان۔ زارا نے کہا اور ازور پر ایک نظر ڈال کر چلی گئی۔

آؤ میاں بیٹھ جاؤ۔ باتیں کریں۔ جب سے تم آئے ہو۔ ایسا کوئی موقعہ ہی نہ مل سکا کہ تم سے تفصیلی گفتگو ہوتی۔" انھوں نے کہا۔ "پھر تم نے بتایا ہی نہیں کہ اب انشاء اللہ تمھارا ارادہ کیا ہے؟۔ غالباً تمھارا قیام تو یہیں رہے گا۔

جی نہیں!" خشک لہجے میں ازور نے جواب دیا۔

نہیں؟ ۔ کیا مطلب ۔ کیا تم واپس پھر اٹلی چلے جاؤ گے؟ "

" جی ہاں "

بھئی واہ ۔ یہ تو کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا " ابا جان نے اخلاقاً کہا ۔ میں نے تو یہ خیال کیا تھا کہ شاید تمھارا مستقل قیام یہیں ہو گا ۔۔۔۔ عجیب انتشار ہے منظہر اور اظہر تہران چلے گئے ۔ تم اٹلی چل دیے ۔ لڑکیاں سسرال کی ہو گئیں ۔ بہر حال سب اپنی اپنی جگہ ہو رہے ۔ گھر خالی ہو گیا ۔ لوگ بکھر گئے ۔

کچھ لوگ مر گئے " ۔ ازور نے بیدردی سے کہا " میرے والد یعنی آپ کے چھوٹے بھائی بیچارے ختم ہو گئے ۔ میری چھوٹی بہن مر گئی جسے نمونیہ ہوا تھا جس کا معقول علاج نہ ہو سکا تھا ۔ یہ تو دنیا ہے جناب ۔ یہاں یہی سب ہوتا ہے ۔ کچھ بچھڑ گئے کچھ مر گئے اور جو باقی ہیں ان میں اتحاد و اتفاق اور یگانگت نہیں ہے ۔

اس بدبخت کو شاید ماضی کے ایک ایک لمحے کا حساب یاد ہے ۔ ابا جان نے دل ہی دل میں دانت پیس کر سوچا ۔ مگر بظاہر ایک افسوسناک سرد آہ بھری اور اپنے چکنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے ۔

رفتہ رفتہ وہاں خواتین تشریف لائیں ۔ ازور نے ان کے چہروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ رات کی مفروضہ بیماری کا ان پر کتنا اثر ہے ۔ لیکن وہ چہرے ہر قسم کی نقاہت اور کمزوری سے عاری ہمیشہ کے سے مغرور و متکبر نظر آ رہے تھے ۔ ازور نے نفرت سے رخ پھیر لیا ۔

پھر باہر سے سہیل آئے اور نام خدا عذرا بیگم بھی تشریف لائیں ۔

برآمدے میں ہوا کے رخ پر چائے کی میز لگائی گئی ۔ ازور نے جان بوجھ کر زارا کو مخاطب کر کے کہا ۔

" تمھیں تکلیف تو ہو گی ۔ لیکن براہ کرم ۔ ذرا ماں کو بلا لاؤ " ۔ پھر وہ بڑی سادا در

دھار دار ہنسی ہنس کر بولے۔ آج شاید امی بیچاری کو محنت کے بغیر بنی بنائی چائے ملے گی۔ مزہ آگیا سہیل صاحب۔ آج میں نے امی کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا۔

سہیل صاحب کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھ سکے۔ صرف ہنس کر رہ گئے۔

زارا چچی جان کو بلا لائی۔ برآمدے میں سب کا مجمع دیکھ کر بے چاری کا منہ فق ہوگیا۔ اگر ازدر نے بھائی صاحب سے کچھ پوچھ لیا۔ تب۔ ان کی پنڈلیاں کانپنے لگیں۔

چائے کے دوران میں ازدر نے کہا۔ چچا میاں۔ رات کو امی سے میری کچھ تفصیلی گفتگو ہوئی تھی۔ خیر۔ وہ تو میں دہراؤں گا نہیں۔ آپ سے یہ عرض ہے کہ براہ کرم اس بینک کا نام مجھے بتا دیجئے۔ جس میں آپ سے امی نے سات ہزار جمع کروائے تھے۔ اور پاس بک بھی عنایت کر دیجیے۔ میں آج دوپہر کو مدراس جا رہا ہوں کچھ سامان وہاں آیا رکھا ہے۔ جانے سے قبل کچھ روپیہ اور امی کے نام سے جمع کروانا چاہتا ہوں ـــــ!"

زبیدہ بیگم کے ہاتھ میں پیالی جلترنگ بجانے لگی! ابا جان یعنی مظفر حسین صاحب بدحواس نظر آنے لگے اور دوسرے حاضرین کچھ مبہوت تھے کچھ خائف۔

زارا کے ذہن میں چار ماہ قبل کا دلخراش واقعہ زندہ ہوا۔

ابا جان نے دوپہر کو ازدر کا رجسٹرڈ لفافہ وصول کیا اور لفافہ چاک کرنے کے بعد شیر کی طرح اپنی بے زبان چھوٹی بھاوج پر گرجنے لگے۔ بے مروتی احسان فراموشی کی بھی حد ہوتی ہے۔ بڑے شرم و افسوس کی بات ہے۔ تم رہتی میرے گھر ہی ہو۔ تمھارے طعام کے مصارف میرے ذمہ ہیں۔ اور جناب روپیہ آتا ہے تمھارے نام۔ کیا خوب انصاف ہے۔ زبیدہ۔ شاید تم نے ازدر کو آج تک نہیں لکھا ہے کہ تمھارا کفیل میں ہوں لہٰذا یہ رقم مجھے ملنی چاہیے۔"

ہزار بار لکھا ہے بھائی صاحب"۔ زبیدہ بیگم کا سر جھکا ہوا تھا۔ جسم مرتعش تھا ناکردہ گناہی کے احساس سے وہ سرتاپا شرمندگی کی تصویر نظر آرہی تھیں۔

تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ یہ سات ہزار تمھارے نام آئے۔ زبیدہ بیگم کو نیم مردہ دیکھ کر مظفر صاحب زیادہ برہم ہوئے۔

یہ ان کی ناخلفی ہے۔ وہ سر جھکائے ہوئے بولیں۔ اتنی دور رہ کر وہ کیا جانیں یہاں کے حال کیا ہیں۔ خط بھی پورے شاید نہیں پڑھتے۔!

تم پوری باتیں لکھو تو وہ پڑھیں بھی۔ پھوپھی جان عزیزہ بیگم نے لقمہ دیا۔

اے ہاں یہ بھی آخر کوئی بات ہے"۔ اماں بی نے گرہ لگائی۔ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ سارا روپیہ تمھارے ہی پیٹ میں بھر دیں تو پھر ہم تمھیں کیا کھلائیں مکان میں حصہ کیسے دیں جس کمرے میں تم رہتی ہو۔ اس میں غوثیہ کی ماں رہنے آرہی تھی۔ پچھتر روپیہ مہینہ کرایہ دینے کو کہتی تھی۔ مگر تمھاری خاطر ہم نے پون سو روپیہ ماہوار سے ہاتھ دھوئے۔!"

ایک بے بس نظر زبیدہ نے ان سب پر ڈالی تھی اور آہ بھر کر بولیں تھیں"۔ جو رقم ازور نے مجھے بھجوائی ہے وہ آپ رکھ لیجیے بھائی صاحب۔ مجھے کیا ضرورت ہے۔ گھر میں جو پکتا ہے کھاتی ہوں۔ بھابی اور آپا جان پرانی ساڑیاں دے دیتی ہیں مجھے۔ پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔!"

وہ تو ہے ہی۔ مظفر حسین نے بڑے سفاک لہجے میں کہا تھا"۔ میں تمھاری بھاوج کے نام سے مکان خرید رہا ہوں۔ ڈھائی لاکھ کی لاگت آرہی ہے۔ میرے پاس اتنی رقم فی الحال نہیں ہے۔ میں یہ روپیہ اسی مکان میں لگاؤں گا"۔ اور یہ کہہ کر انھوں نے لفافہ ڈرافٹ سمیت جیب میں رکھا تھا اور چلے گئے تھے۔!

اس کے بعد اماں بی اور پھوپھی جان ازور کی بے مروتی ناخلفی اور زبیدہ بیگم

کی احسان ناشناسی پر بے تکان تبصرہ کرتی رہی تھیں۔

اور اب مظفر صاحب کو جواب دینا تھا۔ ان کا چہرہ زرد تھا اور داڑھی کے ایک ایک بال میں لرزش تھی۔ ازور کا مقابلہ کرنے کی ان میں ہمت نہ تھی وہ شمشیر برہنہ تھے۔ سنجیدہ۔ غصہ ور۔ خاموش۔ ان سے سب کو ڈر لگنے لگا تھا۔

وہ۔ وہ میں نے زبیدہ سے۔ تھ۔ قرض لی تھی۔ بالآخر مظفر صاحب نے کہا۔ "لیکن امی نے تو کہا تھا کہ آپ نے ان کے نام سے جمع کرا دی ہے"۔ ازور نے پوچھا۔

انھیں۔ غ۔ غالباً۔ یاد نہ رہا ہو گا!" مظفر صاحب پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولے۔

حافظے کی یہ کمزوری بڑی خطرناک ہے۔ خیر۔ ازور نے کہا۔ اور پھر بولے اگر آپ کو مزید رقم کی ضرورت ہو تو۔ امی سے لے لیجئے۔ فی الحال ان کے پاس کم و بیش پچاس ہزار روپیہ تو ضرور ہو گا۔!" یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے۔

ازور کی آمد کے بعد چند دنوں تک مختلف خاندانوں میں بڑی کھلبلی سی مچی رہی تھی۔ عزیز رشتے داروں نے ان کے اعزاز میں دعوتیں کی تھیں۔ انھیں سب عزیزوں سے متعارف کرایا گیا تھا۔ لوگ ان سے ملنے آتے رہتے تھے اور سب سے آخر میں سہیل احمد نے آؤٹ ڈور دعوت کا انتظام کیا تھا۔ دونوں ہم عمر بھی تھے اور پرانے شناسا بھی۔ ان کی دوستی کی ڈور درمیان میں ٹوٹی رہی تھی لیکن ملاقات ہونے کے بعد پچھلی دوستی پھر برقرار ہو گئی۔ وہ اور ازور آئیس

میں رشتے دار نہ تھے۔ لیکن ان کے تعلقات رشتے داروں سے بڑھ کر مضبوط اور استوار تھے۔ اکثر ان میں خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ ازور کو سہیل کی ٹریجیڈی کا بخوبی علم تھا۔ اور سہیل احمد ازور کی جلاوطنی کے اسباب سے واقف تھے!۔ دکھ کے احساس نے انھیں ایک دوسرے سے مربوط کر رکھا تھا۔!

سہیل نے اپنے کالج کے چپراسیوں کو ضروری سامان کے ساتھ عثمان ساگر روانہ کر دیا تھا۔ اور خود بھی بڑے مصروف تھے۔ اپنے چند دوستوں کو بھی انوائیٹ کر رکھا تھا۔ گھر سے صرف عذرا اور زارا ہی ساتھ تھیں۔ نہ تو سہیل نے بزرگوں کو مدعو کیا نہ انھوں نے خود سب کے ساتھ پسند کیا۔!

زارا بس اسی لیئے خوش تھی کہ وہ گھر سے باہر تفریح کے لیئے جا رہی تھی۔ اس نے نہایت معمولی سا لباس پہن رکھا تھا۔ زیور کے نام پر اس کے کانوں میں ہلکی ہلکی بالیاں جگمگا رہی تھیں اور بس۔ شاخ صندلیں سی بانہیں اور مرمریں کلائیاں بھی زیوروں سے عاری۔ صراحی دار دلکش گردن خالی۔ وہ سیدھی سادی ہی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ مگر اس کے برعکس عذرا کا نکھار قابل دید تھا۔ اسے اپنے سفید رنگ اور خط و خال کا ضرورت سے زیادہ احساس تھا۔ یہ احساس غرور اور تکبر کی حد میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے بڑے قیمتی لباس اور زیوروں کا استعمال کیا تھا اور یہ سوچ بیٹھی تھی کہ اس کے ترکش کے تیر خالی جا ہی نہیں سکتے۔

سہیل کے دل میں بڑے دنوں سے عذرا کے لئے نرم جذبات موجود تھے لیکن انھوں نے کبھی اظہار نہیں کیا۔ ان کے ساتھ بھی ایک المیہ وابستہ تھا کچھ کم سنی میں ان کی بستر مرگ پر پڑی ہوئی والدہ نے اپنی سہیلی کی لڑکی سے ان کی شادی کر دی تھی۔ یہ شادی سہیل کو راس نہ آئی۔ ماں تو بہو کا سکھ دیکھے بغیر مر گئیں لیکن غریب بہو بھی اپنے پہلے بچے کی پیدائش ہی میں چل بسی۔ کچھ عرصہ سہیل نے اپنی خالہ

کے یہاں گزرا۔ اور پھر دیکھا کہ ان کے بن ماں کے بچے کے ساتھ خالہ کا سلوک مناسب ہی نہیں تھا۔ سہیل روزگار کی تلاش میں چلے جاتے تھے۔ اور ان کا بچہ بڑی کسمپرسی میں پڑا رہتا۔ اسے وقت پر کھانا دودھ نہ ملتا۔ نہ کوئی اسے نہلاتا دھلاتا اور لباس پہناتا۔ ایک روز سہیل نے اسے اسکی ننہال پہونچا دیا۔ وہ بچے کی پرورش اور تعلیم کا خرچ اس کی نانی کو دے دیتے تھے۔ لیکن پھر بچے کو دوبارہ اپنی خالہ یعنی مظفر حسین صاحب کی بیگم کے پاس نہیں لائے۔ ان کا لڑکا سات آٹھ سال کا ہو چکا تھا وہ خود بھی تیس سال سے اوپر ہو چکے تھے اب ان کے دل میں یہ آرزو کبھی کبھار انگڑائی لیا کرتی کہ کاش ان کا بھی ایک گھر ہوتا۔ ہمدرد شریک حیات ہوتی جو ان کے بچے کو اپنا بچہ سمجھتی!۔ ان کی زندگی بڑی مجبوری اور غیر دلچسپ تھی۔ سارا دن کام میں سر کھپانا۔ دوستوں میں بیٹھ کر وقت کاٹنا اور پھر گھر آکے سو جانا۔ مظفر حسین صاحب یا ان کی بیگم نے کبھی ان کے معاملہ میں دلچسپی نہیں لی۔ نہ انھوں نے اپنا مسئلہ کسی کے سامنے رکھنا پسند کیا۔ انھیں اچھی طرح علم تھا۔ یہ لوگ بڑے اکل کھرے بے مروت اور خود غرض تھے۔ اپنا ردعمل پر ڈال کھینچنے والے۔ اور یہ سہیل چاہتے تھے کہ اگر گھر ہی کی لڑکی سے ان کو وابستہ کر دیا جاتا تو ان کا گھر بس جاتا اور پھوپھی جان کی بڑی فکر دور ہوتی۔ لیکن انھوں نے اپنی خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا۔ جانتے تھے عذرا جیسی خودسر رعونت پسند لڑکی کبھی ایک لڑکے کی ماں کہلانا پسند نہ کرے گی۔!!

رات ہی سے ماحول کشیدہ تھا۔ اور در کے سخت سلوک نے بڑوں کو کچھ سہما رکھا تھا۔ ابا جان نے چپکے سے اپنی بیوی سے کہا۔ جو میرا اندازہ تھا دیکھا بات ہوئی۔ زبیدہ کے کچھ کہے بغیر اور در نے بھلا مجھ سے روپئے کیوں طلب کئے! صورت سے گریہ مسکین بنتی ہیں۔" پھوپھی جان عزیزہ بیگم نے سخت نفرت سے

بیٹا۔ ایک بات ہے بیوی۔" اماں بی نے انصاف کا سہارا لیا۔" ازور نے ان سے ضرور پوچھا ہوگا کہ ان کا بھیجا ہوا روپیہ کہاں ہے۔ کیا جواب دیتیں۔ کاہے میں خرچ ہوا یہی کہا ہوگا کہ "ان" کے ہاتھ سے بینک میں رکھوا دیا۔"

بھائی ہم تو صاحبزادے موصوف کے رنگ دیکھ کر تعجب میں رہ گیا۔" مظفر صاحب بولے۔" جب یہاں سے گئے ہیں۔ بالکل سوکھے سہمے انیس بیس سال کے ناسمجھ لڑکے لگتے تھے اور اب دیکھو۔ کیا جسم بنا لیا ہے۔ ان پر زبیدہ بیگم اترائیں تو بیجا کیا ہے میرا یہ خیال بھی بے جا نہیں ہے کہ وہ یقیناً کوئی فتنہ کھڑا کریں گے۔" اماں بی بولیں نجانے دل میں کیا ٹھان رکھی ہے۔ ہم سے سیدھے منھ نہیں بولتے۔ خود سے بات کرنا درکنار۔ دو بار کوئی بات پوچھنے پر ٹکا سا جواب دے دیتے ہیں۔

اے بھائی پچھلی باتوں کو اب نہ چھیڑو۔ تبھی اچھا ہے۔ عزیزہ بیگم نے رائے دی تم ازور سے جیت نہ سکو گی۔!

ارے ان سے کوئی مقابلہ کرنا ہے کیا۔؟" اماں بی نے ناگوار لہجے میں کہا۔

غلطی دراصل ہم سب سے ہوئی۔" مظفر صاحب نے کہا۔" ازور کا کسی کو کبھی خیال ہی نہ آیا کہ دفعتہً آ جائیں گے۔ ورنہ زبیدہ سے برابری کا سلوک کرتے۔ آخر بے چاری خاور کی بیوہ ہیں۔!

پہلے یہ خیال نہ آیا؟" اماں بی کو چڑ کا لگا۔

تو کیا میں سب کو ٹھیکا تانا تھا۔ مظفر صاحب کو جلال آ گیا۔

کوئی دن آپ نے زبیدہ کو خاور کی بیوہ سمجھا تھا۔!" اماں بی بولیں۔" آپ کے چھوٹے بھائی کی پسند تھیں۔ میری ان کی حیثیت برابر کی تھی۔ جیسے رکھتے۔ رہتیں۔"

تو اب پچھلے سلوک کا تدارک کر دو۔ مظفر صاحب نے کہا۔

ایسی بچی نہیں ہیں جو یہ نہ سمجھیں کہ یہ سب ازور سے ڈر کے مارے ہو رہا ہے۔

عزیزہ بیگم نے کہا۔

اب زبیدہ کہاں ہیں؟" مظفر صاحب نے پوچھا۔

پتہ نہیں!" دونوں بولیں۔

ہاں بھئی۔ یہ ازور صاحب بڑے کمرے میں کیوں نہ رہے؟" مظفر صاحب نے دریافت کیا۔

میں نے تو ان سے کہا بھی تھا مگر انھوں نے جواب دیا کہ برسوں بعد ماں سے ملے ہیں لہٰذا ان کے کمرے میں ان کے ساتھ رہیں گے۔" اماں بی نے کہا۔

میں سوچ رہا ہوں۔ وقتاً فوقتاً جو رقم میں زبیدہ سے لیتا رہا ہوں۔ ان کا کیا حساب بتاؤں گا۔ زبیدہ کا تو کوئی حساب ہی کسی بینک میں نہیں ہے"۔ مظفر صاحب کے لہجے سے گھبراہٹ عیاں تھی۔

حساب کتاب کیا بتانا ہے۔" پھوپھی جان چہکیں۔" کہہ دیجئے کہ مکان خرید لیا ہے۔ آخر وہ آپ کے ساتھ آپ کے مکان میں رہتی ہیں کہ نہیں۔؟

اگر انھوں نے کھڑے کھڑے مکان کا حصہ مانگا تب۔؟

کتنی رقم ہے؟" اماں بی نے پوچھا۔

زبانی تو یاد نہیں ہے۔" مظفر صاحب نے کہا۔" لیکن جس قدر روپیہ ازور نے بھجوایا وہ سب میں نے ہی تو لے لیا۔ مجھے گمان تک نہ تھا کہ ایک روز یہ بلائے بد نازل ہو جائے گی۔ لاحول ولا قوۃ۔ اپنی طرف سے روپیہ بھرنا پڑے گا۔

دس سال سے برابر ازور رقم بھیج رہے ہیں۔" عزیزہ بیگم نے مردہ آواز میں کہا اور کبھی پانچ سات ہزار سے کم نہیں بھجوائی۔ اماں بی کی آواز بھی اندھے کنوئیں سے نکلی

اس طرح تو بات لاکھوں تک پہونچتی ہے۔" مظفر صاحب کی زبان بھی لڑکھڑا

رہی تھی۔ مگر کیا زبیدہ کے قیام وطعام اور کیا کہتے ہیں۔ دکھ بیماری کے مصارف ہمارے ذمہ نہیں تھے؟"

"پہلے سے عقل نہ آئی۔" اماں بی نے سخت متوحش ہو کر کہا۔ "ان کا ایک پیسہ بھی نہیں لینا چاہئے تھا۔ اور یقیناً پوچھیں گے کہ کیا ہر ماہ سات آٹھ ہزار روپیہ صرف کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور علاج معالجہ پر خرچ ہو جاتا ہے۔

تو پھر مشورہ دو۔ مظفر صاحب نے بے حد نڈھال ہو کر کہا۔ کیا میں اپنے بینک سے کچھ روپیہ نکلوا کے اپنے پاس رکھ لوں۔ اور ان کے پوچھنے پر یہ کہہ دوں گا کہ فی الحال اسی قدر رہیے۔ بعد کو اظہر سلمہ کے پاس سے میں منگوا کے تاوان بھر دوں گا کیا رائے ہے۔

زبیدہ ہی کو سمجھائیے۔" عزیزہ بیگم بولیں۔

وہ تو شاید منہ سے بھاپ بھی نہ نکالیں۔ مگر وہ بھی اپنے بیٹے سے ڈرتی ہیں۔" اماں بی نے کہا۔ "بہن۔ میں تو انہیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پہچانے ہی نہیں جاتے مظفر صاحب کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے چلے گئے۔ تب بڑی رازداری سے عزیزہ بیگم نے اپنی بھابی سے کہا۔

"بھابی بات اپنی لڑکی کی ہے۔ منہ سے نہیں نکل سکتی۔ مگر کیا کروں کہنا پڑتا ہے کہ تمھارے لڑکوں نے پردیس میں بستیاں بسالی ہیں۔ وہیں شادی کر کے مزے میں رہیں گے۔ یہاں ایک آدھ ہوتا تو مجھے عذرا کا رونا نہ ہوتا۔ ہمارے میاں کو کوئی فکر نہیں۔ میں ان سے کہوں گی بھی نہیں۔ الٹا طعنہ سننا پڑے گا کہ کس منہ سے لڑکی کو لیکر میکے میں بیٹھ گئی تھیں۔ انھیں تو میری فکر سے زیادہ خوشی ہوگی۔ یہ عذاب تو مجھ اکیلے پر نازل ہے کیا کروں بھابی۔ جان سولی پر ہے۔ لڑکی ہوائی دیدہ، زبان دراز، نڈر ہے۔ مردانہ کالج میں پڑھتی ہے۔ زمانے کا

اعتبار نہیں۔ کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو پھر شاید میں ہی سنکھیا کھا کر سو جاؤں۔
اے اور کیا۔"

بیوی برا نہ ماننا۔" اماں بی نے جواب دیا۔ اللہ سیدھا پڑھ کے تمھاری لڑکیوں کے دیدے اب ایسے چار ہو گئے ہیں کہ وہ کسی بڑے بزرگ کو خاطر میں نہیں لاتیں زہرہ نے پسند کا میاں کر لیا اور ہم کو انگوٹھے پر مارا۔ نائلہ نے خاندان کی ناک کاٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ تو خدا ہی نے خیر کی کہ جس کا حمل تھا اسی نے اس سے نکاح کر لیا اور یہ بات پھوٹنے سے پہلے ہی دب گئی۔ اب اللہ رکھے عذرا بی بی ہیں۔ بہنوں کے قدم پر قدم رکھ دیا ہے سنتی ہوں کہ بہنوں سے پڑھائی زیادہ ہی پڑھ لی ہے۔ کسی کو اپنے سے بڑھ کر نہیں سمجھتیں۔!"

کچھ بھی ہو بھابی۔ اپنا خون ہے۔ عزیزہ بیگم نے جواب دیا۔" میں سوچ رہی تھی کہ اگر زبیدہ اپنے لڑکے کا پیام دیں تو پھر —"

ازور کا پیام عذرا کے ساتھ؟" اماں بی بولیں۔ منہ دھو رکھو۔ وہ تو شاید مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔"

تم کسی طرح زبیدہ کے کان میں بات تو ڈال دو بھابی۔ یہ کہہ دینا کہ ان کی کے نام سے بینک میں پچاس ہزار جمع ہیں۔"

اماں بی نے حقارت سے منہ بنایا۔" پچاس ہزار کے لالچ میں وہ نہیں آنے کے دیکھا نہیں تم نے۔ اس دن کتنا قیمتی سامان تختوں پر بکھرا دیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ بارہ ہزار کا تو صرف ٹیلی ویژن ہے۔"

اچھا۔ میں اس دن نہیں تھی۔ اور کیا کیا لائے تھے۔

نجانے کیا کچھ تھا۔" اماں بی نے کہا۔" زبیدہ بے چاری خاموش بیٹھی رہیں انھیں چپ دیکھ کر ازور کو شاید غصہ آگیا۔ سب سے کہنے لگے کہ اٹھا لیجیے آپ سب

لوگ جو چیز آپ کو اچھی لگے۔

پھر؟

سب نے ندیدوں کی طرح ایک ایک چیز بٹوری ایسا برا لگا کہ بس۔ شرم تو کسی کو نہ آئی۔ تکا بوٹی کر کے سب چیزیں بانٹ لیں۔ عذرا کو بھی کچھ ملا۔ اعزیزہ بیگم نے حسرت سے پوچھا۔

سب سے زیادہ ساڑیاں، گھڑی، اور شاید سنگار کا سامان اسی کو ملا۔ اماں بی نے دکھ سے کہا۔" ایک سہیل میاں اور دوسرے جنیا رہ گئی۔ نگوڑی پاگل نے کچھ لینے کو ہاتھ ہی نہیں بڑھایا۔ کئی دفعہ میں نے اشارہ بھی کیا تھا کہ اٹھائے ایک گھڑی ہی سہی۔ ہنھ ایسی دیوانی پاگل کو میری ہی کوکھ سے جنم لینا تھا۔

سہیل میاں نے کیوں نہ لی کوئی چیز۔"

پتہ نہیں۔ کسی کے دل کا حال میں کیا جانوں۔

کیا زبیدہ کو بھی کچھ نہیں ملا۔؟" عزیزہ بیگم نے بڑے تعجب سے پوچھا۔

" ایک تنکا تک نہیں۔"

خیر بھابی۔ بات میں بات نکل گئی۔" عزیزہ بیگم نے کہا۔ تم بھیا کے کان میں یہ ڈال تو دینا۔ وہ رواداری میں زبیدہ سے تذکرہ کریں۔ شاید بات بن جائے!"

زبیدہ مان بھی جائیں تو ازدر کی ٹیڑھی کھیر ہے!" اماں بی نے کہا۔

دفعتہً دالان کے کمرے سے سہیل نے آواز دی۔" اگر کسی نے دیر کی تو سب کو یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ کہاں ہیں یہ لوگ۔ ارے بھئی۔ ٹیکسیاں آگئی ہیں۔

بنی سجی عذرا شو کیس کی مورتی کی طرح آکھڑی ہوئی۔ سہیل نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا مگر کچھ نہ بولے۔

اپنے کمرے سے جنیا نکلی! سیدھی سادی۔ سہیل کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور

سہیل کی آواز سن کر ازور بھی آئے۔! انھیں سر سے پاؤں تک دیکھ کر سہیل نے حیرت سے کہا

" ہائیں۔ یہ کیا۔ آپ صرف گھر کے کرتے پاجامہ میں چلیں گے ؟ "

" ہاں بھائی !" ازور نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ عذرا کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ کتنا بھاری بھرکم۔ باوقار اور سنجیدہ شخص ہے۔ ہزاروں میں بس ایک ہوتا ہے ایسا آدمی۔ !

میں نے آپ کے رعب کے مارے سوٹ لاد رکھا تھا۔! سہیل نے بڑی معصومیت سے کہا۔" اتار کر ایسے ہی کپڑے پہن لوں ؟ "

ازور بے حد متانت سے مسکرائے۔" تکلف ماحول کو ہمیشہ باضابطہ بنا دیتا ہے۔ ویسے بھی ہم پکنک پر جا رہے ہیں۔ دعوت میں نہیں۔"

اچھا میں ابھی آیا۔" سہیل یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئے۔ عذرا نے سوچا تھا کہ تنہائی میں ازور اس سے مخاطب ہوں گے۔ اپنی دانست میں وہ پورے اسلحہ سے لیس تھے۔ لیکن ازور نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ چہرہ پھیر کر سگریٹ سلگانے لگے! سگریٹ تو خیر دیر میں سلگی مگر عذرا سر سے پاؤں تک سلگ اٹھی۔

کوئی حد ہے نخوت کی اور غرور کی۔ اس کا سارا سنگھار اس پر ہنسنے لگا۔

ملازم نے اطلاع دی۔ ٹیکسی والے جلدی کر رہے ہیں۔ صاحب !"

سہیل لباس بدل کر آ گئے۔ گھر کے استعمال کا دھاریدار پاجامہ اور ململ کا سفید کرتا

چلئے۔!" انھوں نے کہا۔ بڑی دیر ہو گئی۔

پھر بڑی حیرت سے زارا سے کہا۔" یہ تمھارے ہاتھ میں کس چیز کی پڑیا ہے۔ فیس پاؤڈر ہے شاید !"

کافی ہے ؟" زارا نے بتایا۔ آپ نے چائے کا سامان بھجوایا ہے۔ مگر ازدر بھائی تو کافی پیتے ہیں۔ ! یہ کہہ کر وہ ہنس دی۔ ازدر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ معصومیت اور سادگی کی تصویر۔

اس کے سر میں کتنا خیال آفریں دماغ ہے۔

ننھے سے سینے میں دھڑکتا ہوا ایک وسیع دل۔

اور محبت کا ننھا سا بیج دیکھتے ہی دیکھتے تناور درخت بن گیا۔ ! جس نے ان کی ساری ہستی کو اپنے خنک سائے میں چھپا لیا۔ !

وہ بے خبری میں مسکرائے۔

ٹیپ ریکارڈر رکھا کہ نہیں۔ سہیل نے پوچھا۔

کیا رکھتے پرانے کیسٹ ؟ عذرا نے کچھ کہنا ضروری خیال کیا۔

"چچی جان کے پاس بے حد شاندار اور خوبصورت ٹیپ ریکارڈر ہے۔" زارا بولی۔

وہ آپ کو پسند ہے۔ ازدر نے کہا۔

جی۔ !" اس نے سر جھکا لیا۔

بس تو وہ لے آئیے۔ ازدر نے ہنستے ہوئے کہا۔" وہ آپ کا ہے۔

مم۔ مگر۔ وہ تو شاید چچی جان کا ہے۔ زارا بولی۔

نہیں۔ بالکل آپ کا۔ !

فوراً بھاگو اور لے آؤ۔" سہیل نے کہا۔

ایک لمحہ بڑی شدید کشمکش میں اس نے سہیل اور ازدر کو دیکھا پھر جا کر ٹیپ ریکارڈر لے آئی۔

عذرا نے بڑی ناگواری سے زارا کو اپنے پہلو میں جگہ دی تھی۔ ! سے اس وقت

زارا سے سخت نفرت لگ رہی تھی۔ اور جب سامنے نشست پر ڈرائیور اور اس کا ساتھی بیٹھ گیا اور ازور اور سہیل دوسری ٹیکسی کی طرف بڑھ گئے تب اس کی رہی سہی خوشمزاجی بھی کافور ہو گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زارا کو چلتی گاڑی سے باہر سڑک پر پھینک دے۔ اس نے اس بے چاری کی طرف سے رخ پھیر لیا۔

بڑا سہانا وقت تھا۔ ابھی دھوپ میں ناگوار تمازت نہیں تھی۔ ہوائیں ٹھنڈک کی لہراں پر چھوڑتی گزر رہی تھیں۔ ان کی ٹیکسیاں آگے پیچھے سنسان سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھیں۔

بہت خاموش ہیں ازور صاحب۔ کیا سوچ رہے ہیں!" سہیل نے پوچھا

ایک طویل مدت کے بعد یہاں آیا ہوں۔ ازور نے جذباتی لہجے میں جواب دیا ان سڑکوں پر جب نظر ڈالتا ہوں جن پر کبھی چلا پھرا کرتا تھا۔ تو دل کی عجیب حالت ہو جاتی ہے۔

لیکن اٹلی میں شاید آپ نے اپنے وطن کو اتنی شدت سے یاد نہیں کیا تھا۔

میں نے وہاں وہ سکون قلب کبھی حاصل نہیں کیا۔ جو یہاں آ کر محسوس کیا ہے

ہم سب لوگ یاد آتے تھے۔؟

اکثر۔

اور رنجی جان؟"

ہمیشہ۔!"

اب کیا ارادہ ہے؟" سہیل کو ہنسی آ گئی: "آپ اٹلی کے سب سے بڑے بینک کے ڈائرکٹر تھے۔ سی۔اے کیا تھا آپ نے۔ یہاں اتنا بڑا اپوسٹ آپ کو شاید نہ ملے۔!

بھائی میں یہاں رہنے نہیں آیا۔ ازور نے کہا۔ کل بارہ ہفتوں کے لئے دیکھنا ہو آیا

ہوں ۔ کچھ امی کا بندوبست کر دوں ۔ پھر چلا جاؤں گا ۔ !"

بھیا یہ تو بڑا ظلم ہو گا ان پر ۔ وہ شاید آپ کی جدائی اب برداشت نہ کر سکیں

اچھا سہیل صاحب ۔ آپ سے ایک بات پوچھوں ۔ مجھے سچ سچ بتائیگا

"کیا ؟"

" امی اتنی کسمپرسی کی زندگی کیوں گزار رہی ہیں ۔ ؟ ان کی حالت قابل رحم ہے ۔

وہ شاید اچھا کھاتی نہیں ہیں ۔ ان کے پاس کپڑے نہیں ہیں ۔ میں نے جو کچھ رقم انھیں

بھجوائی تھی وہ انھوں نے کیا کی ۔ ؟

" ازور ۔ خدارا ۔ یہ مت پوچھو میرے بھائی بس ماضی کو دفن کر دو ۔ اور تم

فی الحال مستقبل ہی پر نظر رکھو ۔ یہی ٹھیک ہے ۔

ظلم و جبر کی بڑی طویل کہانی معلوم ہوتی ہے سہیل ۔ ؟"

چچی جان بے حد خوش رہتی ہیں ۔ معلوم نہیں انھوں نے تمھاری طرف سے کیا کیا

خواب دیکھ رکھے ہیں ۔ یقیناً ان کی واحد آرزو اب یہی ہو گی کہ تمھارا گھر بسائیں

تمھارے بچے کھلائیں ۔"

" ہوں ۔ !"

لیکن ۔ کہیں کوئی روایتی قسم کا حادثہ تو تمھارے ساتھ نہیں ہو گیا ہے ۔" سہیل

نے ہنس کر ان کا موڈ درست کیا ۔ جناب اٹلی میں ایک میم صاحب اور کئی عدد صاحبزادے

اور صاحبزادیاں چھوڑ آئے ہوں ۔ ؟"

" میں اپنی ذات کو اس قدر پر اسرار اور اہم بنانا نہیں چاہتا سہیل ۔ ازور نے

بے حد غیر اہم لہجے میں کہا ۔" اگر اٹلی میں میرا واقعی کوئی کنبہ ہوتا تو میں ہرگز نہ

چھپاتا ۔ مجھے ڈر کس کا ہے ۔ ؟

تو پھر ابھی تک شادی کیوں نہیں کی ؟"

امی پر میں نے بہت سی زیادتی روا رکھی ہیں سہیل۔ میں سوچتا ہوں کہ پہلے ان سب کی تلافی کر دوں۔ پھر خود کو ان کے سپرد کر دوں گا۔! اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس نیت سے میں نے کسی کو دیکھا بھی نہیں۔"

واقعی؟" کچھ بے یقینی سے سہیل نے پوچھا۔

ہو سکتا ہے کہ ایک روز مجھے یہ پابندیاں قبول کرنا پڑیں۔ لیکن فی الحال میرے نصب العین میں شادی شامل نہیں ہے۔ پہلے مجھے ان زخموں کا اندمال تلاش کرنا ہے۔ جو میری دانستہ لاعلمی اور لاپرواہی سے امی کے دل پر لگے ہیں جب میں ان کے دکھوں کو خوشیوں میں بدل دوں گا تب۔ سوچوں گا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔؟"

تمہاری سنجیدگی سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے ازدر!۔

"ہاں سہیل۔ مجھے خواہ مخواہ خوش اخلاق بننا نہیں آتا۔ میں اپنے شناسا حلقہ میں خاصہ اکھڑ اور اکھڑ مشہور ہوں۔ شاید یہی سبب بھی ہے کہ کاسا یہ تک آج تک میرے پاس نہیں پھٹکا۔!"

سہیل کو ہنسی آ گئی۔ "لوگوں کو تم سے بہت سی شکایتیں ہوں گی۔؟"

"اب بھی ہیں"۔ ازدر بھی ہنسنے لگے۔!

مگر سنو۔ کم از کم مجھے تو تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اسہیل بولے۔

حسن خلوص ہے تمہارا۔ شکریہ!۔" ازدر نے کہا پھر موضوع بدل دیا۔" اچھا مجھے بتاؤ۔ میں نے کئی دفعہ سوچا کہ تم سے پوچھوں گا۔ تم نے اپنے بچے کے لیے کسی ماں کا انتظام کیوں نہ کیا۔ بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے۔ جب میں تمہاری بے سروسامانی زندگی پر غور کرتا ہوں۔"

میری سمجھ میں خود نہیں آتا۔ مجھے کیا لائحہ عمل بنانا چاہیے"۔ سہیل نے افسردہ

لہجے میں کہا۔" میں خالہ اماں کے یہاں رہتا ہوں۔ بچہ بے چارہ اپنی نانی کے پاس ہے۔ وہ میرے پاس رہنا چاہتا ہے جب بھی اس سے ملنے جاتا ہوں بس مجھ سے لپٹ جاتا ہے۔

اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھتے۔؟"

میرا کون سا گھر بار ہے" سہیل بولے" یہاں اس کا خبر گیراں کون ہوگا۔"

تم نے دوسری شادی نہیں کی۔؟

دوسری شادی کا پرابلم تو یہ ہے ازدر کہ اس سلسلے میں کوئی ضمانت نہیں ہے۔ دوسری بیوی بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔ اب تو کچھ اطمینان بھی ہے کہ لاکھ وہ مجھ سے الگ ہو تو کیا۔ اس پر ظلم وستم تو نہیں ہوتے۔ چونکہ وہ میری خورشید اہن صاحبہ کی مرحوم بیٹی کی اولاد ہے۔ لہٰذا وہ اسے بہت چاہتی ہیں۔ دوسری ماں اگر اتنی وسیع النظر اور عالی ظرف ثابت نہ ہو سکی تو پھر۔ میں جان بوجھ کر اس بے چارے کو دوزخ کیسے مول لے دوں۔ یہی سب کچھ سوچ کر کہتا ہوں کہ فی الحال معاملہ چل رہا ہے۔ جینے دو۔"

" تم نے اپنے خط میں ایک مرتبہ اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ کچھ رجحان تمھارا کچھ بھی جان محترمہ کی صاحبزادی کی طرف ہے۔۔۔ کیا وہ راضی نہیں ہوئیں

ایک تلخ مسکراہٹ سہیل کے چہرے پر نمودار ہوئی۔" تم رضامندی کی بات کرتے ہو جناب وہ لوگ تو یوں برا مان گئے جیسے میں نے کوئی ناقابل برداشت بات کہہ دی ہو۔ عذرا نے ہفتوں میری شکل پر نظر ڈالنا پسند نہ کیا۔ بلکہ میں نے سنا تھا وہ فرما رہی تھیں۔ تیرے میرے یتیم یسیر بچے پالنے کے لئے وہ دنیا میں نہیں آئیں۔

لاحول ولاقوۃ۔ کیا رکیک اظہار خیال ہے۔" ازدر نے تنفر سے کہا۔"

حالانکہ تم صاحب حیثیت ہو۔ اونچی پوزیشن رکھتے ہو۔ تمہارا مستقبل بھی بہت

ہے اپنے معیار کا کیسا ساتھی عذرا پسند کرتی ہیں؟

مجھے تو اتنا صدمہ ہوا تھا ازور کہ پھر میں نے اس قسم کی کوئی بات ہی نہیں کی

بس بھائی۔ گزر رہی ہے بری بھلی۔ باقی بھی گذر جائے گی۔ طفیل آٹھ سال

کا ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب نہ اسے ماں کی ضرورت ہے۔ نہ مجھے بیوی

کی بس صرف اسی کے لئے کما رہا ہوں۔ جب مجھے پنشن ہو جائے گی تو وہ جوان

ہو جائے گا۔ بس۔" وہ ہنس کر خاموش ہو گئے

کاریں اب عثمان ساگر کے پل کو عبور کر رہی تھیں۔ دور سے پانی چمکتا دکھائی

دے رہا تھا۔ موضوع ایک افسوسناک موڑ پر رک گیا تھا۔ ازور نے پھر کچھ

نہیں پوچھا۔

ساگر کے کنارے ایک عمدہ قطعہ کا انتخاب کرکے سہیل کے چپراسیوں نے

دریاں بچھا دیں تھیں۔ وہ سب کاروں سے اتر کر کنارے آگئے۔ پھر ٹھنڈی ٹھنڈی

ریت پر آبیٹھے ان کے سروں پر سنکیر اور یوکلپٹس کے زرد و سفید معطر پھولوں نے

بڑی سی چھت بنا رکھی تھی۔ خنک و لطیف ہوائیں پھولوں کے گدگدیاں کرتی ہوئیں

گزرتیں اور ان پر رنگ برنگی پتیوں کی بارش ہو جاتی۔ آس پاس گیندے اور

کاسماس کے پھول ہاتھوں میں مہندی لگائے جھوم رہے تھے۔ سرخ و زرد چونچ

والے پرندے پانی کی چادر کو عبور کرکے آرہے تھے۔ ان کی آوازوں کا

عجیب و غریب شور آس پاس گونج رہا تھا۔ موسم گرما کا نیم گرم آفتاب چمکتے ہوئے

آسمان میں محو سفر تھا۔ اس کی تیز کرنیں مچلتی ہوئی لہروں کے ساتھ کروٹیں

بدل رہی تھیں۔ ان پر ایک پل کے لئے بھی نگاہ جمانا محال تھا۔ حد نظر تک پانی کی

پرشکن چادر بچھی ہوئی تھی۔ اور دور افق میں اونچے اونچے گھنے درختوں کی گنجان

قطاریں کہر میں ملفوف سیاہ ہو رہی تھیں

عذرا جان بوجھ کر پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے آواز کو مترنم بنا کر پوچھا۔

آپ یہاں پہلے بھی آ چکے ہوں گے۔

ازور خاموش رہے۔ سہیل نے تخاطب ازور سے سمجھ کر خود بھی جواب نہ دیا۔ وہ کھسیا کر سرخ ہو گئی۔

زارا نے طفلانہ سادگی سے کہا "سہیل بھائی۔ میں باجہ آن کر دوں۔

ضرور ضرور!۔ ازور نے جواب دیا۔

کون کون سے گیت آپ نے جمع کر رکھے ہیں" زارا نے پوچھا۔

"بس چلنے چلاتے۔ بہت سے کیسٹس خریدے تھے" ازور نے کہا "ایک کے بعد ایک بجاتی جائیے۔ آپ کو اپنے پسندیدہ گیت مل ہی جائیں گے۔!"

جی اچھا" وہ ہنسی اور ٹیپ ریکارڈر اٹھا کر ازور کے بالکل قریب جا بیٹھی "مجھے اس کے آن کرنے کا طریقہ نہیں معلوم۔ بتا دیجیے"

وہ اس کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر پر جھک گئے۔

ازور" دفعتہً سہیل نے کہا۔ میں نے جن دوستوں کو یہاں مدعو کیا تھا شاید وہ آ رہے ہیں۔ میں جاؤں!"

ضرور جاؤ۔!" ازور نے کہا۔ اور سہیل ادھر کی طرف بھاگ گئے۔

ازور نے ٹیپ آن کر دیا۔ اور بڑی دلکش دھن فضا میں گونجی۔

اے ابر کرم ذرا تھم کے برس

ماحول نغمہ بار ہو گیا!۔ ازور دور دری کے گوشے پر سرک کر سگریٹ کے کش لینے لگے۔ زارا بڑے شوق سے اپنی پسندیدہ قوالی سن رہی تھی۔ اور

عذرا

نظر

"

عذ

"بالکل

"مجھے تو

"اچھا۔

معلوم ہوتا ... ں سے

خواہ مخواہ گفتگو کو طول دینے ... بغیر

بہت خوش ہوں۔ میرا وطن ہے۔"

عذرا ہنسنے لگی۔" آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ اس جگہ آ کے زیادہ خوش نہیں معلوم ہوتے۔!

ایسی کوئی بات نہیں۔!

توپھر باتیں کیجیے۔ آپ بے حد خاموش ہیں!"

بے وجہ نہ باتیں کرتا ہوں نہ سنتا ہوں۔! ازور نے نہ تو اس کی طرف رخ پھیرا نہ اس کی باتوں میں حسب منشا دلچسپی لی۔ بالکل مگرے بنے بیٹھے رہے۔ ادر اپنے جذبات کے ہاتھوں عذرا آہستہ آہستہ پاگل بنتی گئی۔

اس کی یونیورسٹی میں ایسا قد آور شاندار اور بارعب انسان ایک بھی نہیں

یا تھا

س

راس

ا۔!
بی طرف

ے کرنے میں

بہت محسا ... تم ا ... یری پیاسی روح
سیراب ہو جائے۔ مر کے دیکھو میر ... یہ ایسی بری نہیں۔ شاید میری محروم
آنکھوں میں تمھیں اپنے لیے کچھ جذبے تڑپتے نظر آئیں۔!

آہ۔ اللہ۔ ایسا اکل کھرا سنگدل اور بے درد آدمی بھی کہیں نہیں دیکھا۔
لیکن نہیں۔ میں تمھیں اپنا ضرور کر دوں گی۔ چاہے اس میں کچھ دیر لگے۔

سہیل بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔! دفعتہً زارا بولی۔ "وہ
تو کئی معلوم ہوتے ہیں۔ یا اللہ۔ ان سب کے سامنے مجھے تو بے حد شرم آئے گی
زرور کے دل میں پیار کے جھرنے گنگنانے لگے۔

انھوں نے اٹھ کر زارا کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور محبت پاس لہجے میں بولے
تمھارے گھبرانے کی کوئی بات نہیں جنیا، تم اطمینان سے اپنے گیت سنو۔ میں
سہیل کو اس شیڈ کی طرف لیے جاتا ہوں۔!
اور یہ کہہ کر تیز تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

عذرا نے غصے سے دھندلائی ہوئی نظروں سے دیکھا کہ ازور سہیل اور ان کے دوستوں کو ٹری دور ایک چھتری کے نیچے لے کے چلے گئے۔

وہ قہر آلود آنکھوں سے زارا کو گھورتی ہوئی بولی۔ "تم جان بوجھ کر دوسروں کی نگاہوں سے کیوں گرتی ہو۔؟"

زارا جوان سے ڈرتی تھی سہم گئی۔ کیا کیا ہے میں نے عذرا باجی۔؟" کیا سوچیں گے وہ دل میں۔" عذرا نے دانت پیسے "کیسی گنوار جاہل اور قدامت پرست لڑکی ہے۔ تم کون سی ایسی پردہ نشین ہو سہیل کے دوست تمھیں نگل تو نہ جاتے۔ ایسا ہی تھا تو تم ساتھ کیوں آئیں۔ ارے یہاں کھلی فضا میں انجوائے کرنے آئے ہیں کہ یونہی جھک مارنے۔ بہت اچھا لگ رہا ہے نا وہ سب بے چارے ادھر۔ اور ہم دو ادھر پتھروں پر بیٹھے لہریں گن رہے ہوں گے تم پر لعنت بھیج رہے ہوں گے۔

"کیا آپ ان سب غیر مردوں کے سامنے آجاتیں۔ عذرا باجی۔ زارا یکبارگی روہانسی ہوگئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے سچ مچ کوئی بڑی خطا کی ہو۔

سینکڑوں غیر مردوں کے بیچ پڑھتی ہوں۔ یہ چار پانچ مرد میرے کون سے موتی توڑ لیتے۔ نہہ۔!" عذرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ مجھ سے ایسی دقیانوسی بکواس مت کیا کرو۔ بیوقوف لڑکی۔ میرا سارا تفریحی موڈ ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ ہائے۔ وہ بیچارے جو بے آرام دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ازور صاحب تو شاید تم کو گالیاں ہی دے رہے ہوں۔ واہ شاباش کیا عمدہ تم نے ان کی خاطر کی ہے۔

زارا اتنی شرمندہ تھی کہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔

اس سے کیا فائدہ۔" عذرا نے کہا۔ "جاؤ انھیں بلا لاؤ۔۔۔۔ ابھی تمھاری عمر پردہ کرنے کی نہیں۔

مگر آپ کی عمر تو پردہ کرنے کی ہے۔ عذرا باجی۔

اوہ۔ بکواس بند کرو۔ گھر آئے مہمان کی خاطر کرنا تمھارا فرض ہے جاؤ۔ انھیں یہاں لے آؤ۔

زارا جو خود کو بہت بڑی خطا کار سمجھ رہی تھی۔ طوعاً و کرہاً گئی اور ایک پیڑ کی آڑ سے سہیل کو مخاطب کر کے عذرا کا پیغام دے آئی۔

سہیل نے جو عذرا کو خاص مقام دے رکھا تھا۔ وہ بری طرح متاثر ہوا۔ ازور سے متعارف ہونے کے بعد وہ سب دوست بے حد خوش اور مسرور اپنی باتوں میں مگن تھے۔ سخت مکدر ہوئے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم نے جب ان حضرات کو بھی مدعو کیا تھا تو لڑکیوں کو ساتھ لے کر کیوں چلے۔" ازور نے کچھ برہم ہو کر کہا۔

سہیل پر جھینپ خجالت اور ندامت نے ایک ساتھ حملہ کر دیا تھا۔ وہ کچھ بولی ہی نہ سکے۔ بے حد بے بسی سے ایک ایک کی شکل دیکھی اور سر کھجانے لگے۔ !

"محترمہ عذرا پردہ تو نہیں کرتیں۔ ایک صاحب نے کہا۔ ایک ہی پروفیسر صاحب ہمیں سیر دائر کرتے ہیں۔۔۔۔ ہماری موجودگی انھیں یقیناً اتنی زیادہ ناگوار نہ ہوگی ویسے وہاں تمھاری کوئی اور عزیزہ ہوں تو بات دوسری ہے۔"

ازور کو زارا کا بے حد خیال تھا مگر وہ خاموش رہے اور سہیل ان سب کو لے کر دریوں پر جا بیٹھے۔ چپراسیوں نے چائے اور کافی بنا دی تھی۔ اب پارک کی چہل پہل بھی بڑھنے لگی تھی ہر طرف درختوں کے نیچے چھتریوں میں سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ !

عذرا جلدی جلدی خوراکیات اور دوسرے لوازمات دسترخوان پر سجا رہی تھی۔

زارا انھیں مصروف دیکھ کر جھولوں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا اور گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں اپنا نشان چھوڑ گئی تھیں۔

میں تمھیں پینگ دوں۔ جینیا۔ اس نے ازور کی متبسم آواز سنی اور چونک پڑی۔

یہ کیا تم رو رہی ہو۔ ازور نے کہا۔ اور پاس آ کر اس کی پلکوں پر الجھا ہوا آنسو کا چمکارا اپنی انگلی پر منتقل کر لیا۔

کیا ہوا۔ !؟ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زارا ہمیشہ سے عذرا سے ڈرتی آئی تھی۔ اس نے چپکے سے کہا۔ چلتے چلتے" پاؤں مڑ گیا۔"

کون سا پاؤں ہے۔" وہ اپنے لباس کی پرواہ کیے بغیر نیچے بیٹھ گئے۔" دکھاؤ مجھے۔ اگر تم زیادہ تکلیف محسوس کر رہی ہو تو چلو ہم گھر چلیں۔ !"

نہیں نہیں۔ ! آپ میرے پاؤں نہ چھوئیے۔

میلے ہو جائیں گے۔ ؟"

"میں آپ سے جھوٹ بولی تھی۔ !

ازور نے اس پر جھک کر جھولے کی زنجیر تھام لی۔ زارا ان کے سایہ میں ڈھک گئی۔

جب تک میں تمھارے آنسوؤں کا سبب نہ معلوم کر لوں گا یہیں کھڑا رہوں گا۔

آپ کو نہیں معلوم۔" وہ بے حد شرمسار ہو کر بولی۔" بعض دفعہ میں یونہی روتی رہتی ہوں یونہی۔ "؟

جی ہاں !۔

اچھا تو اب ہنس دو۔!"

سہیل نے آواز دی:" ازور صاحب کیا آپ بھی لڑکیوں کی طرح جھولا جھولتے ہیں۔

" آؤ چلیں۔

عذرا کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اسے یقین نہ تھا کہ ازور کے سے سنجیدہ پروقار آدمی ذرا جیسی نوعمر لڑکی میں اتنی شدت سے دلچسپی لیں گے۔ اس میں آخر تھا ہی کیا۔ بڑی موہوم و معدوم سی ہستی تھی۔ کچھ نا سمجھ سی جلدی گھبرا کے جلدی سے رو دینے والی۔۔ گھر میں سب سے چھوٹی۔ عبرا ہم چیز۔ تو پھر۔ وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح کیوں لگے پھر رہے ہیں۔؟

وہ اندر اندر راکھ ہوتی رہی۔ لیکن اپنی کسی حرکت سے اس نے ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔!

تقریباً سارا دن تفریح کر کے وہ واپس ہوئے۔ اور دوسرے روز ازور اپنا ضروری اسباب لانے کے لئے مدراس روانہ ہو گئے۔!!

گھر کا ماحول ایک عجیب تناؤ اور خلفشار کا شکار تھا۔! ناشتے کے بعد مظفر حسین صاحب نے اپنی بہن سے کہا۔ زبیدہ کو تو آواز دو۔ کچھ کہنا ہے ان سے مجھے!"

وہ میری آواز پر اب کہاں دوڑیں گی بھیا۔ ان کے قدم تو اب آجکل آسمان پر پڑ رہے ہیں۔"

ہاں ہاں۔ میں وہ قدم زمین پر اتارنا چاہتا ہوں۔ وہ غضبناک ہو گئے۔" تم بلاؤ تو۔"

صدر خاندان کے حسب الحکم عزیزہ بیگم اپنی معتوب و مقہور بھاوج کو بلا لائیں اور ان کی خود درگت کا تماشہ دیکھنے کے لئے دروازے کی آڑ میں کھڑی رہیں۔ زبیدہ بیگم کے چہرے سے ہراس عیاں تھا۔ انھوں نے سر پر ساڑی کا آنچل اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ آدھی پیشانی تک ڈھک گئی تھی۔ ان نظریں زمین پر تھیں۔! وہ مظفر صاحب کے حکم کی منتظر سر جھکائے کھڑی رہیں۔ گھر کے ایک فرد کی طرح نہیں۔ گھر کی ادنیٰ خادمہ کی طرح —!

کچھ دیر تک مظفر صاحب اپنی داڑھی سہلاتے رہے۔ خلال کرتے رہے اور خیالات جمع کرتے رہے پھر اپنے غصے کو ضبط کر کے بولے۔ بھئی یہ کیا خلافات گھر میں شروع ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ تم نے حالات سے ازور کو آگاہ کر دیا۔ برا نہیں کیا۔ لیکن مجھ سے ان کی حساب فہمی اور پرسش اگر بدتمیزی نہیں ہے تو اسے خوش اخلاقی کا خاصہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" غالباً وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ پندرہ سولہ برس بعد وہ وطن واپس ہوئے ہیں تو مجھ سے بڑھ گئے ہیں۔

زبیدہ بیگم کا چہرہ دکھ کے مارے اتر گیا۔ بھائی صاحب۔ میں کتنا بھی کہوں مگر آپ کو شاید یقین نہ آئے گا کہ میں نے ازور سے کچھ بھی نہیں کہا۔ بلکہ انھیں منع کیا ہے کہ آپ سے اہر ادو ہری نہ کریں۔

تو پھر یہ حساب فہمی کیا ہے؟" ان کا لہجہ تیز ہو گیا۔

بھائی صاحب۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ ان کے بھجوائے ہوئے ہزاروں روپیے میں نے کیا کئے تو میں انھیں کیا جواب دوں گی۔؟

بس تو کا لگ گیا مظفر صاحب کے۔ نہایت خراب لہجے میں بولے۔" خدا کی

شان ہے وہ تم سے یہ پوچھیں گے۔ انھیں سجھائی نہیں دیتا۔ ان کا باپ یہاں خزانہ نہیں رکھ گیا۔ ارے وہ چار دن سے حرام حلال کمانے لگے ہیں اس سے پہلے تمھارا کفیل کون تھا۔ آج کل کسی ایک فرد کی کفالت بھی آسان کام نہیں رہی۔ تم نے تمھارے شوہر نے یا تمھارے بیٹے نے کوئی جاگیر میرے پاس امانت نہیں رکھوائی تھی جو میں مسلسل بیس بائیس سال تک تمھارا خرچ برداشت کرتا رہا کہہ دینا ازور سے۔ بے شک میں نے ان کا روپیہ لیا۔ اور اب واپس نہ کروں گا کرلیں وہ جو کچھ ان کا جی چاہے۔"

مردوں کو ذرا سی چنگاری دکھانا بس ہے۔ سلگ اٹھتے ہیں۔ عزیزہ بیگم نے لقمہ دیا۔ ارے وہ پیسہ نگوڑا تھا کتنا۔ اور پھر اپنوں میں ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

ازور آجائیں تو پوچھ لینا۔ زبیدہ بیگم نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

آپ لوگوں کی داستاں کل کل نہ گئی۔ اماں بی کمرے میں آئیں۔" میں کہتی ہوں نہ ازور کوئی غیر ہے نہ سم۔ لڑکا اتنے دنوں باہر کی ہوا کھا کے آیا ہے گھر سے ہیل ہونے میں دیر لگے گی۔ شروع ہی سے ان کے مزاج میں ضد اور غصہ ہے ان کی باتوں کو ہنس کر جھیل لینا چاہیے۔ تو تو میں میں سے بنتی بات بگڑتی ہے۔ خواہ مخواہ۔"

یہی تو میں بھی کہہ رہی تھی۔" عزیزہ بیگم نے کہا۔

سوئی جانے ہمارے دل تو اب صاف ہیں۔ حامد میاں کی جوانی کی غلطی نگوڑی ایسی کون سی سنگین تھی۔ وہ تو کہو کہ مرحوم ابا جان اور اماں بڑی خون اور نسل کے پیوند کے بڑے قائل تھے تبھی انھوں نے ایسا ہنگامہ مچایا تھا اب وہ دونوں رہے نہیں۔ زمانہ کہیں آگے نکل آیا ہے۔ پرانی باتوں کو کھود کر

نکالنا اور جھگڑے کھڑے کرنا اب کون سی عقل مندی ہے۔ اب دنیا ان بچوں
کی ہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ زبیدہ۔ تم بھی سب کچھ دل سے نکال دو
"سب کچھ میرے دل سے نکل چکا بھابی۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔
اب ہمارا یہ وقت ہے کہ ہم اپنے بچوں کے گھر بسائیں۔ ان کے بچے کھلائیں
اور اللہ کریں نگوڑی دنیا کب تک ہم سے چمٹی رہے گی۔" اماں بی نے
بے حد پالیسی سے کہا "میری مانو زبیدہ تو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بہن
گھر ہی گھر میں نئے رشتے جوڑ کے محبت کو پختہ کر لو۔ وہ بے حد پیار سے ہنسنے
لگیں۔

زبیدہ بیگم کچھ نہیں سمجھیں مستفسرانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگیں۔
"ازور میاں کچھ کہتے تھے کہ ماشاء اللہ پردیس میں انھوں نے بیاہ وِیاہ تو نہیں
کر رکھا" "ہا۔"

"نہیں" زبیدہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔
اے بی تو پھر دیر کیا" اماں بی نے عزیزہ بیگم سے کیے ہوئے وعدے کے
مطابق بات چلائی۔ اللہ رکھے گھر کا لڑکا۔ گھر کی لڑکی۔ دو بول۔ ازور اور
عذرا کے پڑھا دیں۔ وہ ان کی سگی پھوپھی زاد بہن ہے۔ کوئی غیر نہیں۔ دیکھی
بھالی۔ پڑھی لکھی۔ کیا خیال ہے تمھارا۔"
بھابی۔ آجکل کوئی لڑکا ماں باپ کے کہے میں نہیں ہے" زبیدہ بیگم نے
جواب دیا۔ مگر میں ازور سے پوچھے بغیر آپ سے وعدہ نہیں کر سکتی... آپ ان
کے رنگ دیکھتی ہیں۔ میں بھی حیران ہوں۔ بالکل بدل گئے ہیں۔
ہاں پوچھ لو۔ اماں بی نے مردہ آواز میں کہا۔
بات ختم ہو گئی۔

زبیدہ بیگم اپنے کمرے میں آئیں تو ان کا یہ حال تھا کہ جیسے گری گری پڑ رہی تھیں دل پر نشتر لگے تھے جن کے گہرے زخموں کی ٹیسیں برداشت کرنے کی تاب ان میں نہ رہی تھی۔

وہ پلنگ پر ترچھی لیٹ گئیں۔ پنکھا ہاتھ میں لیا اور چہرے پر ہوا جھلتی ہوئی آنکھیں بند کرلیں۔ اور۔

اچھے برے خیالوں کا طول طویل فیتہ پیچھے کی طرف سرکنے لگا!۔ بلا ارادہ اپنے بھائی بہن میں سب سے زیادہ ضدی اور ہٹیلے خاور حسین ہی تھے۔ اگر اپنی ہٹ پر آجاتے تو پھر چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے وہ اپنے ارادے سے ہٹتے نہ تھے۔ اختر صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کی خاص قسم کی تربیت کی تھی۔ لیکن جب بیٹے جوان ہو گئے تب انھوں نے اپنی فطرت کی راہ اپنالی۔ باپ ضعیف ہو گئے۔ ماں یک جھک کر چپ ہو گئیں۔ جوان پڑھے لکھے لڑکے پر زیادہ پابندیاں بٹھانا بھی انھیں اچھا نہ لگتا تھا۔ کون جانے کہ شب و روز کی نصیحتوں سے تنگ آکر وہ گھر ہی سے چل دے۔ بس انھوں نے خاور کو ان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا۔

خاور حسین تیز مزاج اور لاابالی تھے۔ ان میں کوئی عیب یا برائی نہ تھی۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ صورت شکل کے اچھے تھے۔ بڑوں کا ادب کرتے تھے لیکن وہ اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے!۔ ماں باپ کی خواہش تھی کہ وہ ان کے کہنے میں رہیں۔ بڑوں اور چھوٹوں کی کشاکش میں نتیجہ دونوں ہی کے حق میں برا نکلتا ہے۔ جبکہ کوئی بھی جھکنے پر تیار نہ ہو۔!

گھر میں سکون عنقا تھا۔ بھائی اپنی بزرگی جتاتے۔ بہن الگ بڑبڑائے جاتیں خاور نے گھر سے فرار اختیار کیا۔

یوسف ان کے کالج کے ساتھی تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔ یوسف ذہین تھے۔ خاور دولت مند۔ ان میں خوب گھٹتی تھی۔ چھوٹا سا مکان، صحن میں چنبیلی کا گھنا منڈوہ ایک کونے میں امرود کا درخت، صاف ستھرا دوہرا دالان، ٹھنڈے اور ہوادار صاف صاف کمرے۔ عجیب مہکتا ہوا ماحول تھا جس میں خاور جیسے پریشان آدمی کو بے حد اور ہی سکون ملتا۔!

یوسف کے والدین ختم ہو چکے تھے۔ چھوٹی بہن زبیدہ ساتھ رہتی تھی۔ دونوں بہن بھائی خاور کو اپنے خاندان کا فرد سمجھتے تھے۔ یوسف نے تعلیم کے بعد ایک کاٹن مل میں ملازمت کر لی تھی!۔ بہن بھائی کی گزر بسر بہت اچھی طرح ہو جاتی تھی۔! لیکن بدقسمتی کا سایہ ان پر منڈلا رہا تھا۔ ایک دفعہ کسی کارکن کی غلطی سے یوسف کا ایک ہاتھ مشین میں آ گیا۔ اور اسے بازو سے الگ کر دینا پڑا۔ ملازمت جاتی رہی۔ مل کے مالک نے ان کا گزارہ مقرر کر دیا تھا۔ لیکن وہ خوشحالی اور فراغت پھر انھیں نصیب نہ ہو سکی۔ ذہنی طور پر وہ اتنے بے حوصلہ ہوئے کہ پھر دنیا کا چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے کا بھی یارا ان میں نہ رہا۔ ہمیشہ اپنی کم نصیبی پر آنسو بہایا کرتے خاور نے ان کا بے حد ساتھ دیا۔ وہ اپنے باپ کی دوکان پر کام کرتے تھے ہمیشہ ان سے چرا چھپا کر دے جاتے!۔ اختر صاحب کو مالدار بیٹے کی دوستی ایک معذور مفلس آدمی سے گوارہ نہ تھی۔ لیکن وہ خاور کے منھ نہ لگتے۔ کیونکہ حساب فہمی پر خاور فوراً اپنا حق طلب کر بیٹھتے۔

"آپ دوکان پر ملازم کو رکھیں گے وہ بھی ڈھائی تین سو سے کم تنخواہ نہ لے گا میں بھی صبح سے شام تک محنت کرتا ہوں۔ مجھے بھی معاوضہ دیا کیجیے۔ آپ سے مفت نہیں مانگتا۔

"لیکن یہ کیا اچھا لگتا ہے کہ تم اپنی محنت کا معاوضہ دوسروں کو بھر دو۔" اختر صاحب

پہنچتے ۔!

اس سے آپ کو کیا سروکار اباجان کہ میں معاوضہ کیا کرتا ہوں ۔" خاور بھی بھڑکتے ۔" آپ کو اگر نہ دینا ہو تو نہ دیجئے ۔ میں اپنا کھانا پینا رہنا بسنا الگ کر لوں گا ۔

" لولے کے پاس رہو گے ۔؟ " شدت سے غیظ سے اختر صاحب کانپنے لگتے

لولے کے پاس رہوں یا لنگڑے کے پاس ۔" خاور کہتے ۔" جہاں بھی جگہ مل جائے ۔بس ۔"

بیٹے لوگ کیا کہیں گے ۔" اماں زمانے سے خوف دلاتیں ۔" یہ بھی تم نے کبھی سوچا ۔"

ابھی تو کچھ نہیں کہتے ۔جب کہیں گے ۔میں جواب دے لوں گا ۔" خاور نے ماں کا حکم بھی کبھی نہیں مانا ۔

پڑھے لکھے ہو ۔کوئی معقول شریفانہ پیشہ اختیار کرو ۔" بڑے بھائی مظفر حسین بھی لعنت ملامت میں پیچھے نہ رہتے ۔! تعجب ہے کہ تمھاری دوستی ایک ایسے شخص سے ہے جس کی کہیں کوئی پوزیشن نہیں ہے ۔"

" وہ میرے بچپن کے دوست ہیں ۔ ان کی لاکھ کوئی پوزیشن نہ ہو ۔ میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا ۔

سب اسے لولا کہتے ہیں ۔

خاور نہایت بے دردی سے ہنسنے لگتے ۔" سب کا کام کہنا ہی ہے بڑے بھیا اگر میں کل لنگڑا ہو جاؤں تو مجھے لنگڑا کہنے لگیں گے ۔آپ کسی کے کچھ کہنے سننے کی پرواہ نہ کیا کیجیے ۔"

پتھر میں جونک نہ لگی ! ہزار سب نے سر پٹخا مگر خاور نے کسی کی ایک نہ سنی ۔

وہ یوسف کا برابر ساتھ دیے گئے ۔! داسے درمے سخنے ہر طرح ۔ ان کی اس وابستگی کی وجہ اور بھی تھی ۔ جسے وہ خود کبھی سمجھ نہ سکے تھے ۔ زبیدہ ۔ سولہ سترہ برس کی معصوم بھولی بھالی لڑکی ۔ جو ایک بے زبان خدمت گزار تھی ۔ یوسف جب نرسنگ ہوم میں پڑے تھے تب وہ خاور کے سامنے روئی تھی ۔!

اگر بھیا کو کچھ ہو گیا تو ۔!

وہم نہیں کرتے ۔" زبیدہ ۔ وہ اچھے ہو رہے ہیں ؛" خاور نے سمجھایا ۔

بھیا کا دل کیا کہے گا ؛" زبیدہ کی بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں آبگوں ہو گئیں ؛" وہ معذور ہو گئے ۔ کاش ان کے بدلے ۔ مجھ کو کچھ ہو جاتا ۔!"

خدا کی مرضی پر انسان کو ہمیشہ شاکر رہنا چاہیے ۔ اب اس طرح رونے دھونے سے ان کا ہاتھ واپس نہیں آئے گا لیکن تمھارے آنسو یوسف کا دکھ ہزار گنا زیادہ بڑھا دیں گے ۔ تم ان کی بہن ہو ۔ زبیدہ ۔ اب انھیں تمھاری فکر دامنگیر ہو جائے گی اپنے سلوک سے انھیں یقین دلا دو کہ تم پر کچھ اثر نہیں ہے ۔ کیا سمجھیں ۔ ؟"

میں ہزار چاہتی ہوں کہ ۔ خود کو قابو میں کر دوں ۔ مگر بھیا کے سامنے جاتے ہی نجانے مجھے کیا ہو جاتا ہے ۔ ان کی شکل مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ! کیسے دکھی ہو کر رہ گئے ہیں ۔

" پریشان نہ ہوں ۔ ابھی میں زندہ ہوں ؛"

آپ بھی تو کہیں نوکر جا رہے ہیں ۔

تمھیں اس سے کیا ۔ تم مزے میں کھاؤ پیو ۔ ہنسو کھیلو ۔ موج اڑاؤ ؛"

سنا ہے کہ اب ملازمت بھی جاتی رہے گی ۔!

جاتی رہے ۔ کون سی ایسی عجیب بات ہے ۔

گھر کیسے چلے گا ۔ ؟

گھر میں پہیئے لگ جائیں گے۔ وہ چلنے لگے گا۔!

جائیے۔ آپ تو سنجیدہ بات کو بھی مذاق بنا لیتے ہیں۔

سنو۔!

جی۔!؟

کیا میں تمہارا کوئی نہیں؟"

زبیدہ کی بوجھل پلکیں عارضوں پر جھک گئیں۔

جواب دو۔ زبیدہ۔ میں نے کچھ پوچھا ہے۔

آپ آپ ہیں۔!" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

ہاں۔ بولو۔ بولو۔

آپ۔ تو ہمارے سب کچھ ہیں۔

سچ۔؟

ہاں۔

تو پھر کچھ میرا بھی فرض ہے نا۔

کیا۔؟

تمہارا گھر چلاؤں گا۔

آپ۔؟

ہاں۔

مگر۔ ایک روز آپ بھیا سے کہہ رہے تھے کہ آپ کے ابا اور بھائی صاحب آپ کا یہاں آنا جانا پسند نہیں کرتے۔؟"

تب میں بڑے غصے میں تھا۔ کہہ دیا تھا۔ اب غصہ اتر چکا ہے۔ لہٰذا مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے کہ کون کیا کہتا ہے۔؟

آپ کے پاس اتنے بہت سے پیسے کہاں ہیں۔؟

تمھیں کتنے چاہئیں۔؟" وہ مسکرائے۔ زبیدہ شرما گئی۔

اس کی حیا کی نازک ادا خاور کے دل میں گلاب کھلا گئی۔ پہلی دفعہ ان کے دل کی دھڑکنوں میں ایک خلش آمیز ٹیس شامل ہوئی۔ ابھی تک وہ زبیدہ کو محض یوسف کی بہن سمجھتے تھے مگر اب انھیں محسوس ہوا۔ وہ صرف یوسف کی بہن ہی نہیں۔ ان کی بھی کچھ تھی۔ پتہ نہیں کیا۔ دل کی موہوم سی دھڑکن۔ زندگی کی رعنائی، دید کی ٹھنڈک جینے کا دلکش سہارا۔

زبیدہ اپنی معصوم اداؤں میں بڑی سیدھی سادی تھی۔ اس کی حیا بھی خالص تھی اس کی بے باکی بھی خالص۔ مگر خاور نے اسے بہت سے معنے پہنا دئے۔"

یوسف اچھے ہو کر گھر آئے۔ بازو کندھے پر سے الگ ہو چکا تھا۔ پٹی بندھی تھی۔ چہرہ دنیا بھر کی نامرادیوں۔ مایوسیوں کا آئینہ۔ لب مرجھائے ہوئے۔ پیشانی پر فکر کا غبار۔ دل بھرا آرہا تھا۔ زبیدہ سامنے تھی۔ ضبط کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یوسف نے اس پر نظریں ڈالنے کی ہمت نہ کی۔ کرسی پر بیٹھ کر سر جھکا لیا۔

بھیا۔؟" زبیدہ کے دل پر دھکا لگا۔ وہ ان کے قدموں میں آ بیٹھی۔ اور تب یوسف کے صبر کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ٹپ ٹپ کر کے دو آنسو اس کے سر پر گرے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

خاور نے انھیں رونے دیا۔ یوسف کے ہچکیاں لگ گئیں۔ زبیدہ نے الگ حواس کھو دئے، جب ان دونوں کے دلوں کا غبار ہلکا ہوا تو خاور بے حد سنجیدگی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا۔ خدا حافظ۔ میں جاتا ہوں۔"

کہاں ؟" یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تم دونوں بے حد ضروری کام کر رہے تھے۔ میرا اس میں کیا دخل ہے !"

" خاور !"

نہیں میاں۔ تمھاری دوستی کو میرا سلام ۔ !

خفا کیوں ہو گئے ہو۔

میں ہوتا ہی کون ہوں۔ مجھے غیر اور فالتو آدمی سمجھ ہی کے تم رو دئے نا۔!

اپنا سمجھتے ہوتے تو کم از کم میرے ہی کندھے پر سر رکھ کر روتے۔ !

زندگی اندھیر ہو گئی ہے خاور۔ کیا ہو گا اب ؟"

تمھاری اندھیری زندگی میں کہیں میرا گزر ہے کہ نہیں۔

تم ہی میری زندگی ہو بھائی۔

" اس زندگی کو موت سے نہ بدل دینا۔ یوسف۔ خدا کے لئے مجھے اپنا سمجھو۔ تمھارا کچھ نہیں بگڑا۔ یہاں بہادری سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ دنیا ہے میرے بھائی۔ تمام حادثے پریشانیاں اور فکریں انسان ہی کے لئے بنی ہیں۔ تم اتنا تو سمجھتے ہو ؟"

خاور۔ کب تک معذور آدمی کا ساتھ دیتے رہو گے۔"

یوسف ؟ ۔!

ہوں ! ۔

ایک بات پوچھوں۔ تمھیں اپنی دوستی کی قسم۔ سچ سچ کہنا۔"

قسم خدا کی۔ سچ سچ کہوں گا۔

اگر تمھارے ہاتھ کی بجائے میرا ہاتھ ضائع ہوا ہوتا تو کیا تم میرا ساتھ چھوڑ دیتے ۔!"

اتنا بے درد مجھے سمجھا ہے تم نے۔؟"

میں بھی اتنا بے درد تو نہیں نا۔؟

خاور!۔

یوسف!

خاور تم میری زندگی ہو۔ میرا سہارا ہو۔ میں بھول جاؤں گا کہ میں معذور ہوں

ہاں دوست۔ میں یہی چاہتا ہوں!۔ پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائیگا

یوسف آنسو پی کر ہنسنے لگے! خاور کے جانے کے بعد انھوں نے زبیدہ سے کہا:"

تیری آسائش میں میں کبھی کوئی کمی نہ کروں گا بٹیا۔ تو ہمت نہ ہارنا۔"

" بھیا یہ جو اپنے پڑوس میں انسپکٹر صاحب رہتے ہیں۔ ان کی بیوی مجھ سے

کہہ رہی تھیں کہ اگر میں رومال یا تکیہ غلاف پر۔ پھول ـــ"

کاڑھنے ہوں گے تو کرلیں گے بہن۔ اسی گھر کی چہار دیواری میں گھٹ گھٹ

کے مرجائیں گے مگر یہ بدنامی اپنے سر نہ لیں گے کہ۔ معذور بھائی کی پردہ نشین

بہن نے بھائی کی پرورش کی۔ تم آئندہ کبھی ان کے گھر نہ جانا۔

میں نہیں گئی تھی بھیا۔ آپ جب اسپتال میں تھے تو ان کی بیوی آپ کی

خیریت معلوم کرنے آئی تھیں"۔ زبیدہ یوسف کے سخت لہجے سے سہم گئی۔

ایک دفعہ مجھ سے افضل صاحب کہہ رہے تھے کہ پائیگاہ کے کسی نواب

کو اپنے باغ کی نگہبانی کے لیئے چوکیدار کی ضرورت ہے میں ان سے ملوں گا۔

شاید یہی کام مل جائے۔

اب تک ان نواب صاحب نے کیا چوکیدار کا بندوبست نہ کرلیا ہوگا"۔

زبیدہ کے اندیشے کے تیر نے یوسف کی ساری امیدوں کو ہلاک کر ڈالا۔

پھر مایوسی۔ منہ پھاڑے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

رات کا مایوس اندھیرا در و بام کی جھلملاتی روشنیوں کو دھیرے دھیرے نگل رہا تھا۔ سامنے بڑے میدان میں کھیلنے والے بچے اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔!

زبیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے بھائی کو دیکھا جو یاس و حسرت کی تصویر بنے کرسی پر جھکا بیٹھا تھا۔ اس کے دل میں رحم و محبت کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ اس سے بڑھ کر مجبوری تھی۔

اختر حسین صاحب نے منہ زور گھوڑے کو تھان پر کسنے کی تیاریاں شروع کر دیں ان کی بیوی کی بھانجی ان کی نظروں میں تھی۔ اسی کی بڑی بہن ان کے بڑے بیٹے کی بیوی تھی۔ سوچا کہ چھوٹی کو بھی اپنے ہی گھر میں لے آئیں۔ لڑکی اچھی تھی۔ سلیقہ مند۔ تھوڑا بہت پڑھ لکھ گئی تھی۔ خاور نے بھی اسے کئی مرتبہ اپنی بھابی کے پاس آتے جاتے دیکھا تھا۔ وہ بے حد شرمیلی تھی۔ جب اسے خاور سے منسوب ہونے کے چرچے سنائی دیے تب اس نے اپنی بہن کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا۔

اماں نے سمدھن سے بات چلانی شروع کی۔! انھیں جلدی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں خاور ہاتھ آنے سے پہلے ہی ہاتھ سے نکل جائیں۔ ان کی سرکشی خودسری حد سے بڑھ چلی ہے۔ ایک روز انھوں نے اپنی ماں کے صندوق سے کچھ کپڑے چرائے تھے۔ اب دوکان کی بیشتر آمدنی اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ والد صاحب پوچھتے تو انھیں صاف جواب دے نکلتے۔! منظفر حسین

انجینئر تھے اکثر اپنے دوروں پر رہا کرتے انھیں اتنی فرصت ہی نہ ملتی جو وہ باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتے یا چھوٹے بھائی کی نگرانی کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاور صاحب کو کھلی آزادی مل گئی۔ انھیں ماں اور بھاوج کی بھلا کیا پرواہ تھی۔!

حالانکہ وہ کسی بری راہ پر نہیں چل رہے تھے۔ ان کے سارے مقاصد نیک اور بلند تھے لیکن گھر والوں کی نظر میں وہ خطرناک مجرم اور بدمعاش تھے۔! انھوں نے کبھی کسی سے نہ کہا تھا کہ وہ گھر کے کپڑے یار تم اپنے دوست اور اس کی بہن کو دے دیئے تھے لیکن ماں باپ کی گہری نظروں نے اس کارروائی کی تہہ میں کسی عورت کی پرچھائیں دیکھ لی تھی اس کی روک تھام بے حد ضروری تھی۔ چنانچہ اماں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔! بڑی بہو کی ماں سے مل کر کہا۔

"اپنے میاں سے پوچھ کر ایک جواب دے دو تو پھر میں بھی تیاریاں شروع کر دوں کہنے کو بیٹا بیاہنا ہے۔ مگر اس کے لئے بھی کچھ نہ کچھ جوڑ توڑ کرنی ہی پڑتی ہے۔! اے بہن۔ لڑکا بھی گھر کا۔ لڑکی بھی سامنے کی۔ اس میں کہنا سننا کیا۔ تم خود ہی اپنے سمدھی سے پوچھ لو۔۔! جہاں آرا بیگم خوش ہو گئیں۔ خاور بہت خوبصورت بڑے پرکشش آدمی تھے۔ ان کی لڑکی کو ان سے اچھا شوہر کہاں ملتا خاور کو ان کے میاں نے بھی بہت پسند کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سمدھی محترمہ سے کہہ دیا۔ آپ بے کھٹکے تیاریاں کیجئے میں بس مولوی صاحب سے استخارہ لے کر کل ہی پرسوں آپ کو جواب دے دوں گا۔!"

مجھے بڑی جلدی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کا استخارہ کچھ اور آئے۔

"نہیں نہیں۔ یہ بس ایک ضمنی کارروائی ہے۔ آپ اطمینان رکھئے" اماں گھر آئیں تو نہال تھیں۔ کیا اچھا ہو جو دونوں بہنیں ان کے گھر آئیں۔ خوش ہو کے انھوں نے اختر حسین صاحب کو خبر دی۔

"جہاں آرا بہن اور ان کے میاں راضی ہیں۔ آج کل میں جواب کہلا بھیجیں گے آپ بھی تیاری کیجئے۔۔۔۔۔ اکیس جوڑے بری کے اور گیارہ تورے کا چیندن ہار جیسا اللہ رکھے بری ہوگا ہے۔ چھوٹی کو شکایت نہ ہو کہ اسے کم ملا۔ مطمئن رہو! سب ہو جائے گا!"

شام کو خاور آئے۔! بے حد پریشان اور فکر مند لگ رہے تھے۔! کسی سے کچھ نہ بولے۔ اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں کھڑے ہو کر سگریٹ پینے لگے۔

بڑی بہن عزیزہ بیگم نے انھیں خوشخبری سنانے کا فرض اپنے ذمہ لے لیا اور بہت لہک کر کہا۔

سنتے ہو۔ خاور۔ اب یہ لٹکا ہوا منہ سیدھا کر لو۔! اسے مٹھائی سے بھرنا ہے۔

"کیوں؟"

"اے لو۔ گھر میں رہتے ہو کہ کہیں باہر۔ نسبت کی بھی کچھ خبر ہے"۔

خاور کا ماتھا ٹھنکا۔" مجھے خبر نہیں۔ آپا نسبت!!؟"

وہ خوش دلی سے ہنس دیں۔" ناچنے لگو گے اگر میں نے کہہ دیا"۔

عزیزہ بیگم کی یہ چہلیں انھیں قطعی اچھی نہ لگیں۔ ان کے دل و دماغ میں طوفان برپا تھا۔ آج دوپہر کو انھوں نے بڑی تشویشناک خبر سنی تھی۔! ڈاکٹروں نے یوسف کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد پریشانی ظاہر کی تھی کہ زخم میں مواد پڑنے لگا تھا اس کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔! اگر زخم بگڑ جاتا تو پھر۔؟ ڈاکٹروں نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ بہت سے اینٹی بائیوٹک انجکشن لگنے تھے۔ قیمتی دوائیں منگوانی تھیں ان کی مکمل دیکھ بھال اور نہایت بڑے پیمانہ پر علاج ہونا تھا۔!

یوسف زندگی سے ناامید تھے۔

خاور کی جیب خالی تھی۔

زبیدہ تمام اندیشوں سے بے خبر تھی۔

وہ تو یہ جانتی تھی کہ بھیا اچھے ہو رہے تھے!۔

خاور نے چپکے چپکے اس کا گھر بھر دیا تھا۔ اسے کپڑے دئے تھے۔ اس کی ضرورتوں کے لئے روپیہ پیسہ دیتے رہتے تھے۔ یوسف کا علاج کروا رہے تھے۔ لیکن اب جو کئی ہزار کا معاملہ آکے پڑا تو خاور کے حواس جواب دینے لگے!۔

کون دے گا۔ پانچ چھ ہزار روپیہ!۔ کس سے مانگوں؟۔ یہ لوگ اتنے فراخدل نہیں۔ کیا یوسف ساتھ چھوڑ جائے گا۔ پھر زبیدہ کا کیا ہوگا؟۔ وہ بے خبر ہے اس نے نہ معلوم کتنے خوش رنگ خوابوں میں تعبیروں کا عکس دیکھنا شروع کر دیا ہے اگر اچانک یہ بم ان کے حواسوں پر گر کے پھٹے گا۔ تب۔ کیا حال ہوگا اس کا۔ کیا کرے گی وہ۔ اس کے بس میں ہے ہی کیا۔ اوہ۔ خدا۔ رحم کر۔ رحم کر۔

انھوں نے گھبرا کر اپنی سنسناتی ہوئی کنپٹیاں جکڑ لیں۔

عزیزہ بیگم اپنا راگ الاپ رہی تھیں "لڑکی غضب ہے۔ تمھاری زندگی جنت بنا دے گی اماں نے ان سے ایک تاریخ مانگ لی ہے۔ تمھارا یہ لاابالی پن تمھیں دوکوڑی کا کر کے رکھ دے گا۔ اب کس فکر میں ہو؟"

ان سے اپنی فکر کا اظہار کرنا اپنی پریشانیاں کو عریاں کرنا تھا۔ وہ مدد کیا کرتیں دنیا میں ڈھنڈورہ بیشک پیٹ دیتیں۔ خاور نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولے بے روزگار کی شادی بھلا کیا شادی۔ میں نے ابھی اس سلسلے میں بالکل نہیں سوچا۔!

اے لو۔ یہ بھی سوچیں گے" عزیزہ نے کہا۔ "تمھیں بے روزگاری کی فکر کیا سنا ہے کہ خالہ اماں دس ہزار دے رہی ہیں۔ کوئی کاروبار چلا لینا"۔

بیوی کے پیسے سے ؟" وہ طنزیہ انداز میں بولے۔

"سبھی کر رہے ہیں۔

"کر رہے ہوں گے۔ میں کوئی بکاؤ مال نہیں۔ آپ اماں سے کہہ دیجئے۔ خالہ اماں اپنے دس ہزار اپنے پاس رکھیں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں جب تک اپنے پیروں پہ کھڑا نہ ہو جاؤں گا۔ شادی وادی کا خیال بھی نہیں کروں گا۔"

"اماں سمجھتی ہی تھیں کہ تم کوئی اڑچن ضرور لگاؤ گے۔ سو وہی ہوا۔"

"اس میں اڑچن وغیرہ کچھ نہیں۔ اماں کو میری معقول دلیل کا قائل ہونا پڑے گا میں شادی کے بعد اپنی ضروریات کے لئے کس کے سامنے دست سوال پھیلاؤں گا بزنس تو آنکھ بند کرتے شروع نہیں ہو جاتا۔

"آخر دکان پر کام کر رہے ہو کہ نہیں۔

"دکان میری نہیں۔ بی آپا۔ میرے باپ کی ہے۔ اور پھر۔ اگر میں وہ کام چھوڑ دوں تو۔!"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ سب بکواس تم اماں ہی کے سامنے کرو۔"

عزیزہ بیگم نے نجانے اماں سے کیا کہا تھا۔ ان کا لیکچر جاری ہو گیا۔ خاور کے دماغ پر ہتھوڑیاں سی چلنے لگیں۔ کیا ہو گا۔؟ اپنے دوست کی موت ان کے سامنے ناچنے لگی۔ اس کی مجبوری کراہیں ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اپنی بے دست و پائی کا احساس انھیں شدت سے ستانے لگا۔! جن دنوں مظفر صاحب بر دے پر نہ جاتے اپنی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ لہٰذا خاور کے لئے وہاں سے کچھ حاصل کر لینا بھی آسان نہ رہا تھا۔!

اپنے گھر کے جہنم سے نکل کر یوسف کے یہاں پہونچے۔ ان کی شکل دیکھتے اور اپنا چہرہ دکھاتے انھیں خوف ہو رہا تھا۔ نجانے یوسف نے ان سے کیا امید لگا

رکھی ہوگی ؟۔ وہ تو زبان سے کچھ کہتا ہی نہیں۔ اسکی بے زبانی۔ اس کے خیال کے لاکھوں ادھورے فسانے سناتی ہے۔!وہ مایوس دلگرفتہ یوسف کے پاس جا بیٹھے۔ زبیدہ باورچی خانے میں تھی۔

"کیا بہت تکلیف ہے یوسف؟"

کچھ ہے تو سہی۔" یوسف نے ایک آہ کو سینے میں دفن کرتے ہوئے کہا۔" لیکن تم کیوں اس قدر پریشان ہو خاور۔!

"کچھ نہیں۔!"

میں سب سمجھتا ہوں۔" یوسف اچانک رونے لگے"۔ تمھاری ان پریشانیوں کا سبب میں ہوں۔ کاش خدا مجھے دنیا سے اٹھا لیتا۔ تم اور میں ایک ساتھ فکروں سے آزاد ہو جاتے۔"

"بدہمتی کی باتیں کرتے ہو۔ اچھے نہیں لگتے۔!" خاور نے ان کے آنسو پونچھے تسلیاں دیں۔ ہمت بندھائی۔ لیکن خود ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آخر یوسف کے چہرے پر مستقل زردی کیوں جم کر رہ گئی تھی۔

صبح تم نے کیا کھایا تھا۔؟" خاور نے ان کا دھیان بٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔

"دلیا نیا لیا تھا زبیدہ نے۔؟!"

اچھا اب میں دیکھتا ہوں۔ وہ کیا پکا رہی ہے۔ خاور یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ یوسف نے اونچے تکیوں پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

چھوٹا سا صاف ستھرا باورچی خانہ تھا۔ دھلے ہوئے برتن دیوار پر کیلوں کے سہارے ٹنگے ہوئے تھے۔ ایک طرف مٹی کے بڑے مٹکے میں پانی بھر کر رکھا تھا۔ چولھے میں دھیمی دھیمی آنچ ہو رہی تھی۔ زبیدہ نیچی سی چوکی پر بیٹھی سر جھکائے

لوئیاں بنا رہی تھی۔ اس کی نیچی نظریں پہلے خاور کے قدموں پر پڑیں پھر اس نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔ آج وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا نہیں رہی تھی۔ معصوم بھولے بھالے چہرے پر دکھ منجمد تھا۔ آنکھوں کے گوشے نم تھے۔ نیم وا لبوں سے موتی ایسے دانت ضیا بار تھے۔!

خاور اس کے سامنے ٹھٹک گئے!۔ اور غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ زبیدہ کی پلکیں جھک گئیں اور دل کی بے ترتیب دھڑکنوں نے ہاتھوں میں تیزی پیدا کر دی۔

"کیا ہوا؟" خاور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھایا۔ زبیدہ کے لب کپکپانے لگے۔!

"ادھر تم رو رہی ہو ادھر وہ اداس ہے" خاور نے دکھ بھرے لہجے میں کہا "اور میں نہ تمھارے لئے کچھ کر سکتا ہوں نہ اس کے لئے۔ اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ تمھیں کوئی کھوکھلی تسلی جھوٹا ہی دلاسہ سہی۔ کچھ تو دے سکوں۔ میرا وجود بیکار ہے۔ زبیدہ۔ پھر میں کیوں چلا آیا ہوں۔ تمھارے پاس۔ تمھارے آنسو بھی تو نہیں پونچھ سکتا۔!"

"آپ کے سوا ہمارا اور کون ہے؟" وہ ان کے لہجے سے ڈر گئی۔ خفا ہو گئے ہیں کہیں اٹھ کر چلے نہ جائیں۔

"اپنوں سے ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جیسا تم کر رہی ہو۔" خاور نے فہمائش انداز سے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت تنگ کر دی۔ زبیدہ نے پھر سر جھکا لیا۔

"بھیا اچھے ہو جائیں۔ پھر میری پریشانی بھی جاتی رہے گی۔!"

"وہ ضرور اچھے ہو جائیں گے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو زبیدہ کہ تمھاری یہ گریہ و زاری اس کے دکھوں کا علاج ہے۔ بے وقوف لڑکی۔ تم نہیں جانتیں۔ تمھارے

آنسو اس کا اضطراب بڑھاتے ہیں۔ تم اگر اس کے سامنے ہشاش بشاش رہو گی تو وہ بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔

ہاں۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھا اب میں کبھی نہیں روؤں گی۔" اس نے خاور کی گرفت کمزور دیکھ کر شوخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور اپنی معصوم شرارت پر ہنسنے لگی۔! اس کی حسب مرضی خاور جھینپ گئے۔! سر کھجاتے ہوئے بولے۔

اچھا یہ بتاؤ کیا پکا رہی ہو۔ کچھ زوردار معاملہ ہو تو ٹھہروں ورنہ چل دوں۔

دوہری روٹیاں اور چنے کی دال۔

یہ دال بھات یوسف کو نہ کھلایا کرو۔ زبیدہ۔ اس کے زخم بگڑ جائیں گے۔!

گوشت کے لئے میرے پاس پیسے ——— ! وہ رک گئی۔

یہی تو میں کہتا ہوں کہ تم ہزار برس گزرنے کے بعد بھی غیر ہی رہو گی۔ ارے بھئی۔ مجھ سے کیوں نہ کہہ دیا۔

آپ کہاں سے لاتے۔

چوری کرتا ڈاکہ ڈالتا۔

"چلئے ہٹئے۔!

اب اتنا بھی گیا گزرا مت سمجھو۔ ورنہ میں سچ مچ خفا ہو جاؤں گا سمجھیں تو پھر لے آئیے گوشت۔ پکا دوں۔

یہ ہوئی ہے کوئی بات۔ خاور نے اپنی جیب جھاڑ کر کچھ نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔! اور اٹھ گئے۔ کسی سے منگوا لو۔ میں یوسف کے پاس بیٹھتا ہوں۔ جلدی کرو۔ کھانا تم سب کے ساتھ کھاؤں گا۔!"

ان چھوٹی بڑی خدمتوں نے اگر خاور کے دل میں زبیدہ کی کوئی جگہ کر دی تھی تو خاور کے حسن سلوک نے زبیدہ کو بھی گرویدہ کر رکھا تھا۔ لیکن نہ تو کبھی انھوں

نے اس سے کچھ کہا اور نہ زبیدہ کو اپنے احساسات کے اظہار کے لئے زبان ملی۔ وہ ان کی خاموشی پر ستار تھی۔ اگر ان کی شکل وصورت نے اسے وارفتہ کیا تھا تو وہ ان کی سیرت کی بھی گرویدہ تھی۔ ان کے مسلسل تبسم میں عجیب سا حوصلہ اسے ملتا تھا جیسے دنیا بھر کے غم اور دکھ ان کی مسکراہٹ میں پگھل جاتے تھے ان کی سنجیدہ بھاری آواز دل کو تقویت دیتی تھی۔ ان کا وجود ہی ان دو بے سہارا دلوں کی صحیح زندگی تھا۔! اگر کسی دن وہ کسی وجہ سے نہ آسکتے تو یوسف کی کراہیں دلدوز ہو جاتیں اور زبیدہ کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس کی نیند اس سے کیوں خفا ہو گئی ——!

خاور کو بخوبی اندازہ تھا۔ زبیدہ سے دل کا کھیل کھیلنا آسان نہیں۔ وہ ان کے خاندان میں ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ ویسے وہ جان سے گزر جائے یہ اور بات تھی۔ اور اب تو ان کے شکنجہ تیار ہونے لگا تھا۔! انھوں نے اس کا کوئی تذکرہ نہ تو یوسف سے کیا تھا نہ زبیدہ سے۔! ویسے انھیں ایک وحشت سی ہوتی تھی۔! کیا حشر ہوگا۔ ان دونوں کا۔ اگر ان کی شادی ہوگئی۔ شادی کی زنجیر اسی لئے تو ان کے پاؤں میں پہنائی جا رہی تھی کہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔!

گھر پر ان کا دل ہی نہ لگتا۔ انھیں سنانے کے لئے عزیزہ بیگم اور ان کی بھاوج بلند آواز میں شادی کی تیاریوں کا تذکرہ کرتیں۔ جان بوجھ کر انھیں وہ سامان دکھایا جاتا جو بھابی نے اپنی بہن کے لئے خریدا تھا۔

ابھی وہ یوسف کے مستقل ٹریٹمنٹ کے لئے اخراجات کے چکر ہی میں تھے کہ اختر صاحب نے انھیں الٹی میٹم دیا۔

"بہت دنوں سے تمھاری بے راہ روی دیکھ رہا ہوں۔ اب یہ بات ناقابل برداشت ہے۔ مولوی صاحب نے نکاح کی تاریخ بھجوادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم شرفاء کے لچھن اختیار کرو۔ تمھارے یہ سیاپے بند ہو جانے چاہئیں

اب میں تمھیں گھر پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ مجھے قطعی گوارہ نہیں ہے کہ دلہن کے میکے میں تمھاری ان آوارہ گردیوں کی خبر پہونچے۔ سمجھے تم ؟!۔

میں آوارہ گردیاں نہیں کرتا۔ جس نے جھوٹی خبر آپکو پہنچائی ہے۔ وہ میرا دشمن ہے۔ اور رہی یوسف کی دوستی۔ وہ میں ترک نہیں کرسکتا۔ چاہے جو کچھ بھی ہو جائے" خاور نے گرم ہوکر جواب دیا۔

بیٹا۔ دوستی برابر والوں میں کرنی چاہیئے" اماں نے سمجھایا۔ غریبوں میں دوستی کرنے سے سوائے اس کے کہ عزت اور مال کا زیاں ہو۔ حاصل کچھ نہیں۔ یوسف معذور ہو گئے ہیں۔ تمھیں بیوقوف بنا کر اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں۔ تم ان کی تہہ کو نہیں پہونچے"

میں ایسا کون سا لگھ پتی ہوں جو ان کا گھر بھر دوں گا" خاور نے لاپرواہی سے کہا" اور کسی سے زبانی ہمدردی میں عزت و آبرو کا زیاں نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جو شریف النفس اور عالی ظرف انسان یہ دیکھے گا اور محسوس کرے گا کہ میں نے اپنے معذور دوست کو منجدھار میں بے دست و پا چھوڑ نہیں دیا ہے۔ وہ میری شرافت کی بھی تعریف کرے گا۔!"

بہرحال تم میرا حکم مان لوگے تو تمھارا کیا نقصان ہو گا؟" اختر صاحب برہم ہو گئے۔

آپ مجھ پر ایسی پابندیاں عائد نہ کریں تو آپ کا کیا بگڑے گا؟" خاور بولے اختر صاحب آپے سے باہر ہو کر بولے" میرے گھر سے دفع ہو جاؤ۔ میں سمجھوں گا کہ بس میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ یہ سرکشی ناقابل برداشت ہے۔

سمجھنے کا فرق ہے جناب" خاور نے غصہ دلانے والی مسکراہٹ سے معمور لہجے میں کہا" میری سرکشی صرف یہی ہے کہ میں عورت نہیں ہوں۔ گھر میں بیٹھ نہیں سکتا

ذلیسے اگر آپ مجھے برداشت نہیں کر سکتے تو نکال دیجیۓ اپنے گھر سے۔ میرے شصے کے ترکے سمیت! ابھی اور اسی وقت نکلنے کو تیار ہوں۔

چپ رہ کمینے ذلیل۔ برابر سے زبان لڑاتا چلا جارہا ہے" اماں نے ڈانٹا

جی بہت اچھا" خاور نے سر جھکا لیا۔

اختر صاحب کا بھاری بھر کم چہرہ غصے کی آگ سے سرخ ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس گستاخ کی بوٹیاں کاٹ ڈالیں۔ انھوں نے مٹھیاں کس لی تھیں اور اس ناخلف کو گھورے جارہے تھے۔

اماں خاور کو اڑے لے گئیں۔ وہ بھی اپنے شوہر ہی کی سی فطرت رکھتی تھیں۔ سنگدلی، بے مہری، بے مروتی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ درگزر، مفاہمت اور سمجھوتہ کن چڑیوں کے نام تھے۔ یہ انھیں معلوم نہ تھا۔ اپنی برتری، حکومت پسندی اور حسب نسب پر فخر کرنا ان کا شعار تھا۔ اپنے سے بڑھ کر کسی کو نہ سمجھتی تھیں۔ خاور کا رہا سہا دماغ انھوں نے کھانا شروع کیا۔

تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ کچھ چٹا دیا ہے۔ آنکھیں بند ہیں تمھاری۔ دماغ سن ہے۔ آگا پیچھا دکھائی نہیں دیتا۔ جب دشمن کھال کھینچ لیں گے تب ہوش آئے گا۔ ارے اتنا تو سوچ۔ نگوڑے بدعقل کہ تو سید خاندان سے ہے۔ اور جس سے تیری دوستی ہے وہ موۓ پٹھان۔ سید اور پٹھان کا میل کیا بیٹا۔ اس کے سوا اللہ رکھے شہر میں تمھارے باپ دادا کی ساکھ برسہا برس سے چلی آرہی ہے۔ بھی نوابوں۔ بادشاہوں اور دولہا دلہنوں کے سوا تمھارے دادا نے کسی سے برابر کا یارانہ نہیں رکھا۔ تمھارے باپ کے دوست بھی پروفیسر بیرسٹر اور انجنیئر سے کم نہیں۔ یہ تم پر خدا کی کیا مار آتی ہے کہ نگوڑے مل کے ایک دو کوڑی کے مزدور کو دوست بنا کے سب کی ناکیں جڑ سے کاٹے دے رہے ہو

کچھ تو خیال کرو۔ دلہن بیگم کے گھر میں بات جائے گی وہ لوگ کیا کہیں گے؟"

آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" خاور نے کہا۔" دوستی انسانوں کے مراتب سے کرنی چاہیئے۔ چاہے وہ مرتبہ اہلیت ہی کا کیوں نہ ہو۔ دوستی انسان سے نہیں کرنی چاہیئے۔ میں آپ کی تمام باتیں مانے لیتا ہوں۔ آج ہی سے یوسف سے ملنا چھوڑ دوں گا۔ مگر میری ایک شرط ہے۔ آپ کو وہ ماننی پڑے گی۔"

کوئی ڈھنگ کی ہو گی تو مانوں گی۔ ورنہ ۔۔۔!"

بالکل ڈھنگ کی ہے۔!

"کہو۔"

"میں جانتا ہوں آپ کے پاس کافی سرمایہ جمع ہے۔ مجھے دس ہزار روپئے چاہئیں۔"

"ہرے ہٹو میاں۔! ہنھ۔! دس ہزار روپئے چاہئیں۔" اماں نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔" اسی نگوڑے فقیر کے لئے۔! لوٹ رہا ہے نا تمھیں۔ دوستی کا دم بھر بھر کے اور تم پاگل آنکھ میند کئے لٹ رہے ہو۔ اور پھر اس کی بے غرض محبت کا دعوٰی بھی تو کر رہے ہو۔" نہیں ہیں میرے پاس دس ہزار۔ ایک کانی کوڑی بھی نہیں ہے سچ ہی تو کہہ رہے تھے وہ اس پاگل دیوانے کو بھی میرے گھر میں جنم لینا تھا۔" وہ نجانے کیا کچھ اور بکتی رہیں خاور کے سینے میں آتش فشاں پھٹتے رہے۔! اپنے ماں باپ کی تنگدلی، اور نام نہاد ابتہاج پر ان کا خون ابلتا رہا۔! لیکن وہ کچھ نہ بولے۔

دوسرے روز گھر سے نکلے اور باپ کی خوں فشاں نظروں اور ماں کی زہر چکاں زبان کی مطلق پرواہ نہ کی۔! یوسف ان کے منتظر تھے۔! خاور مسکرا کر ان سے لپٹ گئے۔ اور ان کا داڑھی دار گال چوم کر بولے۔ فکر نہیں بیٹے۔ اب خوب ڈٹ کر

علاج ہوگا۔ میں بڑے نرسنگ ہوم میں تمھیں داخل کرا دوں گا۔ اور زبردست قسم کے ڈاکٹروں کو تم پر مسلط کر دوں گا۔ پھر بیٹا پہلوان ہو گے تم واپس آنا وہاں سے سمجھے۔ میں یہ روتی بسورتی شکل دوبارہ نہ دیکھوں۔!

مگر!۔" چھلکتی آنکھوں سے انھیں دیکھتے ہوئے مرتعش لہجے میں یوسف بولے "تم:" میں تمھاری محبت اور توجہ پر سو دفعہ قربان۔ میرے دوست۔ مگر۔!

ہاں ہاں۔ اور بکو۔ کوئی حسرت دل میں رہ نہ جائے۔"

خفا نہ ہو۔ خاور۔ اچھا لو۔ میں سن رہا ہوں۔ کہو۔" یوسف آنسو پونچھ کر ہنسنے لگے

خاور نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور کم و بیش آٹھ ہزار روپیوں کے بڑے نوٹ ان کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ پھر بے حد خوشدلی سے مسکرا کر بولے۔" ابا جان نے بٹوارہ کیا تھا کہتے تھے فی الحال اتنے خرچ کرو پھر امرودوں کا باغ فروخت کریں گے تو مزید رقم ملے گی

میں کچھ کہوں گا تو تم پھر منھ پھلا لوگے!۔" یوسف بولے۔

بے شک پھلاؤں گا!۔" خاور نے کہا۔

بھائی یہ رقم تو تم کو خرچ کرنے کے لئے دی تھی۔ تم آخر مجھے ۔۔۔!"

اس حقیر رقم کا مصرف اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ تمھارے کام آئے۔! خاور نے بات کاٹ دی۔" اور اب چلو چلیں۔ دیکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کیا رائے دیتے ہیں۔!"

چائے۔! زبیدہ نے چھوٹی سی ٹرے تخت پر لا رکھی اور خود بھی وہیں نیچے بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئی

کشتی میں ننھی ننھی طشتریاں تھیں جن میں ہیلی برابر بوریاں، نمک پارے اور تلے ہوئے کاجو تھے۔!

"بھئی تمھاری بہن بڑی سکندر اعظم ہے:" خاور نے کاجو کی طشتری اٹھائی۔"

مجھے نہیں ملی ایسی۔ گھر پر تو ہماری بی آپا ٹہلنی رہتی ہیں۔" انھوں نے چٹخارے لیتے ہوئے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔!

"ہے چلیئے اپنے گھر۔ اچھے اچھے کھانے پکا کے کھلاؤں گی۔ زبیدہ بولی۔

"واہ۔ میں کیوں پکواؤں گا۔ خاور بولے۔ میں تو تم پر ایک باورچی مقرر کردونگا

"میں بے حد خوش نصیب ہوں۔ تمھارا ایسا دوست ملا ہے مجھے"۔ یوسف نے کہا

ناشتے کے بعد خاور یوسف کو ہسپتال لے گئے۔ مکمل چیک اپ کے بعد انھیں بتایا گیا کہ یوسف کا بڑا زخم کافی اندر تک بگڑ گیا ہے اور جس کا خوب جم کے علاج کروانا پڑے گا۔ یوسف کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ خاور نے انھیں تسلی دی اور ڈاکٹر صاحب سے بولے۔" اگر آپ کو مناسب معلوم ہو تو انھیں ہسپتال میں شریک کر لیجیئے۔

"میں کرنل صاحب سے مشورہ کر کے ابھی آپ کو جواب دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ دونوں دوست اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ دو منٹ بعد ایک نرس خاور کو بلا لے گئی۔ ڈاکٹر ان سے الگ ملا اور بولا۔" آپ مسٹر یوسف کو یہاں شریک کرانا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کے بازو کا بڑا زخم کافی دور تک اندر اندر سڑ گیا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ اب ٹھیک ہو سکے گا۔

"تو کیا۔؟" خاور کچھ پوچھتے ہوئے ڈرنے لگے۔

"ان کا ایک میجر آپریشن اور کرنا پڑے گا۔۔!

"کیجئے ڈاکٹر صاحب۔ اپنی سی کوشش ضرور کیجئے۔" خاور نے ڈاکٹر کا ہاتھ تھام کر گھگھیاتے ہوئے کہا۔ اسے بچا لیجیئے۔ کسی طرح کسی صورت سے بچا لیجیئے۔۔!

کیا وہ بھی اس کے لئے تیار ہوں گے۔!

ہو جائیں گے ڈاکٹر صاحب۔ میں انھیں مجبور کر دوں گا۔۔۔۔ یہ کچھ دشوار نہیں

آپ اخراجات کا تخمینہ کر کے بتایئے۔

"کم و بیش پانچ ہزار تو ضرور ہوں گے۔!"

بس اسی قدر؟" خاور نے کہا۔ پھر خوشامد سے بولے "آپ انھیں اسی وقت سے شریک کر لیجیے۔ میں انھیں سب سمجھا دوں گا!۔ آپ بہر صورت اسے بچانے کی کوشش کیجیئے۔"

"آپ جایئے۔ میں ابھی آیا۔"

خاور بڑے لا پرواہ سے واپس آئے۔ یوسف نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا اور ایک طویل سانس لیکر چپ ہو رہے۔

"ہم۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیا۔ خاور نے کھانس کر گلا صاف کیا۔ بلکہ انھیں میں نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ تمھیں یہاں شریک کر لیں۔ ان کا خیال ہے کہ تمھارا ایک بڑا آپریشن ہو گا پھر۔!"

ان الجھنوں میں کیوں پڑتے ہو۔ بھائی۔ مجھے جینے دو۔ جس حال میں سہی میں تم سے شرمندہ ہوں۔ خاور تم۔!

ڈاکٹر صاحب تشریف لا رہے ہیں" خاور نے کہا۔

اور ضروری کارروائیوں کے بعد یوسف کو دواخانے میں شریک کر دیا گیا۔

انھیں دلاسے تسلیاں دے کر خاور تنہا گھر واپس آئے۔

بھیا کہاں ہیں۔؟!" زبیدہ نے پوچھا۔ اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

خاور نے بڑے نرم الفاظ میں پوری بات اسے بتائی۔ اس نے بے حد ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اور یوسف ہی کی طرح ایک ٹھنڈی سانس لیکر رہ گئی۔

اگر تم اکیلے گھر میں رہتے ڈرتی ہو تو۔ تو۔ خاور ہکلانے لگے۔ یا تو پھر میں تت

تم۔ تمھارے پاس رہ جاؤں یا پھر تم میرے گھر چل کر رہو۔"

آپ کے پاس؟" زبیدہ نے پوچھا۔

خاور کے دل میں ہلچل مچنے لگی۔ تنہائی، اکیلے پن کے احساس، اور زبیدہ کے قرب کے جذباتی ادراک نے خاور پر عجیب سی ناقابل فہم کیفیات مسلط کر دیں۔ ان کے جسم پر سے آتشیں لاوے کی لہریں گزر رہی تھیں۔ سارا وجود کھٹی بنا ہوا تھا۔ آنکھوں کے آگے رنگ برنگی ترمرے ناچ رہے تھے۔ اور حواس بالکل مختل ہو چکے تھے!۔

زبیدہ ان کی بدلی ہوئی کیفیت سے بالکل بے خبر سرنگوں بیٹھی سوچ رہی تھی۔ یہ اداس دن اور رات کب تک یکساں حالت میں رہیں گے۔ کب خدا کو اس پر رحم آئے گا۔ کب؟ اس کے ذہن میں اپنے بھائی کی زرد افسردہ شکل ابھری۔ اس کا نامکمل ہیولیٰ سامنے آیا۔ اور وہ دفعتہً سسک سسک کر رونے لگی۔!

"میرے بھیا۔ میرے بھیا۔!

اور تب۔ آگ کے حصار سے خاور نکلے۔! یہ تو دوست کی بہن ہے۔ بکہ دتنہا حالات کی ماری ہوئی۔ مجبور و بے بس۔ اسے زبردستی اور زیادتی کا شکار کرنا انسانیت کی توہین ہے۔ باعث ننگ و شرم۔ ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ بڑی مشکل سے آواز سنبھال کر انھوں نے کہا۔

"دل مضبوط کرو۔ زبیدہ۔ یہ تو تم بدشگونی کر رہی ہو۔

ان کے سوا اس دنیا میں میرا کون ہے۔"

کیا میں نہیں ہوں۔ تمھارا۔!

ہاں۔ آپ بھی ہیں۔ مگر۔!"

کچھ نہیں۔ فکر مت کرو۔ خدا سب ٹھیک کرے گا! ۔۔۔۔۔

کیا آپ جا رہے ہیں۔

ہاں۔ دکان تو دیکھنی ہے۔

پھر کب آئے گا۔؟

شام کو۔ روز کے وقت۔!

بھیا کو دیکھنے میں چلوں گی۔

ضرور چلنا۔ میں لے چلوں گا۔

بھیا وہاں گھبراتے تو نہیں ہیں۔

انھیں تم کمزور دل لڑکی سمجھتی ہو۔؟

زبیدہ ہنسنے لگی۔ "کب تک اچھے ہو کر گھر آئیں گے۔؟

بڑا آپریشن ہوگا۔ تب آئیں گے۔

آپ پر بڑا بار پڑ جائے گا۔ کتنی مشکلیں برداشت کر رہے آپ ہمارے لئے۔"

تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔ زبیدہ۔ تم جو میری سب کچھ ہو۔ میری زندگی، میرا پیار، میری محبت۔ میری زبیدہ۔ اخاور کا لہجہ بکھرنے لگا۔" تمھیں آنکھوں کا پیغام پڑھنا نہیں آتا۔ تم نے میرے دل میں جھانک کے نہیں دیکھا۔ زبیدہ۔ میری تمناؤں کو کس دن حقیقت کا روپ ملے گا۔؟ تم خاموش ہو۔ کیا کچھ نہیں کہہ سکتیں؟۔ میرے اطمینان کے لئے ایک لفظ۔ ایک لفظ ہی سہی۔

زبیدہ کے لئے یہ بن نرالی نئی بات تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا بس وہ معصوم کبوتری کی طرح کالی کالی آنکھیں کھولے ان کا چہرہ دیکھتی رہی، ا انھوں نے اس کے ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لئے۔ اور پھر وہ سرد

ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیئے۔!

وہ رات زبیدہ کے لیئے عجیب و غریب خواب لے آئی۔ جو اس کے لیئے نئے بھی تھے اور دلکش بھی اپنا عمر کے بڑے رنگین دور میں تھی۔ جہاں تعبیر سے بے پرواہ صرف خواب ہی دیکھے جاتے ہیں۔ چھوٹے سے دالان میں بچھا ہوا ٹاٹ بچھائے پڑوسی بڑی بی بڑی خراٹے لے رہی تھیں۔ کھمبے سے لگا ہوا نیلا بلب اداس غمگین سی روشنی پھیلا رہا تھا۔ اندر باہر ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ سن سن کے رات گزر رہی تھی! زبیدہ کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ زنجیر در زنجیر خیالات کبھی بیمار بھائی کا خیال آتا کبھی خاور کی باتیں ذہن میں گونجتیں۔ وہ پریشان سی کروٹیں بدلتی رہتی۔ سر میں دھماکے ہو رہے تھے، آنکھوں کے آگے جگنو چمک رہے تھے۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آخر سوچے تو کیا سوچے؟ محبت کی کسک تھی اور پہیلی پہیلی تھی۔ سوچتے سوچتے جب وہ ہارنے لگی تب وہ ٹھنڈے صحن میں آگئی۔ آسمان پر ننھے سے ستارے پلکیں جھپکا رہے تھے۔ اس نے کھڑکی کا پردہ سرکایا۔ سامنے وسیع میدان میں ملگجی چاندنی سو رہی تھی۔ اور ہر سو ہو کا عالم طاری تھا۔!! کھڑکی کا پردہ تھام کے وہ چپکے چپکے رونے لگی۔!!

محبت کی جادوگری عجیب چیز ہے۔ محبت آدمی کو بزدل بھی بناتی ہے اور بہادر دلیر بھی خاور پر بھی اولیں محبت کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ تیز و تند چھایا ہوا تھا۔ عشق کے اس سیلاب بلاخیز میں ان کے ہوش و خرد سب بہہ گئے تھے اب وہ کچھ سوچنے سمجھنے پر تیار ہی نہ تھے۔ دل بغاوت پر آمادہ۔ دماغ میں

لا وا ابھرا ہوا۔ بڑوں کا رعب چھوٹوں کا لحاظ بالکل تھا۔! سب سے مقابلہ کرنے پر آمادہ۔ کوئی کیا بگاڑ سے گا۔!

ہمیشہ کی طرح ادھر ادھر مارے مارے پھر کر یوسف سے مل کر اور زبیدہ کو بہلا چمکار کر اپنے دس بجے رات کو گھر پہونچے۔! دروازے پر ملازم نے اطلاع دی۔ بڑے سرکار بے حد غصے میں ہیں۔!

کوئی سنسنی بات نہیں۔!" انھوں نے حقارت سے کہا۔

آپ پر میاں۔ کہہ رہے تھے کہ آپ کو مار کے پھینک دیں گے!۔

اچھا اچھا۔!" وہ لاپرواہی سے ہنسے اور سیٹی میں کوئی دھن بجاتے ہوئے اندر پہونچے۔ خلاف معمول دالان میں سب کا سامنا ہوا۔ لمحہ بھر کے لئے ان کا دل کچھ ڈانوا ڈول ہوا پھر انھوں نے انھیں نظر انداز کر کے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے دفعتہً اختر صاحب کی دہاڑ گونجی۔ "ٹھہر جاؤ!۔ کہاں جاتے ہو؟۔!"

وہ رک گئے"!۔

پاس آؤ!"

فرمائیے!" سینہ تانے ایک مجاہد کی سی شان سے وہ پاس بھی چلے گئے۔

نابکار، پاجی۔ ڈاکو کہیں کے" دہاڑ کے ساتھ اختر صاحب کے پہاڑ سی ہاتھ میں ان کا گریبان آگیا" تیری یہ ہمت۔ خبیث، تو نے اپنی ماں کے صندوق سے آٹھ ہزار روپئے نکال لئے۔!

اگر اماں میرے مانگنے پر دے دیتیں تو ہرگز نہ نکالتا!۔ سرکش بیٹے نے جواب دیا تو اپنی شرمناک حرکت کا اعتراف کر رہا ہے؟" اختر صاحب نے دانت پیس کے کہا کسی اور کے گھر ڈاکہ نہیں ڈالا" خاور نے کہا" ماں کے صندوق سے نکال لئے ظاہر ہے کہ وہ پیسہ آپ کا ہے۔ ماں باپ کی چیز ان سے پوچھے

بغیر لے لینا چوری یا شرمناک حرکت نہیں ہے !"

ہائے میں تو ہار گئی" اماں نے پیشانی کوٹ لی "منظر ابا بھلا مانس ہے
ایک یہ بدماش پاجی ڈھیٹ بے شرم میری کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ کہاں لیجا
کے اس کا سر ماروں میرے مولیٰ۔ اسے تو نے ہدایت نہیں دی۔ !

کیا کئے وہ پیسے۔؟" منظر صاحب نے پوچھا۔

بڑی رسانیت اور آہستگی سے خاور نے باپ کے ہاتھ سے اپنا گریبان
چھڑا لیا اور بے حد لاپرواہی سے بولے" کچھ کام تھا !"

کلیجے میں گھا دے ہوں گے خالو جان کے" بھابی جان نے قہرناک لہجے
میں کہا" وہ بھک منگا جو ہمزاد بن کے ان سے چمٹا ہے۔ اسی کی قبر سنوری
ہو گی۔ اس رقم سے۔!"

بھابی۔!" خاور نے کہا ایسی گھن گرج تھی ان کے لہجے میں کہ پل بھر کیلئے
وہ دم بخود رہ گئیں۔

ہاں ہاں میں نے بیجا کے دے دیئے اسے" خاور نے باپ اور بڑے بھائی
کا اقدام کئے بغیر بلند آواز میں کہا" آپ کا جو دل چاہے کیجئے۔ اور میں آپ سے
کہے دیتا ہوں ان پیسوں کی پرسش کا حق آپ کو قطعی نہیں ہے۔

"بدتمیز" ایک تھپڑ اس طرح خاور کے گال پر پڑا کہ ان کی آنکھوں میں
شعلے سے بھڑک کے رہ گئے۔!

بھابی نے رونا شروع کر دیا۔

ابا جان کے ہاتھ چلنے لگے۔ منظر صاحب کی زبان چلنے لگی۔ خاور ستون
بنے کھڑے رہے۔ ان پر مار پڑتی رہی۔ اپنی جگہ سے نہ اماں سرکیں نہ بھابی
اٹھیں۔ پھر منظر صاحب ہی نے باپ کا ہاتھ پکڑا اور خاور کو سینے سے دھکا دیکر

پیچھے ڈھکیل دیا۔

نکال باہر کر دوں گا۔ مردود۔ دوزخی۔ پاجی۔ عاق کر دوں گا۔ سمجھوں گا کہ مر گیا۔ ایسے جینے سے نابنجار کا مرنا بھلا۔ خبردار خبردار۔ پھر میں نے تجھے یوسف کے پاس جاتے اس سے میل جول رکھتے دیکھا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اباجان کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا!۔ خاور کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ ان کا چہرہ سلگ اٹھا تھا۔ مگر نہ آہ نہ واہ۔ وہ ایک بے جان بت کی طرح کھڑے رہے! اور پھر جب اختر صاحب گرج برس کر اور مظفر صاحب لعن طعن کر کے خاموش ہوئے تو خاور نے پوچھا۔

"کیا اب مجھے اجازت ہے؟"

دفعان ہو!" اختر صاحب نے نفرت سے کہا۔

شکریہ!" خاور نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے چلے آئے۔

بیگم؟" اختر صاحب نے نہایت حیرت اور تعجب سے کہا "یہ اس بدبخت کو کیا ہو گیا ہے۔ نہ مار پیٹ کا اثر ہے نہ سمجھانے بجھانے کا۔ آخر یہ کس طرح راہ راست پر آئے گا۔؟"

پابند کیجئے اباجان۔ مظفر صاحب بولے "ابھی سویرا ہے۔ ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گیا تو پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔!"

کیسے پابند کر دوں" اختر صاحب جھلا کر بولے "کوئی پردہ نشین لڑکی ہے کہ منع کر دوں۔ دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔!

یہ یوسف موتے بھکاری رہتے کہاں ہیں" اماں بولیں "میں ہی ان سے ملکر انھیں سمجھاتی کہ اس نامراد جنم جلے کا پیچھا چھوڑ دیں۔!"

میں نہیں جانتا!" اختر صاحب نے منھ بنا کر کہا۔

میں بھی نہیں جانتا!" مظفر میاں نے کہا۔

آخر اس بدبخت یوسف سے اس ناشدنی کی دلچسپی کی وجہ کیا ہے؟"۔

اختر صاحب نے ہتھیلی پر مٹھی مار کر پوچھا۔

ہائے اباجان مجھے تو یقین ہے کہ وہاں کوئی لڑکی ضرور ہے۔ جس نے خاور کو باندھ رکھا ہے۔" عزیزہ کیوں خاموش رہتیں۔

کہتی تو سچ ہو" مظفر صاحب نے تسلیم کیا۔ "تو پھر اب کیا ہوگا۔؟"

اباجان کیا آپ کو اس ملعون سے ! جانا ہے۔؟" مظفر صاحب نے انھیں چیلنج کیا۔ باندھ کے بٹھائیے کم بخت کو۔ اور میں کل اس الو کے پٹھے اس کے دوست کا پتہ چلاتا ہوں۔"

بھابی سنتی ہو۔!" اختر صاحب نے بیوی کو مخاطب کیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ اب اس کی شادی میں کچھ دیر لگے۔ مولوی صاحب نے تاریخ دے ہی دی ہے۔ خاور سے پوچھنا پاچھنا نری حماقت ہے۔ بس تیاریاں کرو اور ― میں سمجھتا ہوں کہ بیوی آجائے گی تو خود بخود اسے سنبھال لے گی۔"

ہائے خالو جان ایسا نہ ہو کہیں میری معصوم بہن کی زندگی خراب ہو۔" بھابی نے صورت پر وحشت برسا کر کہا۔ "خاور کی تو کوئی کل ہی سیدھی نہیں رہ گئی معلوم نہیں کیوں اتنے دیوانے ہوئے پھرتے ہیں۔ اگر اللہ نہ کرے وہ نہ ٹھیک ہو سکے تو پھر۔ فاخرہ کی مٹی پلید ہوگی کہ نہیں؟!"۔

مجال ہے خاور کی کہ سیدھا نہ ہو۔" مظفر صاحب نے بیوی سے کہا۔ "دیکھتی رہو اسے تو میں سیدھا کروں گا۔!

فاخرہ بڑی آن والی ہے۔ خالہ اماں۔" بھابی بولیں۔ "ایسی ویسی بات سہہ نہ سکے گی۔"

بیٹی میں خود حیران ہوں۔ سچ مچ اس ناشاد پر کسی نے کچھ کر دیا ہے۔" اماں نے کہا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اختر حسین صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں صبح کو سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ دلہن کے میکے میں منظوری کا خط بھجوا دوں گا۔!"

"ہائے اللہ خالو جان۔ میں ہی وہ خط لے کے کیوں نہ جاؤں۔ آخر اس کی شادی میں جاؤں گی ہی۔ کچھ دن پہلے سے مجھے بھیج دیجئے نا۔!" بھابی نے بچوں کی طرح کہا۔

کیوں؟؟" اختر صاحب نے مستفسرانہ انداز میں مظفر کی طرف دیکھا۔ جی ہاں کیا حرج ہے۔" مظفر صاحب نے گڑگڑا کر کہا۔

چنانچہ طے ہو گیا کہ کوئی چار روز بعد ہی خاور کی شادی کر دی جائے گی۔ ان کی سرکشی اور خودسری کو لگام دینے کی سخت ضرورت تھی۔ مردوں کے اٹھ جانے کے بعد بھابی بھی خوشی خوشی اپنا سامان درست کرنے چل دیں۔ تب اماں نے بے حد رازداری سے کہا۔" مجھے تو اس رشتے سے ہول آ رہا ہے بیٹی۔ خدا بخشے اماں جنت نصیب کہا کرتی تھیں کہ آمنے سامنے کی شادیاں راس نہیں آتیں۔

کیا مطلب؟۔ آمنے سامنے۔؟؟

ہاں جیسے۔ دو سگے بھائی دو سگی بہنوں سے بیاہی جائیں۔!

" اماں۔ اب کچھ ہو۔ رشتہ طے ہو چکا۔ اس کے علاوہ خاور کی گستاخی حد سے سوا ہو چکی ہے۔! آج آٹھ ہزار نکال لئے۔ دھاندلی کی۔ کل گھر بیچ دیں اب تو ان کے ہاتھ سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہی۔ توبہ ہے۔"

خاور اپنے کمرے میں تھے۔ بے تحاشہ سگریٹ پھونک رہے تھے اور

غیظ و قہر کے مارے رہ رہ کر ساری جان سے کانپ اٹھتے تھے۔

انتقام "انھوں نے سفاک انداز میں ہنس کر اپنے آپ سے کہا۔ زندگی گزارنے کا حق مجھے بھی اسی قدر ہے جس قدر میرے اور عزیزوں کو۔ ہنھ۔ یہ اقارب ہیں عقارب سے بدتر۔ آخر مجھ پر ان کا تسلط کیوں ہے۔ یہ مار پیٹ۔؟ والدین۔ بھائی بہن اور بھاوج سب ایک محاذ پر۔ اور میں اکیلا۔ ایک طرف۔ سب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بھابی کی ہمشیرہ محترمہ سے واقعی بیاہ کروں گا۔ ہا۔ ہا۔ خیال خام۔ ارے میں تو عین وقت پر سب کی گردنیں جھکا دوں گا۔ کوئی کیا بگاڑے گا میرا۔ آج مجھے زدوکوب کیا گیا۔ مگر کل۔ میں ان سب کے قلب آدھے چیر کر رکھ دوں گا۔"

ان سے کسی نے کھانے کو نہیں پوچھا۔ مگر خاور نے کبھی ہارنا یا جھکنا نہیں جانا تھا وہ سب کے سامنے سے ہو کر کچن میں گئے اور اپنا کھانا لئے ہوئے میز پر آکر ڈٹ گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اختر صاحب کا چہرہ بدستور کھنچا ہوا تھا۔ مظفر بھی خاموش تھے خاور نے کھانا ختم کیا اور اٹھنے لگے! تب بڑے ناخوشگوار لہجے میں اماں بولیں۔

" اونٹ کی طرح منھ اٹھائے چلے نہ جاؤ۔ سنو۔ صبح کو تمھاری بھاوج منظوری کا خط لے کر میکے جا رہی ہیں۔ آج سے پانچویں روز عقد کی تاریخ رکھی ہے۔ چار دن باقی ہیں۔"

میرے عقد میں؟" خاور نے جان بوجھ کر استفسار کیا۔

اور پھر کیا کہہ رہی ہوں۔" اماں کو غصہ آ گیا۔

مجھ سے نہیں پوچھا پہلے ہی سے۔" خاور نے کہا۔

ہاں تم تو جارج پنجم تھے۔ تم سے رائے مشورہ لینا بہت ضروری تھا۔" عزیزہ نے جل کر کہا۔ "کبھی کوئی کام تم نے ڈھنگ کا کیا بھی ہے؟"

خیر۔!" مظفر نے کہا۔ "وقت تمھیں بتا دیا گیا ہے۔ خاور!۔ یاد رکھنا ہم اکثر

کہے سنے بغیر ہی ہفتہ ہفتہ بھر کے لئے غائب ہو جاتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔

ہاں وہ۔" عزیزہ کی بات ان سنی کر کے خاور نے اپنی والدہ سے پوچھا "آپ نے اس دن مجھے لالچ دیا تھا کہ جوڑے کی رقم میں تقریباً دس ہزار مجھے ملیں گے۔ اس کا کیا ہوا؟"

"بے غیرت۔" بھابی نے کہا۔

خاور ہنسنے لگے۔ "اس میں بے غیرتی کی کیا بات ہے بھابی۔ لوگ تو پچاس پچاس ہزار لے رہے ہیں۔ اگر آج کے دن میں خلیجی ملک میں کہیں ہزاروں کا ملازم ہوتا تو میرے نیلام کی بولی بھی لاکھوں تک لگتی۔ اب میں بے چارہ صرف بی۔ اے پاس باپ کی دوکان پر فقط ڈھائی سو روپے ماہوار کا سیلز بوائے ہوں تو کیا میں صرف دس ہزار کا مستحق بھی نہیں!"

"وہی روپے تھے نامراد۔ لچے کہیں کے۔ جو رات کو تو نکال لے گیا۔ خبیث کو بولی بولتے ذرا لاج نہیں لگتی۔" اماں کا پارہ پھر گرم ہو گیا۔

"مگر وہ تو صرف آٹھ ہی ہزار تھے۔" خاور نے ڈھٹائی سے کہا۔ "مزید دو ہزار کہاں ہیں؟"

"تجھ پر خدا کی مار۔ شرم نہیں لگتی کہ چوری کر کے روپے لے گیا اوپر سے دو ہزار کا حساب پوچھ رہا ہے۔" اماں نے ان پر بڑا چمچہ پھینک مارا۔

"تمہاری یہ حرکتیں قطعی ناقابلِ برداشت ہیں۔" اختر صاحب نے برافروختہ ہو کر کہا۔ "اور میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں کہ میں یہ سب کچھ نہیں سن سکتا۔"

"کھا چکے ہو۔ اٹھ جاؤ۔" مظفر صاحب نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

خاور اٹھ گئے اور جاتے جاتے بولے۔ "اماں صبح کو مجھے بقیہ دو ہزار مل جانے چاہئیں ورنہ ——" وہ چلے گئے۔

اور اماں نے انھیں جی بھر کے کوس کے رکھ دیا۔

"پھینک مار دو دو ہزار بھی اسی کے منھ پر۔" اختر صاحب نے غصے سے بے حال ہو کر کہا۔

"عجیب ناہنجار ہے۔" مظفر صاحب بولے۔

"نہ شرم ہے نہ لحاظ ہے۔" عزیزہ نے کہا۔

"پہلے ایسے نہیں تھے۔" بھابی نے تعجب سے آنکھیں نکالیں۔

"یہ سب اسی صدقے کے بکرے کی صحبت کا اثر ہے۔" اماں بولیں۔ "مونڈی کاٹا وہی غارت ہو تو شاید یہ مردے نکلا بھی حواسوں میں واپس آئے۔"

"خالہ اماں فاخرہ پر تو کوئی آنچ نہ آئے گی۔" بھابی نے کہا۔

"جب تک ہمارے دم میں دم ہے۔ کسی کی مجال ہے کہ فاخرہ کو ترچھی آنکھ بھر دیکھ تو لے۔"

اماں نے کہا۔ "اس کے ساتھ یہ شہدپن کیا ہے اگر تو کلیجے چیر کے رکھ دوں گی!" اماں اختر صاحب مغلظات بک رہے تھے۔ مظفر کے لبوں پر صلواتوں کی گردان تھی۔ خاور سب کچھ سن رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔!

صبح ہوئی۔ اماں پھوپی سوچی آئیں اور دو ہزار کے نوٹ خاور کے منھ پر پھینک مارے بھر کوسنے دیتی اور شرم و غیرت دلاتی چلی گئیں۔

نئی گوفت بیچ گئی، اماں رونے بیٹھ گئیں۔

"ایک دن قتل کر کے پھینک دوں گا۔" اختر صاحب ناچ رہے تھے۔ ملازم نے ساری روداد سنائی تھی!

ہسپتال میں یوسف خاور کے لئے چشم براہ تھے۔ ان کا ٹریٹمنٹ ہو رہا تھا اور دوسرے روز آپریشن تھا۔!

السلام علیکم !۔ خاور نے بڑی خوشدلی سے ہلکا سا قہقہہ لگا کر انھیں سلام کیا اور پاس بیٹھ کر خیریت پوچھنے لگے۔!

سب ٹھیک ہے۔“ یوسف کے چہرے پر اداسی کہر کی طرح منڈھی گئی تھی۔ آنکھیں پرمئی حلقوں میں ہل رہی تھیں۔ لبوں پر سوکھی ہوئی پپڑیاں بندھی تھیں۔

ارے خواہ مخواہ پریشان ہو یار !“ خاور نے کہا۔ ”ہوا کی طرح یہ دن گزر جائیں گے۔ ایک دن ناٹھے کرارے ہو کر اٹھ کھڑے ہو گے۔ عجیب سا ہواؤں کا سا سوگ چہرے پر طاری کر رکھا ہے۔ زبیدہ آنا چاہتی ہے۔ کیا کہے گی تم کو دیکھ کے فضول تم بہن کا دل بھی دکھاتے ہو۔“

یوسف نے بڑی گہری سانس لی۔ اور خاور کی تقریر کے جواب میں بولے ”خاور مجھے تم منہ کھولنے نہیں دیتے۔ کچھ کہتا ہوں تو سنتے نہیں۔ مرے یار۔ سنو! کل میں نے نرسوں کو اپنے متعلق یہ کہتے سنا تھا کہ ڈاکٹر حضرات میرے آپریشن کے بعد زندگی کا ذمہ نہیں لیتے۔ میرا زخم اندر اندر کافی بگڑ گیا ہے۔! مجھے خود بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ زندگی بس اک ساعت مختصر کے لئے ہے۔ اپنا سرمایہ اور اپنی محنت تم مجھ پر ضائع نہ کرو۔ خاور۔ تم بھی کیسے دوست ہو۔ تنہا تم میرے لئے کیا کیا۔!

موت وحیات سب منجانب اللہ ہے۔ بھائی۔ خاور نے کہا۔ ”ڈاکٹر ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ زندگی نہیں دے سکتے۔ خدا کی بخشی ہوئی زندگی لوٹا سکتے ہیں۔ بس دوا کرنا ان کا کام ہے۔ دوا میں اثر دینا خدا کا کام ہے۔ بس ہمت کرو۔ اور سوچو کہ تم کو ابھی مرنا نہیں ہے۔ میرے لئے۔ زبیدہ کے لئے۔!

یوسف پر دلدہی کا اثر ہوا۔ انھوں نے سسک سسک کر رونا شروع کر دیا۔“ خاور میرے بعد میری بہن کا کیا حشر ہوگا۔؟ کہاں جائے گی وہ۔ دنیا بڑی خراب

جگہ ہے۔ وہ معصوم ہے۔ ناسمجھ ہے۔ اسے کوئی بہکانہ دے۔ وہ کوئی بری راہ نہ اختیار کرلے۔ ماں باپ کے بعد میں نے اسے ماں اور باپ بن کر پالا ہے۔ اس بھری پری دنیا میں اس سے محبت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ خاور۔ ان خیالوں نے ساری رات میری حیات کا زہر چوسا ہے۔ خیالوں کے یہ ناگ رات بھر ڈستے رہے ہیں مجھے ۔۔۔ !"

میں تمھیں کس طرح سمجھاؤں۔ یوسف" خاور نے ان کے آنسو پونچھے۔ اور کہا۔ "یہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم ضرور اچھے ہوجاؤ گے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔" اور یہ کہتے کہتے ان کا دل بیٹھ گیا۔ جھوٹی تسلیاں کس کام کی۔ ان سے بھی ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا آپ کی خواہش ہے۔ آپریشن کیے دیتے ہیں۔ مگر ضمانت نہیں دے سکتے کہ مسٹر یوسف بچ بھی سکیں گے۔

میرے خدا۔ وہ کہیں کھو گئے! ہسپتال کا سناٹا گہرا ہو گیا۔ بوجھل وقت ایک جگہ جم گیا تھا۔!

شام کو زبیدہ کو لیکر آؤں گا۔ چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگے۔" ہاں۔ تم نے کیا کھایا ہے ؟۔

نرس پھلوں کا عرق پلا گئی تھی ۔۔!"

اب میں جاؤں۔

رات کو زبیدہ اکیلی کیسے رہے گی ؟

تمھاری ہمسائی بڑی بی خالہ افسری آگئی تھیں۔ دس بجے رات تک تو میں ہی اس کے پاس رہا تھا۔!

" اچھا۔" یوسف نے تھک کر آنکھیں بند کرلیں۔

خاور نے راستے سے کچھ چیزیں کھانے پینے کی خریدیں اور زبیدہ سے

ملنے گئے۔ وہ ان کی منتظر تھی۔ بیک وقت مسرور و مغموم۔!

انھیں دیکھ کر کھل اٹھی۔ خاور نے شوخی سے کہا۔

کبھی تو خود سے سلام کیا کرو۔ ہمیشہ کہنا پڑتا ہے۔

آداب۔" اس نے کہا اور خلاف توقع بے حد شرمائی۔

جیتی رہو۔ خوش رہو۔ چاند سا دولہا ملے۔ اور ـــ" خاور نے زبردستی اس سے سلام کروا کے خواہ مخواہ دعائیں دینی شروع کردیں۔

بس کیجئے۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔" آپ کی باتوں میں میں بھیا کی خیریت پوچھنا بھول گئی۔ آج مجھے بھی لے چلیں گے نا۔

اپنے ساتھ؟ جہاں میرا جی چاہے۔ وہاں؟؟

ہائے اللہ۔ نہیں۔ بھیا سے ملانے کے لئے۔

اچھا اچھا۔ میں اب سمجھا۔" خاور مسکرائے۔ اور اس کی طرف بڑا سا لفافہ بڑھا دیا۔" لو سنبھالو۔ کچھ مجھے بھی کھلاؤ۔ ٹھیک سے ناشتہ نہیں کر سکا تھا میں

ابھی لائی۔ آپ کے انتظار میں ابھی تک میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔"

وہ باورچی خانے کی طرف نکلی۔ اور خاور کی نگاہیں اس کے دلکش و حسین لمبے لمبے بالوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ بے حد خوبصورت بال قدرت نے اسے دے رکھے تھے۔ آبشار سا کمر سے نیچے تک گر رہا تھا۔

اس نے ان کے سامنے دسترخوان سجا دیا۔! آئیے۔

تم بھی تو آؤ۔"

آپ شروع کیجئے۔ ہم۔ میں آپ کے بعد۔ کھا لوں گی۔!"

کیوں میرے ساتھ کیوں نہیں۔؟

شرم آتی ہے۔"!

ادر کا دل اپنی دھڑکنیں بھولنے لگا۔ وہ سادگی اور معصومیت کے اس حسین پیکر کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ کیا اس نے بھی کوئی ایسا دبیا روگ لگا لیا ہے؟۔ یہ حجاب یہ بے اختگی آخر کس جذبے کی مظہر ہے۔؟

انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ اور ماحول کا تاثر ختم کرنے کے لیے بے معنی باتیں شروع کر دیں۔ لیکن ان کے محبت آشنا دل میں درد محبت کی ہلکی کسک۔ اور میٹھی میٹھی خلش ہوتی رہی۔ وہ جاگیر دارانہ غرور اور تعلّی کی ہمکنت اسکے سامنے عجیب سی کی سادگی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ زبیدہ کی ہم نشینی ہی میں عمر تمام ہو جائے۔ اس نے اپنا سا خلوص انھیں دے دیا تھا۔ ابیہ سوچے سمجھے بغیر کہ سیدھا سادا خلوص آگے چل کر محبت کی شکل ڈھال لیتا ہے۔!

گھر پر شادی کی تیاریوں کو دیکھ دیکھ کر خاور کا خون سوکھنے لگا کوئی ان سے خوش نہ تھا۔ ماں باپ برگشتہ تھے۔ بڑے بہن بھائی متنفر! یہ تو دن ہی گن ایک ناگوار فرض سر سے اتار رہے تھے۔ معاشرے میں ناک اونچی رکھنے کے لیے کہ انھوں نے خاور کو بری راہوں پر چلنے کے لیے چھوڑ نہیں دیا۔ اور انھیں حقیقت میں خاور کی تباہی گوارہ نہ تھی۔ مظفر صاحب ان کے شایان شان کوئی ملازمت تلاش کر رہے تھے۔ خاور کو ملازمت پسند نہ تھی۔ ان کا اصرار تھا کہ باپ اپنی شاندار دکان ان کے نام کر دیں۔ مظفر صاحب انجینیر تھے۔ دولت کی ان کے پاس کمی نہ تھی۔ اختر صاحب کا جنرل اسٹور دو لاکھ کی مالیت سے کم نہ تھا۔ ماہانہ آمدنی کا تخمینہ پانچ ہزار کے لگ بھگ تھا۔! جنرل اسٹور پر بہت دنوں

سے خاور کی نظر تھی۔ باپ بیٹے میں اصرار و انکار کی تکرار بہتیری دفعہ ہو چکی تھی۔
ضد کے مارے خاور نے اچھی اچھی دو تین سرکاری نوکریاں ٹھکرا دی تھیں اختر صاحب
ان کی لا ابالی فطرت سے واقف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا جما جمایا
ہوا سامان خاور چند ہی مہینوں میں کھاپی کے برابر کر دیں۔ اور خاور کو ضد تھی
کہ انھیں وہ اکسٹور ہی چاہیے۔! کشمکش جاری تھی۔ اختر صاحب اپنی دھن کے
پکے تھے۔ خاور اپنی ضد پر اٹل۔! نتیجہ یہ ہوا کہ دوکان خاور کو ملی تو نہیں لیکن
باپ کی طرف سے ان کے خیالات نہایت خراب ہو گئے۔ انھیں سعادت مند
اولاد کی طرح باپ سے محبت تھوڑی تھی۔ وہ تو موقعہ پا کر ان سے بدلہ لینے کی
ترکیبیں سوچا کرتے تھے۔ اس دور میں ملازمت کا ملنا جوئے شیر بہانے کے
مترادف ہے۔ لہٰذا خاور کو کوئی مناسب ملازمت بھی نہ ملی۔ جو ملیں وہ انھوں
نے حقارت سے ٹھکرا دیں۔! اب ان کا گزارہ محض لیاڈگی سے حاصل کی ہوئی
رقم پر تھا یا ان ڈھائی دو سو رقم پر جو اختر صاحب طوعاً و کرہاً ان کے منہ پر پھینک
مارتے تھے۔ سو خاور کی اس بے راہ روی کی روک تھام کے لئے انھوں نے
ایک ایسا رہنما تلاش کیا جس سے انھیں جذباتی وابستگی ہوتی۔! نظرِ انتخاب
جا کے ٹھہری۔ بڑی بہو کی بہن پر۔ جو اپنے خاندان کی لڑکی تھی! اور واقعی بڑی
سلیقہ مند، حیا کی پُتلی اور غیور تھی۔! اختر صاحب کا پختہ خیال تھا کہ فاخرہ
ان کے شترِ بے مہار صاحبزادے کو واقعی سنبھال لے جائے گی!۔

اور وہ شادی۔ جو صرف دو روز بعد تھی۔ خاور کو پاگل بنا رہی تھی۔
ان کے ذہن میں زبیدہ کی پہلی پہلی محبت کا نازک پودا بے لگام خواہشوں کی
طوفانی ہواؤں میں جھوم رہا تھا!۔ وہ سچ مچ اس کی خاموش محبت میں
بھٹکے جا رہے تھے۔ وہ اپنی مجنونوں کی طرح اپنی نیندیں اپنا سکون حرام

کر رکھا تھا۔ کسی طرح زبیدہ کی شکل لوحِ دل سے مٹتی ہی نہ تھی ۔۔۔ اور اب تو ان کے سامنے اس کے مستقبل کا بھیانک سوال منھ پھاڑے ہوئے تھا۔ اگر یوسف کا آپریشن کامیاب نہ ہو سکا تو پھر۔ کیا ہوگا۔ زبیدہ کا۔ اس کا نگہبان۔ اس کا کفیل کون ہوگا۔

کوئی اپنا نہ تھا جو درد دل جانتا، کوئی غمگسار نہ تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جو فراخدلی سے زبیدہ کو پناہ دیتا۔ اپنے آپ سوچتے چلتے کڑھتے وہ سودائی بنتے گئے!۔ دوکان پر برائے نام بیٹھتے اور گاہکوں کو جھڑکتے۔ اختر صاحب کی سخت سست سن کر اور دماغ بیکار ہو جاتا۔

کبھی سوچتے کہ شادی سے انکار کر دیں۔ اس کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ اس کی پرواہ انھیں قطعی نہ تھی۔ کوئی ان کا کیا بگاڑ لیتا۔!

ان کے دماغ میں طوفان اٹھنے لگے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں۔ انھیں اندیشہ ہونے لگا۔ اگر ان کے افکار کی یہی حالت رہی تو دیوانگی ان سے دور نہیں۔

یوسف کا میجر آپریشن ہو چکا تھا۔

لیکن کرنل صاحب نے کوئی حوصلہ افزا امید نہیں بندھائی تھی۔ ہونٹ لٹکا کر خاور سے کہا تھا۔" دیکھئے نہیں۔ کیا ہوتا ہے۔

یوسف زندہ مردہ برابر تھے۔ اتنی جلدی ان کی حالت گری تھی کہ دیکھ کے تعجب ہوتا تھا۔ بستر پر بے شکن کی طرح پڑے تھے۔ خاور کے دل میں ناامیدی نے گھر کر لیا تھا۔ اور یوسف کو زبیدہ کی فکر نے زندہ درگور کر رکھا تھا۔!

کاش میرے ساتھ وہ بھی مر جاتی۔! وہ کراہتے تھے۔

ایسے مایوس نہ ہو جاؤ میرے بھائی ۔" خاور جھوٹی تسلیاں دے رہے تھے
یہ آپریشن کے بعد والی کمزوری ہے ۔ جاتی رہے گی ۔
مرنے والوں کو اپنے حال کا علم ہو جاتا ہے ۔ یوسف کے سامنے موت کھڑی تھی
انھیں دم بھر کا قرار نہ تھا ۔ تکلیف تھی ۔ درد تھا ۔ دکھ تھا ۔ نجانے کون سا دوزخ ان
کے ارد گرد بھڑک رہا تھا کہ ان کا وجود خاکستر ہو گیا تھا ۔
زبیدہ کی خوش رنگ امیدیں خاک میں مل گئیں ۔ اب اسے آنسو بہانے سے
کام تھا ۔ کسی کی تسلی اور دلاسہ اسے قرار نہ دے سکا ۔! وہ سمجھ چکی تھی ۔ بھیا کا ساتھ
شعلہ و خس کا ساتھ ہے ۔ پل بھر کا ۔ دم بھر کا ۔
خاور الگ دیوانے بن گئے تھے ۔ گھر پر ان کی موجودگی ضروری تھی ۔ یوسف
کے پاس رہنا اور بھی زیادہ ضروری تھا ۔ اگر وقت بے وقت وہ ساتھ چھوڑ دیتے
تو ۔ کون تھا پرسان حال ؟ ۔
انھیں آپے سے باہر دیکھ کر مظفر نے استفسار کیا ۔" مجھے بتاؤ ۔ تمھاری
پریشانی اور اس کرب واختلاف کا سبب کیا ہے ۔؟"
بھائی صاحب ۔" انھوں نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے ۔" آپ لوگوں نے
کبھی صورت حال جاننے کی ضرورت نہ سمجھی ۔ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے ۔
وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آخر ہوا کیا ہے ۔ !"
خاور نے بڑے کرب کے ساتھ انھیں حالات سے واقف کیا ۔ مظفر صاحب
کے خونخوار چہرے پر غیظ وغضب کے آثار نمودار ہو گئے ۔ نہایت طنز اور استہزا
سے وہ بولے ۔" احمق ۔ بیوقوف کیا تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ خواہ مخواہ کا
عذاب سر پر منڈھ لیا ہے ۔ کدھر کی بلا گلے لگائی ہے ۔ ارے سیکڑوں آدمی حشرات
الارض کی طرح دواخانوں میں مرتے ہیں ۔ وہ طلباء کی چیر پھاڑ کے کام آتے ہیں ان

کا کفن دفن کون کرتا پھرتا ہے۔ لعنت بھیجو اپنے دوست پر۔ بدبخت نے زندگی میں تمھیں اچھی طرح پاگل بنا کے لوٹا ہے اور مرنے کے بعد بھی تمھیں الو بنائے گا۔ اسنو خاور۔ اسے مرنے دو۔ تمھارے لئے ابا جان کا حکم ماننا سب سے ضروری ہے وہ ہرگز ہرگز تمھاری یہ حماقت برداشت نہ کریں گے۔ یونہی تم نے انھیں دس ہزار کی رقم حرا کے سخت غصہ دلایا ہے۔ ایسا کچھ نہ کرو کہ وہ آپے سے باہر ہو جائیں۔"

"آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نے آپ سے ناحق کہا۔"

کیا چاہتے ہو مجھ سے۔ کیا کروں میں؟"

کچھ نہیں۔ میں نے آپ سے کب کہا ہے کہ میں آپ سے کچھ چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھ سے میری پریشانی کی وجہ پوچھی تھی۔ میں نے بتا دی۔!"

"تمھاری حرکتیں ہمارے لئے باعث ننگ ہیں۔ تمھیں سوچنا چاہئے کہ تم ایک شریف خاندان کے فرد ہو۔ تمھارا کوئی قول و فعل بالواسطہ ہم پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اب ایک دوسری لڑکی اس گھر کی بہو تمھاری بیوی بن کر آ رہی ہے۔ اس کے سامنے تمھیں خود کو شریف، باکردار اور معقول آدمی بننا چاہئے۔"

آپ کو بھی اپنی بیگم صاحبہ کے سامنے سرخرو ہونا ہے۔

"کیا بکتے ہو۔"

دونوں کا موڈ چوپٹ ہو گیا۔ وہ پاؤں پٹختے ہوئے اندر گئے یہ بھناتے ہوئے باہر نکلے۔ عجیب سے انتشار اور بے چینی میں دو شب و روز کٹ گئے!۔

اس شام مہندی کی رسم تھی۔ گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ شور و غل چیخ پکار جو دقیانوسی شادی کا خاصہ ہے۔ گھر میں برپا تھی۔ مرد اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ عورتیں خواہ مخواہ حلق پھاڑ رہی تھیں۔ بچے اودھم مچا رہے تھے۔ خاور اس ہنگامہ ہاؤ ہو سے الگ ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں کھڑے

دیوانوں کی طرح سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔!

آج سہ پہر وہ دیکھ آئے تھے یوسف پر عالم نزع طاری تھا۔ کرنل صاحب نے صاف کہہ دیا تھا کہ بس آج کی رات یا کل دوپہر تک بس اتنی ہی زندگی یوسف کی باقی تھی!۔ زبیدہ اس دردناک حقیقت سے بے خبر تھی۔ یوسف ہسپتال میں اکیلا سسک رہا تھا۔! اور خاور کی موجودگی گھر میں اشد ضروری تھی۔!

وہ آسمان کی طرف دیکھ کر گڑگڑا رہے تھے۔ میرے اللہ رحم کر یوسف کے حال پر تھوڑی سی زندگی اسے اور دے دے۔ کم از کم اتنی سی حیات مختصر اور کہ وہ اپنی بہن کا بیاہ کر دے۔ اللہ اللہ۔ یہ کیسی عجیب ساعت ہے۔

ان کے سینے میں جھکڑ سے چلتے رہے!۔ کیا ہوگا۔ اب کیا ہو گا۔!

پھر مہمان عورتوں کی سواریاں اترنے لگیں۔ سب خوش تھیں۔ ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے انھیں کسی کے درد نہاں کی کیا خبر تھی۔

بڑی دھوم سے مہندی کی رسم ادا ہوئی۔ خاور کو جبراً دقہراً مسکرانا پڑا۔ اپنی شوخ و شنگ سالیوں کے فقروں کا نشانہ بننا پڑا۔ بس وہ زندہ بت کی طرح بیٹھے رہے۔ نہ کچھ دیکھ رہے تھے نہ سن رہے تھے۔ ان کا جسم یہاں تھا اور دل و دماغ کہیں اور۔ اتنا انھیں ضرور احساس ہوا کہ ان کی خود فراموشی ان کے والدین اور بہن بھائی کے نزدیک مستحسن نہیں تھی والد صاحب قہر آلود نگاہوں سے انھیں دیکھ رہے تھے۔ اور آنکھوں آنکھوں سے طرز عمل بدل دینے کی فہمائش کر رہے تھے۔ مگر خاور کے اختیار میں نہیں تھا۔

رسم کے بعد جب سناٹا ہو گیا تب اماں ان پر برس پڑیں۔ کوئی بات کہنے کو اٹھا نہ رکھی!۔ اختر صاحب کا پارہ بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ الگ بھنا رہے تھے بہرحال کوئی خرد خوش نہ تھا۔ سب خاور سے ناراض تھے۔

دوسرے روز شادی تھی۔
ساری رات خاور کی پلک سے پلک نہ لگی۔ خلش آمیز طریقے سے ان کا دل دھڑکتا رہا۔ وہ ٹہلتے رہے اور سوچتے رہے۔
صبح نہایت زرد اور سوگوار تھی یا انھیں کو محسوس ہوئی تھی۔ ان سے ڈھنگ کا ناشتہ بھی نہ کیا گیا۔!
اختر صاحب انھیں گھور رہے تھے۔ اماں علانیہ خفا تھیں۔ مگر ان سب سے لاپرواہ خاور گھر سے نکلے اور ہسپتال کی راہ لی۔ راستہ کاٹنا دشوار ہو رہا تھا پتہ نہیں وہاں جا کے کیا دیکھنا پڑے۔
ہسپتال کے لاؤنج میں ڈاکٹر سے ٹڈبھیڑ ہوئی اور خاور کا دل حلق میں آ گیا
سب خیریت تو ہے جناب؟" انھوں نے بے حد مدھم آواز میں پوچھا۔ مجھے افسوس ہے کہ مسٹر خاور۔ آپ کے دوست۔۔"
وہ زندہ تو ہے نا؟" خاور کے پاؤں کانپنے لگے۔ سر میں بڑے زور سے دھماکا ہوا۔
بس لمحوں کے مہمان ہیں۔ جائیے۔ ہم نے آپ سے کہہ ہی دیا تھا کہ اپنا سرمایہ وقت اور توجہ ان پر صرف کرنا بیکار ہے۔ ان کا زخم بگڑ گیا تھا۔ انھوں نے شروع ہی سے احتیاط نہ کی۔!"
یوسف کی آنکھیں کھلی تھیں۔ لب نیم وا۔ چہرہ زرد۔ مگر سینے پر سانسوں کا ہجوم تھا۔
یوسف کی آنکھیں کھلی تھیں۔ لب
خاور" وہ ہانپنے لگے" خاور۔ بالآخر وہ وقت آ پہونچا۔ تم نے۔ مجھے موت کے ہاتھوں سے کھینچنے کی۔ بہت کوشش کی۔ مگر۔ اس کے ہاتھ تم سے زیادہ۔

طاقتور نکلے۔ خادر۔ میرے دوست۔ میرے بھائی۔ زبیدہ۔ زبیدہ کو بلالاؤ۔

میں اسے آخری دفعہ دیکھ تولوں۔"

یوسف۔ دل کو سنبھالو۔" وہ رونے لگے۔

"زبیدہ کو بلالاؤ۔ خادر۔ میری بہن۔ جب تک اسے دیکھ نہ لوں گا۔ میرا دم آسانی سے نہیں نکلے گا۔ جاؤ۔ خادر۔ جلدی کرو۔ میری سانسیں۔ میرے جسم سے وداع مانگ رہی ہیں۔ اللہ۔ اللہ۔۔"

"یوسف اتنے بے قرار نہ ہو۔ خدا کے واسطے کچھ تو دل کو مضبوط کرو۔" خادر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا انھیں کیا کرنا چاہیے۔

خادر!؟" یوسف نے اپنی بے نور آنکھیں ان پر گڑو دیں

ہاں! میں تمھارے پاس ہوں۔

مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ خادر۔ مجھے گھر لے چلو۔ جس طرح بنے۔ مجھے گھر لے چلو

میں تمھارے پاس ہوں۔ بھائی کس چیز کا ڈر لگ رہا ہے۔

خدا کے واسطے۔ لے چلو مجھے۔ میں اپنے گھر میں مرنا چاہتا ہوں۔ خادر دیر نہ کرو۔ اپنے مرتے ہوئے دوست کی آرزو پوری کردو۔ تھوڑی دیر بعد مجھے مردہ لے جاؤ گے۔ زندگی میں کیوں نہ میری خواہش پوری کردو۔"!

بڑا حرج ہو جائے گا یوسف۔ تمھارا زخم۔

یوسف بے ہوشی سے ہنسنے لگے "میرا زخم۔ تمھیں اس کا بڑا خیال ہے زبیدہ کا خیال نہیں ہے۔ اچھا خادر۔ جیسی تمھاری مرضی۔!

ان کی مایوسی جانگسل تھی۔ ڈاکٹر کی اجازت سے خادر نے یوسف کو گھر پہنچانے کا انتظام کرلیا۔ ! اور جب وہ گھر پہونچے۔ تب۔

ایک زندہ لاش کی طرح انھیں پلنگ پر ڈال دیا گیا۔

"بھیا۔!" زبیدہ کے لبوں سے عجیب سے لہجے میں نکلا! اور وہ اپنے بھائی کے قدموں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔!

سب پر گہری تھکن طاری تھی۔!

بھیا" زبیدہ کا دل خون بن کر آنکھوں سے بہنے لگا۔" بھیا۔ میں تو خوش ہو رہی تھی کہ آپ اچھے ہو کر گھر آ گئے۔ میں نے آپ کے لئے گھر صاف کیا تھا آپ کے لئے کھیر بھی پکائی تھی۔ بھیا آپ اچھے کیوں نہ ہو گئے۔ بھیا اس طرح آنکھیں بند نہ کیجیئے۔ کچھ بولیئے۔ کہئے میرے بھیا۔ کہاں درد ہے کہاں تکلیف ہے۔

بھیا۔ بھیا۔۔۔۔۔"

زبیدہ۔ یہ تم کیا کر رہی ہو۔" خاور کے آنسو بہہ رہے تھے۔

زبیدہ۔ آؤ۔ میرے سینے سے لگ جاؤ" یوسف کی آواز اندھے کنوئیں سے ابھری" آہ۔ میں تمہیں چھوڑے جا رہا ہوں بہن زبیدہ۔ اپنے بھائی کو معاف کر دینا وہ کچھ بھی نہ کر سکا تمہارے لیئے۔

یوسف سسک سسک کر رونے لگے۔!

وہاں صف ماتم بچھ گئی۔

گریہ وزاری نے یوسف پر نہایت مہلک اثر کیا۔ ان کی سانسیں ٹوٹنے لگیں اور تب وہ زیادہ بے تاب ہو گئے۔

انھوں نے تڑپ کر خاور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ہانپتے ہوئے بولے" خاور۔ تم نے میرا بہت ساتھ دیا تھا۔ میں تمہارے احسانوں کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتا!۔ ایک۔ ایک احسان مجھ پر۔ اور کر دو۔ میرے بھائی۔ زبیدہ۔ زبیدہ کا ہاتھ تھام لو۔ اگر اس کو اس بھری دنیا میں تنہا چھوڑ جاؤں گا۔ تو میری روح آسمان پر۔ نہیں یہ ہو نہ سکے گی بھیا۔ دنیا میں بھٹکتی پھرا کرے گی۔ خاور۔ میری التجا ہے۔

اب دھندلا رہی ہیں۔ میرے کانوں میں ہوا گونج رہی ہے۔ خاور۔ رحم کر مجھ پر۔ رحم کرو۔!"

بھیا۔ بھیا۔ زبیدہ کی لرزہ خیز زہرہ گداز چیخیں در و بام کو ہلائے دیتی تھیں خاور سکتے میں تھے۔ دم بخود۔ حواس باختہ۔ انھوں نے کبھی کسی کو موت اتنے قریب سے نہیں دیکھی تھی۔! ان کا دماغ گھوم رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کرنا چاہیئے تھا۔ ادھر موت۔ یوسف کے بہت پاس آ چکی تھی۔ لیکن ان کا دم رکا ہوا تھا۔ ان کی پتھرائی ہوئی آنکھیں باری باری خاور اور زبیدہ پر پڑ رہی تھیں۔

وفور جذبات سے مغلوب ہو کر خاور یوسف سے لپٹ گئے۔ "میرے دوست نہ گھبراؤ۔ میں زبیدہ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔! اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔!"

اور اس وقت ان کا دل کائنات سے زیادہ وسیع، سمندروں سے زیادہ گہرا اور آسمان کی بلندیوں سے زیادہ بلند ہو گیا۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر انھوں نے کہا۔

میں تمھارے سکون و قرار کا سامان کرتا ہوں یوسف۔! بتاؤ۔ میں کیا کروں!"

خاور۔ خاور۔ اپنے مرتے ہوئے دوست کی۔ آخری خواہش پوری کر دو۔ میری بے نور۔ آنکھوں کے سامنے۔ زبیدہ سے نکاح کر لو۔ پھر۔ میں۔ میں اطمینان سے دنیا چھوڑ دوں۔"

خاور کے ذہن سے اپنی شادی کا ہنگامہ بالکل محو ہو گیا تھا۔ بدحواسی نے ان پر اس درجہ غلبہ پا لیا تھا کہ نہ انھیں مستقبل کا احساس رہ گیا تھا نہ انجام کا۔ وہ۔ راضی ہو گئے۔

یوسف کی خیریت پوچھنے کے لیے کئی محلے والے آئے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب جا کر قاضی کو بلا لائے۔ اور محلے کے معمر و بزرگ حضرات کی موجودگی اور

گواہی میں خاور کا نکاح زبیدہ سے ہو گیا۔ چہ میگوئیاں کی بھنبھناہٹ سی گونجی۔ اور اس گومگی سرگوشی میں کسی نے چیخ کر کہا۔" ارے یوسف بھیا کو دیکھو۔ کیسے ہو رہے جا رہے ہیں۔ ہے۔"

خاور یوسف پر جھکے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر لب ہل کر رہ گئے۔ خاور نے ان کے سر در سہا وا اپنے لرزتے کانپتے ہاتھوں میں تھام لیے اور گلوگیر آواز میں بولے

"یوسف تم سن رہے ہو۔ میں نے تمھاری خواہش پوری کر دی۔ زبیدہ سے نکاح کر لیا۔ میں اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ یوسف۔ یوسف۔"

مگر یوسف کہاں۔ ان کی آنکھیں اپنے دوست کے چہرے پر جم کر رہ گئیں اور طائرِ روح صباد اجل لے گیا۔!

تھر تھر کانپتی ہوئی زبیدہ ایک طرف لڑھک کر بے ہوش ہو گئی۔ خاور کے سینے سے گہری سانس نکلی۔ انھوں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے یوسف کی آنکھیں بند کر دیں۔ اور سر سے پاؤں تک چادر اڑھا دی۔!!

پھر وہ بھی اپنے آنسو پونچھنے لگے۔!

محلے والے جو ایسے وقتوں پر ہمیشہ کام آتے ہیں۔ وہ یوسف کے آخری رسوم کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ہمسائے کی بڑھیا زبیدہ کے سنبھالنے میں لگ گئیں۔!

قطرہ قطرہ وقت کا موم پگھلتا رہا۔!

سائے بڑھنے لگے۔ روح فرسا سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ بے آواز لوگ مشینوں کی طرح متحرک تھے۔ جلدی جلدی سارا انتظام کیا گیا اور مغرب کے وقت یوسف کا جنازہ اٹھا۔ خاور بھی محلے والوں کے ہمراہ جنازے کے ساتھ چلے گئے۔ برسات کے موسم کا آغاز تھا۔ آسمان مٹیالے بادلوں سے گھرا ہوا تھا پانی کی

مہک میں بسی بوجھل ہوائیں کسی طرف سے آتیں اور ایک ناگوار تاثر چھوڑ جاتیں۔

زبیدہ مبہوت اور ششدر اپنی چنچی پر بیٹھی تھی۔ ہر قسم کے احساسات سے یکسر عاری پتھر کے مجسمہ کی طرح۔ اس کے ارد گرد کافور، عطر اور لوبان کی ہولناک خوشبوئیں منجمد تھیں۔ رہ رہ کر اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

اس کے آنسو ختم ہو چکے تھے؟ بس خشک آہیں اس کے سینے سے ابھر رہی تھیں۔ دماغ میں گزرے ہوئے وحشت ناک دن کی ساری غمگین چہل پہل جوں کی توں تازہ تھی اب مجھے بھیا کے بغیر رہنا ہے۔ اس نے ایک سسکی لی۔ اور مڑ کر اس بستر کو دیکھنے لگی۔ جس پر سے اب کوئی درد آلود کراہ نہیں ابھر رہی تھی۔ کوئی وجود وہاں نہیں تھا۔ یوسف کی پوری زندگی اس کے سامنے آئینہ تھی۔ کشاکش، کرب و اضطراب درد و اندوہ سے معمور اپاہج اور معذور زندگی۔ ان کی وہ شکل اسے تڑپا رہی تھی جس پر بے بسی منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کا شکستہ بازو جس کی آستین جھولتی رہ جاتی تھی۔!

وہ بے آواز رونے لگی۔!

ہمسائی بڑی بی ایک طرف بیٹھی اکتائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور منتظر تھیں کہ مرد قبرستان سے واپس آئیں تو وہ بھی اپنے گھر سدھاریں۔

دفعتہً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

زبیدہ چونک کر بولی "اب کون آیا ہے خالہ۔!"

دیکھتی ہوں بیٹی" وہ کراہ کر اٹھیں اور دروازے سے باہر جھانکا۔ ایک بڑے مہذب، سنجیدہ اور خوش پوش صاحب کھڑے دکھائی دئے۔!

کون ہیں میاں آپ؟" بڑی بی نے پوچھا۔

یوسف صاحب اسی مکان میں رہتے ہیں" نووارد نے پوچھا۔

ہاں بھیا۔ رہتے تھے۔! وہ آہ بھر کر بولیں۔

رہتے تھے۔ کیا مطلب ؟۔

بھیا آج ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ جنازہ قبرستان گیا ہے۔ دیر نہیں ہوئی۔ کیا آپ ان کے ملنے والے ہیں۔

انتقال ہو گیا" مظفر صاحب نے سخت ترین کشمکش میں اپنے ہونٹ چبائے پھر بولے" آپ کو کچھ علم ہے یوسف صاحب کا دوست خاور کہاں ہے۔ کیا وہ ۔!"

بیٹے کیا میں خاور میاں کو نہیں جانتی۔ تو اور سنو۔ ارے وہی تو یوسف کے پیچھے اپنا آپ کھوئے پھر رہے تھے۔ انھیں نے تو یوسف بیچارے کی دکھ بیماری میں اتنا سب کیا۔ مرتے ہوئے دوست کی خواہش پر اس کی بے یار و مددگار بہن سے نکاح تک کر لیا۔ اس زمانے میں دوستی کی ایسی مثال ملتی کہاں ہے۔ ان کی بیوی زبیدہ گھر میں بیٹھی ہے۔ کہو تو اس سے ملوا دوں۔ خاور میاں تو جنازے کے ساتھ قبرستان گئے ہیں۔ نہ معلوم کب واپس آئیں گے۔

مظفر نے حیرت سے پوچھا" نکاح کر لیا ؟ کس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

اے بھیا۔ ساری رام کتھا تمھیں سنا تو دی" بڑی بی بولیں" یوسف کے بعد ان کا بہن زبیدہ کا دنیا میں کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں تھا۔ خاور میاں نے زبیدہ سے نکاح کر لیا۔"

مظفر کے دماغ میں بم پھٹنے لگے یا خدا کی پناہ۔ ادھر گھر پر شادی کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ بارات جم چکی اب صرف نوشاہ کا انتظار تھا۔ جب اس کے آنے میں دیر لگی تو مظفر ہی گھر سے نکلے تھے اور گھنٹے بھر کی تلاش کے بعد سیکڑوں دروازوں سے ماتھا ٹکراتے بالآخر یوسف کا پتہ پایا تھا۔!! مگر۔ اب ان کے حواس مفلوج ہو رہے تھے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے۔ تو پھر۔ کیا حشر ہوگا ان کے خاندان کی عزت آبرو کا۔ خاور نے سب کی ناکیں جڑ سے صاف کر دی تھیں۔

یہ منظفر کو خبر نہ تھی کہ خاور کی سرکشی اور خودرائی اس حد تک بڑھ چکی تھی۔! وہ دم بخود کھڑے رہے۔

"آؤ بھیا! اندر بیٹھو۔ تم کون ہو۔ خاور سے کیا کام ہے؟" بڑی بی نے کہا منظفر نے کھانس کر گلا صاف کیا! اور بولے "خاور آجائے تو اس سے کہئے کہ گھر پر اسے فوراً بلایا گیا ہے۔! دیر نہ کرے۔ فوراً چلا آئے۔!

کیا جائے گا وہ غم زدہ، دکھیا بیوی کو اکیلا چھوڑ کے۔۔!"

منظفر نے خون کے گھونٹ پئے۔! اور بوجھل قدموں سے واپس چلے گئے۔!

اختر صاحب پر اس خبر وحشت اثر نے بیک وقت یرقان اور دماغ کے رد عمل کا کام کیا۔ دفعتہً ان کی قوت گویائی ہی سلب ہو گئی۔!

باپ بیٹے کی خفیہ کانفرنس میں بڑی رازداری سے اماں کو شامل کیا گیا۔! ان کا حال اور بدتر ہوا پیشانی پیٹ کر رہ بولیں۔ ہائے یہ نامراد پاپی نے کیا کیا؟۔ ارے میں اب سب کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ مہمان پہلے ہی دولہا کی غیر موجودگی پر کھسر پھسر کر رہے ہیں۔ ہائے میں تو زہر کھا کر سو جاؤں گی۔ وہ بلبلا کر رو پڑیں۔

مجھے پتہ نہیں مردود کون سے قبرستان میں دفن ہونے گیا ہے"۔ منظفر بولے۔ جوش غضب میں ان کا لہجہ آگ ہو رہا تھا" میں بجدا اسے وہاں سے گھسیٹ لاتا سمجھ میں نہیں آتا کیا ہو گا۔؟"

"عقل چکر میں ہے"۔ اختر صاحب پیٹھ کے پیچھے ہاتھ باندھے ترنائے سے ٹہلنے لگے۔ "میں سوچتا ہی رہتا تھا کہ خبیث کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گا۔ آخر کھلایا۔ ارے اس صورت حرام کو گندی نالی میں ناک دینی ہی تھی تو شادی پر رضامند کیوں ہوا تھا۔؟ میں یہ رسوائی اور جگ ہنسائی کا سامان کیوں کرتا۔؟ افسوس افسوس ہم سب کو سنکھیا پھانک کے سو رہنے کی ضرورت ہے۔ آہ۔ ناشدنی پھانس بار

ارے مظفر بیٹے۔ میاں۔ خدا کے لئے کچھ کرو۔ میرا دل نہ رک جائے۔!

صبر سے کام لیجئے اماجان" مظفر کے پاس تسلیوں کے سوا اور کیا تھا۔ "میں بڑھیا سے کہہ آیا ہوں کہ فوراً گھر بھجوا دے! آتا ہوگا۔ ا

اسے ہماری نیک نامی کا کیا پاس ہے میاں" اختر صاحب نے کہا۔ "اگر واقعی اس نے نکاح کر لیا ہے تو ہرگز نہ آئے گا۔ ایسا سعادت مند نہیں ہے کہ میرے یا تمہارے حکم پر دوڑا چلا آئے"۔

ہائے میں بہن کو کیا جواب دوں گی۔" اماں کا حال ناگفتہ بہ تھا۔ "ارے وہاں تو لڑکی دلہن بنی بیٹھی ہوگی۔ مہمانوں سے گھر چھلک رہا ہوگا۔ سب کو بارات کا انتظار ہوگا شادی نہ ہوئی تو بہن ان مہمانوں سے کیا کہیں گی۔ کس وجہ سے شادی نہ ہوئی۔ ناک نہ کٹے گی ان کی۔ فاخرہ پر بڑی بھاری بدنامی آئے گی۔ ارے لوگو۔ میں کہیں کی نہ رہی۔ خاور نے کیا شدید دھوکا دیا ہے۔"

ایک ایک منٹ پہاڑ بن کر گزرتا رہا۔ مہمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑنے لگی لوگ اختر صاحب یا مظفر کو باہر بلا رہے تھے۔ عورتوں میں عجیب سی پراسرار سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں۔ کیا لڑکے کو علم نہ تھا آج اس کا بیاہ ہے۔ کیا لڑکا بیاہ پر راضی نہ تھا۔ کیا ان لوگوں نے ہونے والے سمدھیانے سے کوئی پرانی دشمنی نکالی ہے۔ یہ باپ اور بھائی اور اماں جان کہاں منہ چھپا کے بیٹھ رہے ہیں ہے ہے۔ ایسی شادی تو نہ دیکھی نہ سنی۔

بھابی کو خبر لگی۔ دل تھام کے دوڑیں۔ انھیں بھی اس ہیبتناک راز میں شریک کیا گیا۔ سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کے آنکھیں پھاڑ کے اور منہ کھول کے انھوں نے کہا۔ "خاور نے یوسف کی بہن سے نکاح کر لیا۔ آج ہی کے دن؟ ہائے میرے خدا یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ اب میری فاخرہ کا کیا ہوگا۔؟ یہ بدنامی وہ کیونکر سہہ سکے گی

تینوں ناقابل برداشت شرمندگی سے ایک دوسرے سے نظریں چار کرتے جھجکنے لگے ۔! پھر اختر صاحب نے بہ مشکل کہا "گھبراؤ نہیں۔ دلہن۔ بلایا ہے آتا ہوگا۔!

اب آکر کیا کرے گا" بھابی کے بین زمین آسمان میں تہلکہ ڈال رہے تھے کیا وہ فاخرہ سے بیاہ کرے گا۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔!"

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ ان کا اضطراب ترقی کرتا گیا۔ مہمانوں سے اختر صاحب نے فی البدیہہ بہانہ بنادیا کہ خاور کسی ضروری کام سے شہر سے باہر گئے تھے ان کی ٹرین لیٹ ہوگئی۔ مگر تار آیا ہے کہ وہ بس سے آرہے ہیں" یہ کیسے کہہ دیتے کہ دولہا قبرستان میں ہے۔ وہ دوست کی تدفین کے بعد سید ھا مسند پر آبیٹھے گا۔!

کسی نے یقین کیا کسی نے نہ کیا۔ اماں اور بھابی اپنی پھٹکار برستی شکلیں خواتین سے کیسے چھپاتیں۔ اختر صاحب اور مظفر اپنی پریشانی پر کتنی خوشمزاجی کے نقاب ڈالتے لمحہ بہ لمحہ ان کا اضطراب ترقی پر تھا۔ اگر خاور نہیں آئے۔ تب؟۔ اور پھر ان کے سامنے ایک ہیبت ناک سوالیہ نشان آکھڑا ہوتا۔!

اور ان کا اندیشہ غلط نہیں نکلا۔!

انھیں بڑی شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

خاور نہیں آئے،

وقت گزرتا گیا۔

مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ عجیب عجیب آوازے ابھرے۔ حقارت آمیز قہقہے لگائے گئے الزام۔ بہتان، غلط فہمیاں، کیا کچھ ان لوگوں کے نصیب میں نہ آیا۔ اختر صاحب منہ چھپا کر اندر جا بیٹھے۔ مظفر ایک ایک کے سامنے

ہکلاتے رہ گئے۔ وہاں پر غشی کا عالم طاری تھا! بھابی بے تکان ملاحیاں اڑا رہی تھیں کوئی گالی، بددعا اور کوسنا ایسا نہ تھا جو خاور کو نہ دیا جا رہا ہو۔

سمدھیانے میں خبر پہونچی۔ نمک مرچ کے ساتھ پہونچی کہ خاور نے عین اپنی شادی کے دن اپنے دوست کی بہن سے نکاح کر لیا تھا۔ فاخرہ کے والد اور بھائی اختر صاحب سے بازپرس کرنے آئے۔ ان کی ایک نہ سنی گئی۔ انھیں خوب برا بھلا کہا۔ عزیزہ کے شوہر جو اپنی سسرال کے بہی خواہ نہ تھے انھوں نے خوب لگائی بجھائی کی۔ اور وہ معاملہ جو سدھر جاتا انھوں نے اپنی کوششوں سے اور بگاڑ دیا۔

اور پھر ان سب کو ایک ناقابل برداشت صدمہ سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ فاخرہ اپنی بدنامی رسوائی برداشت نہ کر سکی۔ وہ دلہن بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کی تقدیر میں وداعی نہ تھی۔ لوگ اس پر بھی انگلیاں اٹھا رہے تھے۔! دنیا بھر کی ہاہاکار سے گھبرا کر اس نے اپنی انگوٹھی کا ہیرا نگل لیا۔

اور اس طرح ایک بن بیاہی دلہن کی رخصتی کا سفر قبر کے کنارے پہونچ کر ختم ہو گیا۔ ان سب پر بدحواسی طاری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات کی ساری لعنتیں مصیبتیں اور عذاب ان ہی سب پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ سب کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ جیسے ان ہی سے کوئی بڑا جرم کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے۔

نڈھال اور نیم مردہ ادھر ادھر بیٹھے تھے۔ صورت حال پر تبصرہ بھی کرتے بن نہ پڑتا تھا اتنے میں دفعتہً دروازے میں خاور نظر آئے!۔

تباہ حال شکستہ زیر مردہ۔ اجڑے ہوئے سے۔ لباس میلا ملگجا سا۔ بال پریشان چہرے پر کئی دن کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ چہرہ فق۔ انداز چوروں کے سے۔!

انھیں بخوبی احساس تھا کہ کوئی قیامت ان پر قطعی ٹوٹے گی !۔ انھوں نے ناقابل معافی جرم کیا تھا۔ اور ان کے اندازہ کے مطابق روز محشر اپنی تمام قہر سامانیوں سمیت ان پر ٹوٹتا۔"

ان لوگوں نے سوچا کہ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نکلتا ہے تو پھر انگلیاں ٹیڑھی کرنے سے کیا فائدہ۔ جو انقلاب آچکا تھا وہ کسی سخت گیری سے ختم نہ ہو سکتا تھا اب تو اختر صاحب کا منشا تھا کہ کسی طرح خاور کو مجبور کر کے ایک غیر کفو کی لڑکی کو طلاق دلوائی جائے۔ حالانکہ انھیں طیش بڑا زبردست تھا۔ مظفر پر خون سوار تھا۔ اماں سر تا پا آگ تھیں۔ مگر وہ ضبط کر رہے تھے کہیں خاور کو بھی نہ سخت کر دے۔!

اب صورت دکھائی ہے کمینے۔" اماں نے دانت پیس کر کہا۔"جب خاندان کی عزت پر پانی پھیر دیا۔ اور ایک بے گناہ معصوم کی جان لے لی۔!"

خاور خاموش رہے۔ مجھے بات کرنے دو۔! اختر صاحب نے فرمایا۔ اور خاور کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولے۔"کل کون سا ابلیس تم پر حادی ہو گیا تھا۔ نہ اپنی شکل دکھائی اور نہ یہ سوچا کہ شادی کا گھر ہے۔ کیسی شدید بدنامیاں ہم پر آئیں گی۔ نہ یہ خیال آیا کہ کم از کم رات ہی کو آکے مرے ہوتے!۔" انھوں نے حتی الامکان لہجہ نرم رکھا تھا۔!

خاور کھڑے تھے۔ شدید ترین غم سے کچلے ہوئے۔ برباد۔ ان پر ترس آ سکتا تھا مگر ماں باپ اور بہن بھائی نے ان سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔

میں بھی مجبور تھا۔ ابا جان۔" خاور نے جیسے درد سے کراہتے ہوئے کہا "کیا کرتا میں یوسف کا انتقال ہوگیا۔ اس کے پاس کون تھا میرے سوا۔ کیا میں اس کی لاش کو سڑنے کے لئے چھوڑ کر شادی رچاتا۔ آپ کو تو سارے واقعات کا علم تھا آپ تاریخ بڑھا سکتے تھے۔!"

مجھ پر اگر وحی نازل ہوتی کہ کل ہی اس بدبخت کو جہنم داخل ہونا ہے تو ضرور تاریخ آگے بڑھا دیتا۔" اختر صاحب کا لہجہ تپنے لگا۔ "مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ہماری مسلسل تاکید کے باوجود تم نے روابط اتنے مستقل رکھے ہی کیوں تھے کہ تم کو آخر کار اس کی موت تک مصروف رہنا پڑا۔ لاش بہر حال پڑی نہ رہتی۔ وہ ٹھکانے لگتی۔ لاوارث شعبہ میں چلی جاتی مگر تم نے اپنے اعمال بد کے سلسلہ میں ہماری ناکیں جو جڑ سے کاٹی ہیں۔ اس کا اب کیا تدارک ہوگا۔؟"

خاندانوں میں دشمنی بڑھ جائے گی۔" مظفر نے ٹکڑا لگایا۔ "تمھیں غالباً پتہ نہیں ہے کہ فاخرہ نے خودکشی کرلی۔ اس کے گھر میں قیامت مچی ہے۔ یہ ہنگامہ ختم ہو جائے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ خالو جان ہم پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیں۔ تب ہم کہاں ہوں گے۔؟

یوسف کی موت کو بھی میں کیسے روکتا بھائی صاحب۔" خاور نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رحم طلب انداز میں جواب دیا۔ "آپ نہیں جانتے۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا تمھارے سوا؟؟" بڑے طنز سے مظفر نے کہا۔

ارے ناشاد کلمو ہے۔ یہ تو بتا کہ تو نے نکاح کس سے کرلیا۔" اماں جو دیر سے صبر کیے بیٹھی تھیں۔ دفعتہً پھٹ پڑیں۔ اور آگے بڑھ کر ایک ایسا دو ہتڑ ان کی پیٹھ پر رسید کیا کہ خاور آگے منھ کے بل گرتے گرتے بچے اور دفعتہً ان پر بھی آندھی طوفان کی طرح غصہ چڑھ گیا۔ یہ لوگ کسی قسم کی رعایت پر آمادہ نہیں

ان سے انسانیت کی توقع رکھنا بیکار ہے۔ رحم و مروت کا ان کے دلوں میں گزر نہیں
لہذا جیسے کو تیسا۔ ماں باپ کا احترام بھائی کا لحاظ ان کے دل سے اٹھ گیا۔ لہذا
بڑے جارحانہ لہجے میں انھوں نے کہا۔

"ہاں میں نے نکاح کر لیا۔ یوسف کی بہن زبیدہ سے۔ اب وہ میری بیوی ہے
وہ مجھے پسند ہے۔ میں یہ اطلاع دینے آیا تھا۔ اب جا رہا ہوں۔!"

کہاں جا رہا ہے ذلیل کمینے۔ تو جا ہی کہاں سکتا ہے۔" اماں بولیں "قدم دہلیز
کے پار رکھا تو زندہ دفن کر دوں گی۔ اب تک من مانی کرتا رہا ہے۔ اپنے سامنے
کسی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھا!۔ برے اعمال کو ہم نے صبر کیا کہ ابھی عقل نہیں آئی ہے
مگر برے افعال کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ سن او شیطان۔ کان کھول کر سن میرے
حکم سے تجھے اس حرافہ کو طلاق دینا ہے۔ میں نہیں سہہ سکتی۔ اس کا ناپاک وجود اپنے
گھر میں۔ ہم کھرے سید۔ اور وہ موئی جار دیدہ فاحشہ پٹھان زادی"

اماں آپ اپنی زبان قابو میں رکھیے" خاور آئیں تو جائیں کہاں "جتنی صلواتیں
آپ نے اسے سنائی ہیں۔ وہ خدا کی نظروں میں گناہ ہے۔ وہ بالکل اسی طرح پاک
اور معصوم ہے جیسی آپ کی بیٹی۔ اسے حرافہ اور فاحشہ کہہ کے آپ اپنے گناہوں میں
اضافہ مت کیجیے۔ ... وہ میری بیوی ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے
طلاق نہیں دلوا سکتی۔ بس میں نے کہہ دیا۔"

سن رہے ہیں آپ"۔ اماں نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا" میں اپنے گناہوں
میں اضافہ کر رہی ہوں۔ اس موئے بدزبان صورت حرام نے میرے گناہ دیکھ رکھے
ہیں۔!"

اختر صاحب کا آتش فشاں بڑے دھماکے سے پھٹ پڑا۔ ان کے ہاتھ کے
زبردست تھپڑ نے خاور کو زمین پر گرا دیا۔ اور پھر اختر صاحب نے انھیں اٹھنے کا موقع

نہیں دیا۔ دیوانے ہو چکے تھے۔ اور اگلی پچھلی ساری کسر نکال لینا چاہتے تھے۔!

مظفران کا ہاتھ تھام رہے تھے۔ اماں بڑھاوا دے رہی تھیں۔!

"زندہ مت چھوڑنا بدبخت کو۔ خدا غارت کرے اسے۔ جوانی کا مردہ نکلے۔ دنیا کی کوئی خوشی نابکار کو نصیب نہ ہو۔ جیسا میرا سکون ستیاناس کیا ہے۔ اللہ اس کا قرار چھین لے۔ کہہ رہا ہے کہ گناہوں میں اضافہ مت کیجئے۔ اسکی زبان میں لوکا لگے۔ ناشاد جیئے۔ ناشاد مرے۔ صورت حرام۔ خبیث کہیں کا۔ ناک کٹا دی سب کی معصوم کی جان لی۔ ارے گناہ گار بدکار یہ ہے کہ میں۔؟"

شاید اختر صاحب اور مظفر مل کے خاور کو سچ مچ مار ڈالتے۔ اتنے میں عزیزہ کے شوہر مقصود میاں اتفاقاً "آ گئے"! گھر میں حشر بپا دیکھ کے بے چارے جھپٹے۔ اور دونوں جلادوں کے پنجے سے خاور کو آزاد کرایا۔! اور ان دونوں کا بدلہ اپنی بیوی سے لیا۔ انھیں خوب پھٹکارا۔ خاور کو وہ ان کی گستاخی اور تیزی کی وجہ سے بے حد پسند کرتے تھے۔ اپنے خسر محترم اور سالے صاحب کا رویہ ان کی آن بان بے جا غرور اور اکڑ فوں انھیں اچھی نہیں لگتی تھی۔! لہٰذا انھوں نے بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے سسر اور سالے کا خوب دل دکھایا۔" خاور کو سمجھا بجھا کے بولے۔" اچھا میاں۔ اب تم جاؤ۔ جب ذرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تمھارے بزرگوں کا تو۔ پھر یکسوئی سے بات کرنا۔ فی الحال سب کے دماغ گرم ہیں۔ ایسے میں معقول گفتگو ناممکن ہے۔

خاور کا یہ حال تھا کہ غصے کے مارے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں۔ انفاس سے شعلے نکل رہے تھے۔ احترام کے مارے انھوں نے باپ اور بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور خاموشی سے مار کھائی تھی!۔ لیکن اب۔ نفرت و حقارت سے زمین پر تھوک کر انھوں نے کہا:" اب اس گھر میں آنا کسے ہے مقصود بھائی میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے عزیز اقارب پر۔ انسانیت کے درجے سے گری

ہوئی مخلوق کو میں اپنے ماں باپ کہتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں۔ ان سے مجھے اب کوئی بات کبھی کرنی نہیں ہے۔ شاید یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے فعل کی ان سے معافی مانگوں گا۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس پر مجھے ندامت ہو۔ مجھے آپ سے صرف یہ کہنا ہے کہ میں زبیدہ سے علیحدگی کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ میں اس گھر سے جارہا ہوں۔ کوئی ناطہ یہاں سے میرا باقی نہیں رہا خداحافظ!"

"میاں سنو تو۔ بھائی ایسا بھی کیا۔" مقصود میاں کہتے رہ گئے۔

"خبردار خبردار۔ پھر اپنی ناپاک شکل نہ دکھانا۔" اختر صاحب دہاڑے۔ "اور نہ میری دکان پر قدم رکھنا۔ میں تجھ ایسے ناہنجار کا چہرہ دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا"

"جا کمینے۔ بدتمیز۔ نکل جا میرے گھر سے۔ جاکے اپنے دوغلے بچے پیدا کر دفعان ہوجا۔" اماں بولیں۔

خاور نے ایک دھاردار نگاہ اپنی سنگدل والدہ پر ڈالی۔ اور پلٹ کر گھر سے چلے گئے۔ گھر کو پھر ایک بلیغ سناٹے نے نگل لیا۔ سب اپنی اپنی جگہ کھنچے ہوئے تھے۔ پے در پے حادثوں نے ان کے ذہنوں کو اس قدر ماؤف کردیا تھا کہ اچھی بات سمجھ میں آتی ہی نہ تھی۔ اختر صاحب شمشیر برہنہ۔ مظفر صاحب برہم۔ اماں غضبناک، عزیزہ گریہ کناں۔ عجیب منظر تھا۔

خاور جب اپنے نئے گھر پہنچے تو بڑے بدحال ہو رہے تھے۔ لباس پر جابجا مٹی کے داغ لگے ہوئے۔ چہرہ متورم۔ ہونٹ چھلا ہوا۔

زبیدہ نل کے پاس بیٹھی برتن دھو رہی تھی۔ اس پر بیک وقت انتہائی غم اور انتہائی مسرت آپڑی تھی۔ اس سے نہ وہ برداشت کیا گیا نہ یہ۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ بھیا کی ابدی جدائی پر روئے یا خاور کی دائمی وابستگی پر خوش ہو۔ غم سے وہ گھبرائی

خوشی سے پریشان ہوئی اور پھر دونوں جذبوں میں سمجھوتہ کر کے پہلے کی سی ہو گئی۔ بے حد سیدھی سادی۔ انتہائی بھولی بھالی۔ جس پر پیار آئے۔ جسے پہلی نگاہ میں چاہا جائے خاور کو دیکھ کر وہ ڈوپٹہ میں ہاتھ پونچھتی ہوئی کھڑی ہو گئی!۔ اور حیرت سے انھیں تکنے لگی۔ بڑی مشکل سے اس کے لبوں سے نکلا۔

"آپ کو کیا ہوا؟"

جواب میں خاور نے باہیں پھیلا دیں: "آؤ، زبیدہ۔ میرے سینے سے لگ جاؤ کچھ تو میرے اندر بھڑکتا ہوا جہنم سرد ہو۔!"

زبیدہ شرماتی رکتی جھجکتی آگے بڑھی اور ان کی کھلی باہوں میں سما گئی۔ خاور نے جھک کر اس کی سونی مانگ پر اپنے لب رکھ دئے اور پھر ان کا دل بھر آیا۔ دفعتہً پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

پہلے پہل خاور کو خوش گمانی تھی کہ شاید اختر صاحب اپنی زیادتی محسوس کریں یا مظفر کو اپنے نازیبا ظلم کے تدارک کا خیال آئے اور دونوں میں سے کوئی ایک انھیں بلانے آئے۔ شاید اماں ہی زبیدہ کو قبول کر لیں۔ مگر ان کا اندازہ قطعی غلط نکلا۔ کسی نے انھیں بھولے سے بھی یاد نہ کیا۔

کچھ مہینے ان کے بڑے آرام سے کٹ گئے۔ زبیدہ نے ان کی بیکار خشک زندگی میں اپنی محبت کے لالے کھلا دئے تھے۔ اتنی محبت کرتی تھی کہ اسے خود بھی اظہار محبت کا طریقہ نہ آتا تھا۔ خاور کی تو وہ زندگی تھی۔ زندگی کی دلچسپی تھی۔ دنیا مافیہا سے بے خبر دونوں اپنی چھوٹی سی جنت میں ہر طرح آسودہ تھے۔!

اور پھر آہستہ آہستہ ایک تاریک بادل ان کی طرف بڑھا۔

خاور کے پاس جو تھوڑا سا اندوختہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ اتنے مہینوں سے انھوں نے اپنے باپ کے جنرل اسٹور پر قدم نہ رکھا تھا۔ اور نہ دوبارہ وہاں جانا چاہتے

تھے۔ گر زبیر کے لیے کچھ کرنا ضروری تھا۔ ان کے افکار پر غبار منڈلانے لگا۔ بے بسی احساس بے چارگی کا غبار۔ کوئی مددگار اور غمگسار نہ تھا۔ زبیدہ سے کچھ کہنا لاحاصل۔ وہ کیا کرتی۔! لیکن ایک روز انھیں فکرمند اور پریشان دیکھ کر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"مجھے نہیں بتائیے گا۔ آپ کیا سوچا کرتے ہیں۔ کیا میں کچھ نہیں کر سکتی آپ کے لیے؟"

"نہیں زبیدہ! ایسی کوئی بات نہیں" خاور نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔ "وہم ہے تمھارا۔"

"کل رات میری آنکھ کھل گئی تھی آپ کو میں نے ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ کہئے نا۔ کیا پریشانی ہے۔" اس نے اصرار کیا۔ "میں آپ کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوں۔ کیا مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ میری وجہ سے آپ نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ ماں باپ سے جدا ہوئے ہیں۔ اگر میں آپ کی زندگی میں نہ آئی ہوتی تو آج آپ کتنے خوش و خرم اپنے لوگوں میں زندگی گزار رہے ہوتے۔"

"بہت لمبی چوڑی تقریر کرنے لگی ہو۔! کب سے سیکھ لیا ہے یہ فن؟" خاور ہنسنے لگے۔!

"کہتی تو سچ ہوں۔ آپ مذاق میں ٹال دیجیے۔ یہ بات اور ہے۔"

"زبیدہ۔ آدمی اپنی مرضی کے مطابق جینا چاہتا ہے" خاور بولے "وہ حیات بڑی گراں بار ہو جاتی ہے جو زبردستی اس پر لاد دی جاتی ہے۔ میں نے اس طرز حیات کو نہیں اپنایا۔ اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ چن لی ہے۔ میرے والدین کو میری خودرائی گوارہ نہ ہوئی۔ ہمارے راستے الگ تھے۔ ہم حسب منشا ہم سفر نہ ہو سکے۔! اس میں میری خطا ہے؟"

"مگر وہ لوگ یہ تو سوچتے ہوں گے کہ صرف میری وجہ سے آپ نے یہ راہ اپنائی ہے۔ آپ کو ان کا حکم ہر حال میں ماننا تھا۔!"

اور تمھاری محبت کو کیا کرتا۔؟

"وہ رہتی آپ کے دل میں!"

میں اس غیر مرئی محبت کا قائل نہیں۔ جو صرف دل میں رہے۔ میں محبت کے پیکر محسوس کو چھونا بھی چاہتا ہوں۔ سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ اسے پیار کرنا چاہتا ہوں محبت کی اس آلودگی کے حصول کی خاطر میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں زبیدہ اور تم نے دیکھا ہے کہ میں نے دنیا چھوڑ بھی دی بس تمھارا ہو کر رہ گیا ہوں۔"

تو پھر کہیے اپنی اداسی کی وجہ!"

پھر وہی مرغ کی ایک ٹانگ؟؟ وہ جھوٹ موٹ جھلا گئے۔

"کھانا نہیں پکاؤں گی جب تک کہ آپ کہہ نہ دیں گے۔!"

"اور یار۔ بھوکا نہ مار دینا۔" خاور کراہے۔" پیچھے پڑ جاتی ہو۔ ضدی ہو گئی ہو بھائی۔ جو بات تم سننا چاہتی ہو۔ اسے سن کر کچھ کر نہیں سکتیں۔

آپ سنائیے تو!"

دو لمحوں تک وہ چپ رہے۔ پھر بولے:" زبیدہ سنو۔ میں تمھیں پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اب تم اصرار ہی کر رہی ہو تو۔ یہ تو تمھیں پتہ ہے کہ والد صاحب قبلہ نے سزا کے طور پر مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کی دوکان پر قدم نہ رکھوں۔ میں نے رکھا بھی نہیں۔ اور میں سے میں۔ روپئے پیسے لے آتا تھا۔ مگر اب اخراجات کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ دو تین جگہ بہت اچھی ملازمت مل رہی تھی۔ بھائی صاحب کی ضد میں نہ کی۔ اب وہ کام آتی۔! بس ایسی سب کچھ سوچ رہا ہوں۔ دو چار دن ٹھیک گزریں گے۔ اس کے بعد۔؟

بس۔ ؟ اتنی سی بات ؛ زبیدہ نے کہا۔ اور پھر ان کے بازو پر سر رکھ کر بولی ؛ "اس کے لئے اتنے حیران ہوتے پھرے آپ۔ ؟

تمھارے لئے یہ اتنی سی بات ہے۔ ؟" خاور نے تعجب سے پوچھا۔

"اور کیا۔ کسی طرح زندہ تو رہنا ہے۔ یہ مکان بیچ دیجئے۔ بھیا کی زندگی میں گیہوں کی کوٹھی کے لئے پچھواڑے کے مہاجن نے بیس ہزار لگائے تھے۔ بھیا نے منظور نہیں کیا تھا۔ اب تو اس کی قیمت زیادہ آئے گی۔ ! ہے نا !"

"سڑک ہی پر جا بیٹھوں گا۔ اگر تمھارے سنہرے مشورے پر عمل کیا۔" خاور ہنس دئے۔ "بیوقوف۔ یہ نہیں سوچا تم نے۔ مکان بیچ دیں گے تو پھر رہیں گے کہاں ؟"

کچھ دنوں کرائے کے مکان میں رہ لیں گے۔ آپ اس کے روپئے سے چھوٹی موٹی کوئی دوکان کھول لیجئے گا۔ پھر سال چھ مہینے میں اللہ کوئی اور صورت پیدا کر دیگا اللہ جو بھی صورت پیدا کرے مگر تم بھی مرد کی صورت پیدا کرے۔ تاکہ کچھ تو ہمت بندھے۔ صاحبزادی کی صورت ہی تو ابھی سے جہیز جوڑنا پڑے گا۔ "خاور نے شوخی سے کہا۔ اور اسے آہستہ سے اپنے سینہ پر گرا لیا۔

کچھ دنوں پہلے انھیں زبیدہ نے خوشخبری سنائی تھی کہ وہ باپ بننے والے تھے۔ اور تب سے خاور کی فکریں کئی گنا بڑھ گئی تھیں۔

زبیدہ ان کے سینے پر سر رکھے اس دل کی مدھر دھڑکنیں سن رہی تھی جو صرف اس کی محبت کے گیت گا رہا تھا۔

"زبیدہ ؟" انھوں نے پیار سے اس کے ریشمی بالوں میں۔ انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

اوں" اس نے بہکے ہوئے لہجے میں کہا۔

مجھے اکثر خیال آیا ہے کہ اس وقت تمھارے پاس کون رہے گا ؟ اکیلی تم

کیا کر سکو گی؟"

سب وقتوں کا مالک خدا ہے۔ آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ طرح طرح کی فکریں اپنے پر اوڑھ لی ہیں!" وہ جھنجلائی پھر سیدھی ہو بیٹھی اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "میری بات کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ چاہتے ہیں کہ ادھر ادھر باتوں میں یہ تذکرہ رہ جائے۔ سنئے جی۔ اگر آپ نے اس گھر کا بندوبست نہ کیا تو پھر! تو پھر۔!" خاور اس کے تحکمانہ لہجے اور دھمکی آمیز گفتگو سے محظوظ ہو کر مسکرائے ہوئے بولے۔ "تو پھر۔ کیا کرو گی تم؟"

"میں خود ان کے پاس جاؤں گی۔! اور کہوں گی وہ یہ مکان اب خرید لیں۔"

"خبردار۔ گھر سے باہر قدم نہ نکالنا" خاور نے آنکھیں نکال کر اس پر گھونسہ تان لیا۔ زبیدہ ہنسنے لگی۔

"مجھے بڑی آرزو ہے۔ آپ کبھی مجھے ماریں پیٹیں اور میں دھاروں دھار رووں ہائیں پاگل" خاور نے تعجب سے کہا "جو بات کرو گی وہ ایسی ہی کرو گی بھلا میں اور تمھیں ماروں پیٹوں گا۔ آہ۔ زبیدہ کتنی ناکام حسرتیں میرے دل میں تکمیل کے لئے مچل رہی ہیں۔ میرا بہت جی چاہتا ہے۔ میں تمھیں ایک شہزادی بنا دوں۔ تمھارے لئے عمدہ عمدہ گہنے ہوں۔ اچھا لباس ہو۔ بہترین خوراک ہو۔ اعلیٰ طرزِ رہائش ہو۔! مگر میں بس حسرت ہی کا تودہ ہو کر رہ گیا ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے میں تمھارے لئے کچھ نہ کر سکا۔!

میں آپ سے کچھ بھی نہیں چاہتی۔ آپ کی محبت میرے لئے اس جنت سے بڑھ کر ہے۔ جس میں ساری آسائشیں تو ہوتیں مگر آپ نہ ہوتے۔ میں آپ کے پیار کے گہوارے میں جھولتی ہوں اور خود کو کسی شہزادی سے کم نہیں سمجھتی۔!

سچ سچ؟!" وفورِ مسرت سے ان کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں۔

سچ مچ !!۔" اور فرط جذبات سے بے خود ہو کر اس نے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔
مگر پیار کے اس فردوسی ماحول میں پھر فکر و اضطراب کے کثیف بادل چھا گئے
زبیدہ کے مسلسل اصرار اور تقاضے پر بالآخر خاور کو اس کا رہائشی مکان فروخت
کرنا پڑا۔ بہت مجبور ہو کر انھیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اخراجات زیادہ تھے۔
آمدنی کا کہیں نام نشان نہ تھا سرکاری ملازمت اب مل نہ سکتی تھی اور اگر
ملتی بھی تو ان کی گریجویشن کی سند ان کے پاس نہ تھی۔ گھر وہ جانا نہیں چاہتے
تھے۔ اور سرکاری ملازمت ڈھونڈھنے کی انھیں آرزو بھی نہ تھی!۔ ملتی بھی کہاں
زبیدہ کی تکلیف دن بدن بڑھ رہی تھی۔ اب اس سے گھر کا معمولی کام
بھی نہ ہوتا دو قدم چلتی اور ہانپنے لگتی۔ اس کے لئے کسی خادمہ کی ضرورت
تھی۔ خاور کو سخت احساس تھا انھوں نے اس کے آرام کا کوئی بند و بست نہ کیا
تھا۔ نہ اچھا رہن سہن۔ نہ معقول غذا نہ قیمتی ادویہ۔ کچھ بھی نہیں۔ اس کا بوجھ خود
رو کونپل کی طرح صرف قدرت کے سرد و گرم عناصر کے رحم و کرم پر بڑھ رہا تھا!

مکان شدید مجبوریوں کی بنا پر بک گیا۔

خاور نے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا۔

زبیدہ نے اطمینان کی سانس لی۔ کچھ تو وہ اپنے شوہر کے کام آئی۔ آخر انھوں
نے بھی اس کے بھائی کی بیماری اور محتاجی کے زمانے میں ہر طرح کی مدد کی تھی۔
اسے اپنا سہارا دیا تھا۔ اگر وہ آنکھیں پھیر کے چل دیتے تو آج اس کا کیا حشر ہوتا
اگر ایسے ہزار مکان ہوتے تو بھی وہ ان پر نثار کر دیتی۔ اسے تو نذرانہ عقیدت
کے لئے اپنی جان بھی ارزاں و حقیر لگتی۔

افراتفری میں کچھ روپیہ خرچ ہوا۔ زبیدہ کے یہاں ولادت کے سلسلے میں
اخراجات کی ضرورت تھی اور دوکان کھولنے کا معاملہ اتنا سہل نہ تھا۔ گرانی کے

دور میں دوکان کی بگڑی ضروری اشیاء کی فراہمی ملازم کی تنخواہ اور دیگر سامان کا جو بجٹ بنا وہ دس ہزار سے کہیں زیادہ تھا۔ خاور کے پاس گنجائش نہ تھی ۔ وہ پست ہمت ہو گئے۔ اور جب ہاتھ میں روپیہ غائب زبیدہ بھی بے فکر ہو گئی مستقبل سے بے نیاز وہ حال ہی کی تن آسانیوں میں مگن ہو گئے۔ آہستہ آہستہ رکھا ہوا اندوختہ برف کی ڈھیر کی طرح پگھلتا رہا۔

خاور کے باپ اور بھائی ان کی طرف سے بے خبر نہ تھے۔ انھیں تمام حالات کی اطلاع تھی۔ تھوڑے دنوں تک انھیں اپنی بدنامی رسوائی اور خاندان کی خفگی کا غم رہا۔ بھابی کو اپنی بہن کی ناگہانی موت کا شدید صدمہ تھا کہ وہ اپنے دیور کی شکل دیکھنا اور اس کی آواز تک سننا گوارہ نہ کرتی تھی۔ مگر نا بکے وقت نے ہر زخم کا اندمال کر دیا۔ واقعات کی ٹیس تو اب بھی تھی مگر اتنی اذیت ناک اور شدید نہیں۔ پھر بھی وہ لوگ خاور کو معاف کرنے یا زبیدہ کو سزا نہ دینے کے خیال سے بری نہ تھے ہر وقت یہی تذکرے کرتے کہ کس طرح خاور کو ان کی سرکشی خودسری اور گستاخی کی بڑی سے بڑی سزا مل سکتی ہے۔ ناکردہ گناہ زبیدہ کو کیسے پیرایہ میں ستایا جا سکتا ہے۔ جو تمام فساد کی جڑ تھی۔ ان کی دانست میں زبیدہ ہی کے اکسانے خاور کو اس دیدہ دلیری پر اکسایا تھا۔

اب یہ خاور کی بدقسمتی تھی کہ انھیں دنوں ان کی والدہ بیمار ہو گئیں۔ معمولی سی بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ کسی ان کے جانبر ہونے کی توقع نہ رہ گئی۔ تب انھیں خاور کی یاد آئی۔

اپنی دانست میں وہ بستر مرگ پر پڑی تھیں۔

ان کے شوہر اور بیٹے تیمارداری کرتے کرتے دل ہی دل میں جھنجھلا گئے تھے۔ بہو پرائی تھی۔ بیٹی سسرال کی۔ دل چاہا انھیں پوچھا نہ چاہا صاف

انجان ہوگئیں۔! اختر صاحب تو خدا سے چاہتے تھے جلد کوئی فیصلہ ہو جائے! مظفر کو بھی بیمار ماں کی تیمار داری اور خدمت ناگوار تھی۔! اماں کا مرض جب پیچیدہ ہوا اور حکیم صاحبان بھی کچھ الجھنے لگے تو اماں کو اپنے سامنے موت ناچتی دکھائی دینے لگی!۔ ایک روز وہ غشی سے ہوش میں آئیں تو مظفر کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"بیٹے میرا دم اسی نامراد میں اٹکا ہے۔ لاکھ کچھ ہو۔ آخر اس نے مجھ سے جنم تو لیا ہے۔ میاں اسے بلا لاؤ۔ روز اسے خواب میں دیکھ رہی ہوں۔ جب تک وہ آنہ لے گا۔ میری سانس بھی نہیں نکلے گی!۔"

اس کے ساتھ وہ حرافہ بھی آئے گی۔ اماں" ترش خ کر اور بیمار ماں کی ذہنی اذیت کا خیال نہ کر کے عزیزہ بیگم نے کہا۔

اسے بلانا ہے تو مجھے اجازت دیجئے اماں" مظفر صاحب کی بیوی نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔" زبیدہ کی صورت دیکھتے ہی مجھے اپنی جواں مرگ فاخرہ یاد آجائے گی۔ یہ قطامہ بیچ میں نہ آجاتی تو آج میری بہن اس گھر میں راج کرتی ہوتی۔

ہائے تم سب اولاد والی ہو" اماں نے دہائی دی۔" کچھ تو اندازہ کرو میری کوکھ میں کیسی آگ لگی ہے۔ ارے۔ وہ لاکھ ناخلف ہوا کرے۔ میں کیسے بھول جاؤں گی کہ وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ تم لوگ زبیدہ کو منھ نہ لگانا۔ مگر میں مرتے وقت تو اپنے بچے کو دیکھ لوں۔ اسے دیکھے بغیر دنیا سے جاؤں گی قیامت تک میری روح آوارہ پھرا کرے گی۔!"

کیا خیال ہے" اختر صاحب نے مظفر سے سرگوشی کی" بلوا لیا جائے اس پاجی کو واقعی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ بچنے والی نہیں ہیں۔ اگر وہ نہ آیا تو پھر دنیا بھی کو کہے گی کہ ماں مرتے مرتے مر گئی مگر باپ اور بیٹے نے مل کر بھائی کو دیدار نہیں کرایا۔ اس دنیا میں آگ لگے۔ اسے کبھی تو چین نہیں۔

مظفر جو اپنے ذہن میں کوئی اور پلان بنا چکے تھے۔ سرسری انداز میں بولے
ٹھیک ہے ابا جان۔ اس کی بھی غلطی کیا۔ شروع ہی سے وہ خود سر رہا ہے۔
اسے یوسف اور زبیدہ نے مل کر زیادہ خود رائے اور سرکش بنا دیا تھا۔ ان
دونوں کا مفاد بھی تو تھا۔ بھجوا دیجئے گا جہانگیر یا شریف کو۔ بلا لائے گا۔"

میاں یہیں کہیں نہ دھرنا دے دیں۔" اختر صاحب بولے۔

بس یہ اماں کی زندگی تک ہے!" مظفر نے کہا۔

سنا تھا کہ اس نے اپنے مرحوم سالے کا مکان بیچ دیا تھا۔

جی ہاں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ خاور سے رقم لے کر دوکان میں لگائی جائے
مظفر مسکرائے "منافع کی امید پر دے دے گا۔ آخر وہ دوکان پر کام کرتا ہی رہا ہے
اس کے بعد۔" وہ معنی خیز انداز میں چپ ہو گئے۔

کتنی رقم ہوگی؟" اختر صاحب نے بے چینی سے پوچھا۔

"دس بارہ ہزار تو ہوگی۔ آپ یہ بھی تو سوچئے کہ وہ مرحوم اماں کی بیٹی سے
دس ہزار روپئے چرا کر لے گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ شریف کو ابھی بھجواؤ۔ تاکید کر دینا کہ اماں بس جاں بلب ہیں فوراً
آ جائیں۔"

مظفر نے باپ کے حسب الحکم اپنے ملازم کو غیر ضروری تاکید کر کے روانہ کر دیا۔

خاور نے کوئی پندرھویں دن زبیدہ کو سمجھایا۔ "بھئی تمھارا خوف بے وجہ ہے
آخر میں بھی تو موجود رہوں گا۔ معلوم نہیں کہ اماں کی حالت کیسی ہے۔ اتنی گھبراہٹ

سے بلوایا ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ چل بسیں تو سب لوگ ہم پر انگلیاں نہ اٹھائیں گے کہ ماں ختم ہوگئی مگر بیٹا اتنا سنگدل نکلا کہ ماں کے آخری وقت بھی اس کے پاس نہ رہا۔!

مم۔ مگر۔ اس حالت میں۔ زبیدہ گومگو کے عالم میں بولی۔" مجھے شرم آتی ہے

ارے یہ تو مثیابت اللہ ہوا ہے۔ جیورانی۔ خاور نے کہا۔" اس وقت اماں یا بھابی یا بی آپا تمھارے پاس رہیں گی۔ فرض کرو کہ تمھیں دواخانہ جانا پڑ گیا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تمھارے ساتھ جائے گا۔ تمھارے قریب موجود رہے گا۔ تم چلو تو تم کوئی خطاکار تھوڑی ہو کہ ڈر رہی ہو۔ ان سے جواب دہی میرا کام ہے بس میری جان۔ اٹھو اور چلو۔ لے آؤں رکشہ۔؟"

ایک نامکمل سانس لیکر زبیدہ نے کہا۔" لے آئیے۔"

ڈرے ڈرے سے سہمے ہوئے انداز میں زبیدہ نے اپنی نام نہاد سسرال کی دہلیز پر قدم رکھا۔ خاور اب بھی بے خوف تھے۔ ان کی پذیرائی کسی نے نہ کی۔ انھوں نے سوچا کہ سب تو مریض کی تیمارداری میں لگے ہوں گے ان کا خیر مقدم کون کرتا اندر پہونچے صحن میں عزیزہ بیگم ملیں۔ مگر نہ التفات نہ گرمجوشی۔ اس کے برعکس انھوں نے برا سا منھ بنایا۔ حقارت بھری نظر زبیدہ پر ڈالی اور اماں کی کیفیت سنائے بغیر ٹھکتی ہوئی چلی گئیں۔! زبیدہ نے سہم کر خاور کو دیکھا۔ انھوں نے تعارف کرایا۔" میری بڑی بہن ہیں عزیزہ بیگم۔ بھائی صاحب سے جھگڑا کر کے یہاں آبیٹھی ہیں۔ نہ دیکھے ہیں۔"

اماں کہاں ہیں۔" زبیدہ نے مدھم آواز میں پوچھا اور سر گھما گھما کر ان کے حویلی نما مکان کے دیوار و در کا جائزہ لینے لگی۔

آؤ میں تمھیں اماں کے پاس لے چلوں۔" خاور بولے۔" اپنے کمرے میں ہونگی

اماں کے پاس، اختر صاحب، مظفر، اور بھابی تھیں۔ خاور اور زبیدہ کو دیکھ کر سب یکبارگی چپ ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

اماں۔ آداب " خاور نے ان سب کو نظرانداز کر دیا۔ اب بھی جھکے نہ تھے ویسے ہی سرکش تھے۔

آؤ بیٹے آؤ۔ اماں رونے لگیں "آؤ۔ میرے سینہ سے لگ جاؤ۔

کیا طبیعت خراب ہے آپ کی ؟" خاور نے پوچھا۔ اور ان کے پہلو میں ٹک گئے پھر زبیدہ کے لیے جھک کر کرسی سرکائی اور بولے " بیٹھ جاؤ۔ زبیدہ۔!" زبیدہ سر جھکا کر بیٹھ گئی خاور نے کسی کا تعارف اس سے اور اس کا تعارف کسی سے نہیں کرایا۔ مگر خاور نے ہمیشہ اپنے افراد خاندان کا جو شجرہ اور حلیہ بتایا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ان کے باپ بھائی اور بھاوج ہی ہو سکتے ہیں!

رسمی سی مزاج پرسی اور گفتگو کے بعد اماں بولیں " تمھارے آنے سے میرا دم ٹھہر گیا ہے اب نہ جانا جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔ پھر تمھاری مرضی۔۔۔ یہ تمھاری بیوی ہے۔؟"

جی ہاں " خاور بولے " زبیدہ۔ آپ کی بہو۔

مظفر نے ان سب کے لیے چائے منگوائی۔ اختر صاحب نے بڑی حکمت عملی سے زبیدہ کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اور نصیحت کی کہ اسے سب میں گھل مل کے رہنا چاہیے۔ زبیدہ کے دل سے کچھ خوف دور ہوا۔ خاور اپنے عزیزوں کے اس طرز عمل سے متعجب تھے۔ یہ سب سنگ خارا موم کیونکر ہو گئے۔ اتنی زبردست قلب ماہیت۔؟

اماں جو نزع کے عالم سے گزر رہی تھیں وہ اچانک تندرست ہو گئیں۔ مر جانے کا

پروگرام کینسل کر دیا۔ پہلے کی سی صحت مند۔ کراری آواز۔ حکومت پسند انداز عزیزہ بیگم اور بھابی نے زبیدہ سے کوئی بات نہ کی۔

مگر مظفر نے نہ جانے اپنی بیوی کو کیا سکھایا پڑھایا۔ انھوں نے میاں بیوی کے لیے ایک کمرہ خالی کر دیا۔ ان کے کھانے پینے کا بند و بست کیا اور دو چار دن بعد ان سے سادی سلوک کیا جانے لگا۔ خاور کے دل سے شکوک و شبہات نکل گئے۔ زبیدہ کا خوف دور ہوا۔ اور جب طائرانِ آوارہ کے گرد جال کس گیا تب انھیں قفس میں ہمیشہ کے لیے قید کرنے کا پروگرام شروع ہوا۔

آغاز خاور کی طرف سے ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی ماں کو ہر طرح صحت مند دیکھ کر جانے کی اجازت طلب کی۔ والد محترم نے مستفسرانہ نگاہوں سے صاحبزادے کی طرف دیکھا۔ انھوں نے غیر اہم انداز میں کہا "بھائی اب کہاں کا آنا جانا۔ دیکھ ہی رہے ہو۔ اماں کو تندرست کہا نہیں جا سکتا۔ یہ تو تمھاری آمد کا کرشمہ ہے جو وہ یکبارگی اٹھ کھڑی ہوئی ہیں ورنہ ہم تو سمجھ چکے تھے۔ کہ خدانخواستہ اب وہ زندہ نہ رہیں گی۔ تم اگر چلے جاؤ گے تو شاید وہ پھر بستر پکڑ لیں لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تمھارا قیام ان کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اماں نے اپنی محبت کے تحت میری گستاخیاں فراموش کر دی ہوں" خاور نے خشک لہجے میں کہا۔ لیکن بھابی اور ہمشیرہ محترمہ کا سلوک ہم سے اچھوتوں کا سا ہے۔ یہ چیز میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں نے کسی کی کوئی جائداد نہیں ماری۔ وہ تو اب تک صبر کرتا رہا ہوں۔ ان کے منھ لگنا مجھے پسند نہیں ہے۔ ورنہ میری زبان کھلے گی تو گھر میں روز کی مہابھارت ہوا کرے گی۔ میرا ذہنی سکون بھی غارت ہوگا اور گھر کا ماحول بھی درہم برہم ہو

جائے گا۔! یا تو آپ ان دونوں معزز خواتین سے کہیے کہ ہم سے خود کو برتر اور حاکم سمجھ کر سلوک نہ کریں یا پھر میرے برابری کے سلوک کے لیے آمادہ ہو جائیں یا پھر سب سے عمدہ بات یہ کہ مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیجیے۔"

باپ بیٹے نے سخت حیرت سے سوچا کہ یہ بدبخت ٹوٹ سکتا ہے۔ مڑ نہیں سکتا لہٰذا چوب خشک کو مڑ جانے کی صلاحیت دینے کی خاطر پھر اس پر پانی چھڑکا۔۔۔

والد صاحب نے فرمایا۔ تم ان ناقص العقل عورتوں کے سلوک پر نہ جاؤ۔ ان سے زبان لڑانا بھی تمھارے شایان شان نہیں ہے۔ گھر میرا ہے میاں اور میں تمھیں رخصت ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور یہ سلوک ان کا پچھلے ناگوار واقعات کا ردعمل ہے۔ جاتا رہے گا۔ تم اس گھر کے بیٹے اور زبیدہ بہو ہے۔ جو کچھ ہوا وہ ہو چکا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسی مکان میں چلے آؤ۔ خواہ مخواہ ہر مہینے پھر مٹھی سو روپے کرایہ دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہ تو تمھاری ہی حماقت تھی جو تم نے دکان کی نگرانی چھوڑ دی۔ تم اگر آج سے جاؤ تو میں اس لڑکے کو جواب دے دوں۔ تین سو روپے اسے جاتے ہیں وہ تم لے لو۔ دکان کچھ سست چل رہی ہے اس میں مزید آٹھ دس ہزار کا سرمایہ چاہیے۔ بھائی میں اپنے کام پر جاتا ہوں۔ مظفر کو اپنی سروس سے فرصت نہیں ملتی۔ اگر تم اس دکان میں سرمایہ لگا دو تو میں اسے بالکلیہ تمھارے نام کر دوں گا۔ اس پر میرا یا مظفر کا کوئی حق نہ ہوگا۔ آخر تمھیں بھی بسر اوقات کے لیے روپیہ چاہیے۔ اب تم لوگ ماشاءاللہ دو سے تین ہو گئے۔ اخراجات بڑھیں گے۔ یہ روپیہ جو تمھارے پاس ہے۔ کب تک ساتھ دے گا۔ اگر دکان میں لگ کر بڑھتا رہے تو کیا برا ہے۔"

"تم سوچو گے کہ تین سو روپے کم ہیں تو بھائی۔ جب پوری دکان ہی تمھاری

ہوجائے گی تو روپے کی کمی بیشی کا سوال ہی نہ رہے گا۔ جو چاہو رکھو اٹھاؤ۔ اگر تم کہیں ملازم ہونے تو سوچو کہ کرایہ مکان۔ خورد و نوش، دیگر ضروریات اور ادھر ادھر کے فالتو اخراجات میں بٹ کٹ کر تمھیں شاید تیں سو بھی نہ ملیں۔ سو یہ موقعہ اچھا ہے۔ مکان تمھارا ہے۔ کھانے پینے کا سوال نہیں بس تم کو غیر معینہ وقت کے لئے خود کو پابند کرنا پڑے گا۔ کیا یہ تم ملازمت میں نہ کرتے۔؟"

اچھا میں سوچوں گا خادر نے جواب دیا۔ وہ متذبذب تھے کہ انھیں معافی مانگے بغیر معاف کیونکر کر دیا گیا!۔

"اچھی طرح سوچ لو" مظفر نے کہا۔ گوکہ تمھارا جواب خائرانہ ہے گویا تم اپنے باپ اور بھائی سے نہیں کسی دوسرے سے تجارت کر رہے ہو خیر"۔

خادر نے زبیدہ سے مشورہ کیا۔

زبیدہ اپنے شعور کے اس دور میں نہیں تھی۔ جہاں طرح طرح کے اندیشے مستقبل کو ڈراؤنا بنا کر پیش کرتے ہیں! استرہ اٹھارہ سال کی عمر پختہ نہیں کہلائی جا سکتی۔ وہ انھیں کوئی مشورہ نہ دے سکی۔!

اور اندر اندر مظفر صاحب نے بیوی اور بہن کو خوب پھٹکارا۔ انھوں نے ان دونوں کو سمجھایا کہ خادر سے اچھا سلوک کریں۔ کیونکہ یہ سلوک اسے بدست و پا کرنے اور بے بس بنانے کی پہلا زینہ ہے۔

دونوں ہی کے دل رحم و مروت سے خالی تھے۔ مگر منافقت برتنے لگیں ہر وقت زبیدہ کے پاس جمی رہتیں۔ اس سے یوں میٹھی میٹھی باتیں کرتیں کہ انھیں وہ اپنا ہمدرد و غمخوار سمجھنے لگی۔ ان سے اپنی ساری داستان کہہ سنائی جو کچھ بھولی تھی وہ کرید کرید کر ان لوگوں نے پوچھا۔ زبیدہ نے خادر سے ان کی بھاوج اور بہن کی بہت تعریفیں کیں اس عرصہ میں سب کا رویہ خادر سے بھی

نمایاں طور پر بدل گیا تھا۔ لہذا خاور نے باپ اور بھائی کے مخلصانہ "فیصلے پر آمنّا وصدقنا کہہ دیا۔ اس طرح ان کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے۔ اور ان پر تنفس کا در بند کر دیا گیا۔!

خاور کی آنکھیں کھلیں تو بہت دیر ہو چکی تھی۔! سب کی نظریں بدل گئیں۔ برتاؤ میں فرق آیا۔ وہ اب دکان کے مزدور تھے اور زبیدہ گھر کی ملازمہ۔ خاور کے پاس پچھتاؤں کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔

زبیدہ کو پتہ چلا۔ صحیح وہ انسان سمجھا کی تھی۔ سب کی نظریں بدل گئیں۔ برتاؤ میں فرق آیا۔ بدترین دشمن۔ بات بات پر اسے اپنی کم نصیبی، افلاس اور غربت کے طعنے ملنے لگے۔!۔ اماں جو بڑی ماتا والی بنی تھیں۔ وہ تو سب سے زیادہ بے رحم ثابت ہوئیں۔ ایسے ایسے دلخراش طعنے دیتیں کہ زبیدہ بھول کے بس ان کا چہرہ تکتی رہ جاتی۔ خاور سے زبیدہ کچھ کہتی نہ تھی۔ ان کے دکھوں میں اضافہ کرنا اسے پسند نہ تھا۔!

اختر صاحب اور مظفر غرانے لگے تھے۔ خاور کا گھر رہا نہ تھا۔ روپیہ ہاتھ سے گیا تھا۔ اگر وہ کچھ کہتے تو فوراً حکم ملتا

"گھر سے نکل جاؤ۔ اپنے اعمال تمھیں نظر نہیں آتے۔ ہماری حرکتوں پر انگلی رکھتے ہو۔ یاد نہیں تم نے اماں کی بیٹی سے رقم نکال لی تھی۔ ہم نے تم کو اور تمھاری بیوی کو پناہ دی ہے۔ بڑا کام کیا ہے۔ اگر یہاں تکلیف ہے تو بھاگ چلے جاؤ۔"

خاور سوائے اس کے کہ زبان چلاتے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔! اب ان کا کوئی دوست نہ تھا۔ وہ باپ سے متنفر اور بھائی سے بیزار تھے۔ سب سے ناراض تھے۔ مگر مجبور تھے۔ کہاں جاتے۔ کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

بدترین حالات میں زبیدہ کے یہاں ولادت کے آثار نظر آئے۔! اس

وقت بھی کسی نے اسے نہیں پوچھا۔ خاور دوکان پر تھے۔ زبیدہ نے عزیزہ بیگم سے التجا کی۔

"بی آپا۔ ذرا ان تک اطلاع کرا دیجئے۔ میری تکلیف بڑھ رہی ہے۔
عزیزہ بیگم ایسے دور سے گزر چکی تھیں انھیں صورت حال کی نزاکت کا بخوبی اندازہ تھا مگر انھوں نے ہاتھ نچا کر کہا۔" کیا کرے گا وہ آ کے۔ دائی تو بننے سے رہا۔ پتہ نہیں دوکان میں کیا کر رہا ہو۔ کہیں گیا ہو۔ اور میں کہتی ہوں۔ وہ آ بھی گیا تو کیا تمھاری ٹکر ٹکر کے بیٹھے گا۔ ہنہ۔! بیگم بٹیا جیو رہی ہیں میاں کے لئے
زبیدہ درد سے کراہنے لگی۔" وہ مجھے ہسپتال تو لے جائیں گے۔ آپ انھیں بلوا دیجئے۔"

"میں کیوں بلوا دوں۔ تم آپ کسی کو بھیجو۔ لے آئے۔ میں سنتر دھندوں کی آدمی
زبیدہ نے ملازم سے خوشامد کی۔ مگر وہ سب کا سکھایا پڑھایا ہوا تھا کام کا بہانہ کر کے ادھر ادھر ہو گیا۔ اماں کو پتہ چلا۔ منہ سکوڑ کر بولیں۔" نامراد ہمارے ہی گھر میں غلاظت پھیلائے گی۔ ارے یہ مظفر کو کیا سوجھی تھی۔ انھیں کیوں اپنے گھر میں ٹھونس رکھا ہے۔ میں نے تو فقط خاور کو بلایا تھا۔ یہ بلا اس کے دامن سے بندھی آئے گی مجھے کیا پتہ تھا۔!

ہائے اماں۔ شاید اسے زیادہ تکلیف ہے۔" بھابی نے دل تھام لیا۔ اسکی کراہیں یہاں تک سنائی دے رہی ہیں۔ میں جاؤں۔"

"شاباش ہے تمھارے جگر کو دلہن۔" اماں بولیں۔" آج یہ وقت اللہ رکھے تمھاری بہن پر آنا۔ خوشی خوشی زچہ خانہ سجاتیں۔ آخور کی بھرتی چاہے کراہے چاہے روئے۔ آپ اپنا بھگتے۔ میں تو کمرے میں جانے کی نہیں۔
اماں اسے کچھ ہو نہ جائے۔"

"ارے مر چکیے جلدی سے کم بخت۔ صبح اٹھ کر منحوس کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔ سارا دن طرح طرح کی لعنتوں میں گزر جاتا ہے۔

زبیدہ کی تڑپ حد سے بڑھ چکی تھی۔ تکلیف کے مارے اسکی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ہر چیز تاریک نظر آ رہی تھی جسم سرد ہوا جا رہا تھا۔ وہ پلنگ سے اتر کر فرش پر آ لیٹی۔ کبھی سیدھے لیٹ جاتی کبھی کروٹ بدلتی۔ مگر قرار کسی پہلو نہ تھا۔ رہ رہ کر اس کی نگاہیں دروازے کی طرف جاتیں۔ کوئی تو آتا دکھائی دے اس کی تکلیف بڑھتی رہی۔ کسی نے اس کی خبر نہ لی۔

شام کا اندھیرا در و بام پر چھانے لگا۔ باغ کے درختوں پر چڑیوں کا شور ناگوار ہونے لگا تھا۔ بڑی کھڑکی سے سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ اور تیر و نشتر کی طرح اس کے جسم پر زخم ڈال رہی تھی۔

اللہ اللہ۔ درد کی ہر لہر اسے زمین سے اکھاڑ دیتی۔ خدا خدا کر کے رات کے آٹھ بجے اور دروازہ کھلا۔ خاور نے دیکھا وہ فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ درد کی شدت سے چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ خاور نے گھٹنوں کے بل جھک کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ان کے لب کپکپا گئے۔

کوئی نہیں آیا تمھارے پاس۔

آیا تھا۔" زبیدہ نے اب بھی نہیں چاہا۔ کہ ان میں اور دوسروں میں پھر جھگڑے کی نوبت آئے۔ کراہتی ہوئی بولی۔ سب آئے تھے۔ تب مجھے اتنی تکلیف نہیں تھی۔ اب بڑھ گئی ہے۔ آپ سے کیا ہو سکے گا مجھے جلدی اسپتال لے چلیے۔

اچھا اچھا۔ ابھی۔" انھوں نے کہا۔ اور جلدی اٹھ کھڑے ہوئے "میں اماں کو لاتا ہوں۔ وہ تیزی سے باہر نکلے۔

اماں کے سر پر مصنوعی درد کی وجہ سے رومال کسا ہوا تھا۔ وہ پلنگ پر پڑی ہائے ہائے کر رہی تھیں۔ خاور نے انھیں صرف اطلاع ہی دی۔ زبیدہ کی طبیعت خراب ہے۔

ہسپتال لے جاؤ" انھوں نے سرد مہری سے کہا۔ میں خود مر رہی ہوں۔

بھابھی سے ذرا آپ کہیے کہ ساتھ چلیں۔ خاور گھگیائے۔

وہ کیا ساتھ چلیں گی" اماں نے جان بوجھ کر ایک زہریلا خنجر خاور کے سینے میں اتار دیا"

ناشاد صبح سے کلیجہ پکڑے پھر رہی ہے کہ اگر خاور اس بدقوی کو لے نہ آتے تو آج اس کی بہن کی گود آباد ہو رہی ہوتی۔ اس بدنصیب نے قبر کا کونہ آباد کیا اب تمھاری بھابی کو کیا مطلب۔ کسی کے یہاں بچہ بالا ہو کہ کوئی مرے جیے۔"

خاور الٹے قدموں واپس ہو گئے۔ بھابی سے کیا کہتا تھا۔ جا کے سواری لائے اور زبیدہ کو سہارا دے کر لے گئے۔ رستے بھر زبیدہ آہیں بھرا کیں۔ راستے بھر خاور اپنی ناسمجھی پر پچھتانے اور اپنے والدین کی سنگدلی پر خون کے گھونٹ پیتے رہے!۔

لیڈی ڈاکٹر نے اطمینان دلایا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ خاور نے خدا کا شکر ادا کیا اور باہر برآمدے میں ٹہلنے لگے۔ رہ رہ کر ان کی نظریں سیاہ آسمان کی جانب اٹھ جاتیں جس پر ستاروں کا چمکیلا برادہ چھڑکا ہوا تھا۔ رہ رہ کر ان کے لبوں پر کوئی دعا مچلنے لگی۔

نہ جانے کتنا وقت گذر گیا تھا۔ ایک نرس نے ان کے پاس آ کر خوشخبری سنائی۔ آپ کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔

خاور کے سینے سے امتنان و تشکر کی گہری سانس نکلی!۔

محترمہ۔ کیا میں بچے اور اس کی ماں کو دیکھ نہیں سکتا؟"

تھوڑا صبر کیجیئے۔ میں ابھی آؤں گی اور آپ کو لے چلوں گی"

"اچھا اچھا۔

نرس چلی گئی۔ اور حادر نے برف ایسے سنگی فرش پر پیشانی ٹیک دی۔ ان
کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور سجدہ گاہ تر ہو گئی۔

حادر کا بیٹا بڑا صحت مند توانا اور خوبصورت تھا۔ حادر کی ساری
پریشانیاں، مایوسیاں اور تھکن اسے دیکھتے ہی کافور ہو گئی۔ زبیدہ کی
مسرتوں کی انتہا نہ رہی تھی۔ دونوں ماں باپ بالشت بھر کے بچے کی بنیاد پر
خوشیوں کے اونچے اونچے تعلے تعمیر کر رہے تھے۔!

بڑا ہوگا تو خدا معلوم کیا قیامت ہو گی" حادر خوشی سے پھوٹتے ہوئے
لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ابھی سے اتنا حسین ہے۔ بڑا بدمعاش نکلے گا۔
زبیدہ۔ دیکھو تو بھلا کس طرح مجھے گھور رہا ہے۔

ہائے اللہ۔ آپ نظر نہ لگا دیجیئے گا" زبیدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کہتے
ہیں کہ ماں باپ ہی کی نظر بچوں میں پہلے لگتی ہے۔

"نام کیا سوچا بھائی؟"

میں کیا سوچتی۔ آپ سوچیے۔

جیسے یہ موصوف صورت شکل کے واقع ہوئے ہیں۔ ایسا ہی ان کا نام
بھی ہونا چاہیئے۔ اچھا میں آج رات کو اطمینان سے سوچوں گا۔ تمھیں
اب تو کوئی تکلیف نہیں ہے نا؟"

اللہ کا شکر ہے۔ اس کی شکل دیکھی ساری تکلیفیں راحتوں سے بدل گئیں
ہاں زبیدہ اللہ نے چاہا تو اب ہمارا اچھا زمانہ آئے گا۔ ہر تکلیف کے

بعد راحت ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ بھائی صاحب کی زبان پر اعتماد کر کے تمھارا سارا روپیہ دوکان میں جھونک دیا۔ ! ورنہ اس وقت میرے پاس۔!

اپنا دل چھوٹا نہ کیجئے۔ دوکان بھی تو آپ ہی کی ہے۔

نام چاہے کو میری ہے۔ لیکن شاید یہ بھی میری خوش خیالی ہو۔ دوکان سے میرے والد صاحب دستبردار ہونے والے نہیں ہیں۔

کاغذ پر لکھا پڑھی نہیں ہوئی۔؟

میں ان کے سبز باغوں کی سیر میں الجھ گیا۔ نہیں سمجھا کہ وہ دھوکا دے رہے ہیں۔

آپ پریشان نہ ہوں۔ میرے صندوق میں ابھی چھ سات سو روپیہ رکھا ہے وہ نکال لیجئے۔

تم بھی بڑی ہمت بندھی ہے۔ زبیدہ۔ تم نہ ہوتیں تو کیا ہوتا۔!

میں بھی آپ کی صورت دیکھ دیکھ کے جیتی ہوں۔ ورنہ زندگی دوزخ ہو جاتی۔!

سچ بتاؤ۔ اماں بھابی۔ اور بی آپا تم پر زیادتی روا رکھتی ہیں نا۔؟"

"نہیں تو۔"

سچ نہیں بول رہی ہو تم۔ خیر۔ ایک روز معلوم ہی ہو جائے گا۔ وہ مجھ سے تو سیدھے منہ بولتی نہیں۔ بھلا تم سے کیا بولیں گی۔!

آپ یقین کیجئے۔!" زبیدہ نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ ان میں سے کوئی تمھارے پاس رہے گا۔ مگر یہ سب ضوطا جشم۔"

آپ میری فکر نہ کیجئے۔ یہاں نرسیں ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر بہت اچھی ہے۔ اور آپ نے سنا نہیں۔ جس کا خبر گیراں کوئی نہ ہو۔ اس کا خدا ہوتا ہے۔"

بس۔ خدا ہی کے بھروسے پر تم کو چھوڑے جاتا ہوں۔!

خاور نے اپنے گھر میں سب کو اطلاع دی کہ انھیں خدا نے بٹیا دیا ہے۔ یہ سنتے ہی اختر صاحب بارود کے قلعہ کی طرح بھک سے اڑ گئے۔!

"شرم نہیں آتی خبیث۔ سارے خاندان میں ایک انقلاب آگیا۔ اور ایک جان مفت میں گئی۔ اس کا تو احساس نہیں۔ منھ پھاڑ کے بے شرم کہتا ہے کہ لڑکا ہوا۔ یہ داغ خاندان میں بدمعاش نے داغ لگا دیا۔ آج تک کوئی باہر کی لڑکی نہ آتی تھی نہ گئی تھی"

تو اب آگئی۔" خاور کا منھ سرخ ہو گیا۔ باپ کے مقابلہ میں آواز بلند کر کے ترکی بہ ترکی بولے "آپ کے خاندان کا سلسلہ کس پیغمبر سے جا ملتا ہے کہ ایک لڑکی کے آجانے سے واویلا برپا ہے۔ آپ نے کہاں دیکھا ہے کہ آپ کے آباد اجداد نے باہر کتنے گدھوں کی کیچڑ میں منھ دیا ہے۔ میں نے کم از کم حرام کاری تو نہیں کی۔"

کیا بک رہا ہے۔ مظفر نے تیوریاں بدلیں۔

آپ سے گفتگو کرنا میں بیکار سمجھتا ہوں۔ جناب۔ خاور نے جلتی پر تیل انڈیل دیا۔ آپ میں وہ اوصاف ہی نہیں جو شرفا کا طرۂ امتیاز ہیں۔ آپ دھوکے باز ہیں۔ جعل و فریب سے اپنے بھائی کو ٹھگتے ہیں۔ سبز باغ دکھا کر بیوقوف بناتے ہیں۔ لہذا آپ کے ان خصائل کے پیش نظر میں یہ سمجھتا کہ اس خاندان میں کوئی داغ نہیں لگا۔ یقیناً کوئی باہر کا خون اندر آیا ہے جس کے جراثیم نسلاً بعد نسلاً آپ تک بھی پہونچے ہیں۔ ایک خون باہر کا اور سہی اب تو زبیدہ اور اس کے لڑکے کو آپ سب کو بخندہ پیشانی قبول کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ۔!

ورنہ کے بچے۔ ورنہ کیا؟۔" آگ بگولہ ہو کر مظفران کی طرف جھپٹے مگر ان کا ہاتھ اپنی باہنہ پر روک کر خاور نے کہا" خبردار۔ اب مجھ سے شرافت کی امید نہ رکھیئے گا۔ آپ کی دھونس اب نہ سہہ سکوں گا۔ بعد کو اپنی بے عزتی کی آپ ذمہ دار ہوں گے۔!

وہاں خوب مہابھارت ہوئی۔ مگر خاور نے ہار نہیں مانی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل کیا۔ اور بڑی ڈھٹائی اور بے جگری سے ان سب کے مقابلہ پر تن تنہا ڈٹ گئے۔ جس نے منھ کھولا منھ کی کھائی۔!

کچھ دنوں بعد زبیدہ بچے کو لیکر گھر آگئی۔ اخاور نے دکان کو خیرباد کہا۔ اور ایک پیشہ ور نرس کی طرح بیوی بچے کی نرسنگ کرنے لگے۔ وقت پر کھانا وقت پر ضرورت کی ہر چیز۔ بچے کو خود نہلاتے بھی تھے۔ اس کے ساتھ خوب ٹھٹھے مارتے اور سب کا پیچ وتاب دیکھ کر دل ہی دل میں خوب لطف لیتے اب گھر بھر کی دشمنی مخالفت منافرت ڈھکی چھپی نہ رہی تھی۔ جیسے کو تیسا۔ انھوں نے اپنی دانست میں کوئی ایسا مہاپاپ نہیں کیا تھا جو کبھی معاف کیا ہی نہ جائے۔ ذات پات قوم ونسل کے ڈھکوسلے مہمل چیزیں ہیں۔ انسان انسان سب برابر۔!

اب وہ کسی کا رعب نہ مانتے۔ دکان جاتے اور ضرورت بھر کی رقم لے آتے۔ ایک دفعہ کسی نے ان کی شکایت بڑے صاحب تک پہونچادی۔! خاور کو پتہ چلا۔ انھوں نے مخبر کو مارتے مارتے فرش کر دیا۔ بہرحال گھر والوں کے لئے وہ سانپ کے منھ کی چھچھوندر بن کر رہ گئے۔ اور پھر بالآخر تھک تھکا کر سب نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس کے پیچھے ہی نہ پڑو۔ چھڑانا چھوڑ دے گا!۔

طائر وقت کی پرواز جاری رہی۔ لمحے مہینوں اور برسوں میں اکٹھا ہوتے رہے زمانے نے کئی کروٹیں بدلیں۔ انقلاب آئے۔ کچھ لوگوں نے ساتھ چھوڑا۔ کچھ نئے لوگ پیدا ہوئے۔ لیکن زبیدہ کے حالات نہ بدلے۔ خاور کا دم خم آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگے۔ وہ بڑی بہادری سے اکیلے خاندان کے محاذ پر ڈٹے تھے۔ بظاہر لاپروا تھے۔ مگر غم کا گھن انھیں اندر اندر کھا رہا تھا۔ یہ کیسے ماں باپ ہیں۔ جنھیں ماہتا اور شفقت چھو کر بھی نہیں گزری۔ یہ عجیب سے بہن بھائی ہیں۔ جن کی فطرت میں درگزر عفو، اور مروت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ کیا کیا ہے انھوں نے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ان سب کے دلوں کی نفرت آخر ڈھل کیوں نہیں جاتی۔ قصور وار وہ ہیں۔ زبیدہ ناگردہ گناہ اس کا بیٹا معصوم ہے۔ ان دونوں سے کیسی دشمنی ان لوگوں نے باندھی ہے۔ ان کا لڑکا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل نہیں سکتا، وہ ذہین ہے۔ سب کچھ سمجھتا ہے۔ نظریں پہچانتا ہے اور کسی کے پاس جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ابھی سے اسے احساس ہے۔ اس کے والدین کے ساتھ دوسرے لوگ کس قسم کا رویہ رکھتے ہیں۔ وہ خاموش نگراں ہے۔ معلوم نہیں۔ غصہ اور انتقام کی ہوس اسے مہر بلب رکھتی ہے یا وہ فطرۃً عزت پسند اور خاموش ہے۔

زبیدہ نے خود کو خاد مہ تصور کر لیا۔ احساس کمتری نے اس سے ساری امنگیں چھین لیں۔ وہ خود کو چور سمجھتی تھی۔ جس نے اپنے شوہر کو اس کے کنبہ سے جدا کر دیا تھا۔ اس پر محبتوں کے در بند کر دئے تھے۔ تنہائی میں آنسو بہاتے بہاتے اس کے چہرے کی آب ختم ہو گئی۔ جسم کی طاقت جواب دینے لگی تھی کہ جینے کی خواہش بھی مر گئی۔ اب وہ صرف مرنے کے انتظار میں جی رہی تھی۔

خاور کا بیٹا انور سات برس کا تھا۔ اسے ایک ننھی سی بہن ملی۔ بچی کی

پیدائش نے زبیدہ کو بستر پر گرا دیا۔ انور نے اسے سیدھا علاج کرایا اور
جب وہ بستر سے اٹھی تو پھر باورچی خانے میں چلی گئی اپنی تقدیر بھگتنے کے لئے۔
صاف صاف طعنے ملنے لگے تھے۔

"بیوی ہاتھ پاؤں نہیں ہلاؤ گی۔ تو منہ میں لقمہ کیسے جائے گا۔ انوج تمھارا
مرد دالیں پلنگ کی نواڑ توڑنے اور بچے پیدا کرانے کے سوا کسی کام کا نہیں بغضب
ہے خدا کا۔ آمدنی کے نام سے ہاتھ میں پھوٹی کوڑی نہیں۔ اور کھانے والے
چار چار۔ خزانہ بھی ہوتا قارون کا تو پورا نہ پڑے۔

انور کے بدن کے آہنی تار زنگ آلود ہو گئے۔ جگہ جگہ سے ٹوٹنے لگے
وہ سب کچھ دیکھتے تھے۔ محسوس کرتے تھے۔ مگر اب ان سے ہوتا ہوا کچھ بھی
نہ تھا۔ ملازمت کہیں ملتی نہ تھی۔ مزدوری میں چار نفوس کی گزر بسر دشوار تھی۔
انھوں نے بے عزتی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ منہ سی لیا اور جیتے جی مرحوم ہو گئے۔
شکست ان کے نصیب کی تھی مفلسی بےچارگی اور احساس بے بسی نے ان کے
سارے کس بل نچوڑ ڈالے تھے۔

کسی طرح انھوں نے چودہ پندرہ برس کا بن باس کاٹا۔ اب ان کا ازور
سمجھدار تھا۔ مگر بڑا غصہ ور، خاموش، سنجیدہ۔ اسے حالات کا پورا پورا علم تھا۔
اپنے چچا دادا دادی اور پھوپھی کو وہ حقارت سے دیکھتا۔ ان سب کے لڑکے
تعلیمی معیار سے کمزور تھے۔ ازور نے بڑی جلدی ترقی کر لی تھی۔ گو کہ وہ سرکاری
مدرسہ میں وظیفے کے رحم و کرم پر پڑھتا تھا۔ اس کے لئے عمدہ لباس نہیں سلوائے
گئے۔ کبھی ضروری کتابیں کاپیاں اسے میسر نہیں آئیں بیمار پڑا تو دوا کو ترستا رہا
لیکن وہ ہر طرح مکمل ہوتا گیا۔ ایک خودرو پودے کی طرح جس کی آبیاری
قدرت کے ہاتھ کرتے ہیں۔ سرسبز، شاداب۔ نظروں میں سمانے والا۔

ابھی تک ازور کی نفرت پختہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح مروت کا طالب تھا لیکن بہن کی ناگہانی موت نے اسے آتش فشاں بنا دیا۔

صبا بے حد من موہنی بچی تھی۔ گلابی گلابی رنگت، سیاہ آنکھوں والی۔ بہت بھولی بھالی۔ ضد نہیں کرتی تھی۔ جو کہتے مان جاتی۔ بیچاری دیکھا کرتی کہ اس کی دوسری اچھے اچھے کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ وہ ماں کا منہ دیکھنے لگتی۔!

"امی۔ میرے لئے نئے کپڑے کب بنیں گے۔

زبیدہ کا دل خون ہو کر بہنے لگتا۔ میں اپنی چاند سی بٹیا کو نئے کپڑے پہناؤں گی اچھا۔ رو نہیں۔ بھیا پڑھ لکھ کے بہت بڑا آدمی بنے گا۔ اپنی بہن کو جگ مگ کرتے کپڑے پہنائے گا۔!"

"ابھی بھیا بڑا آدمی نہیں ہے!۔ امی۔؟"

نہیں بیٹی ابھی کہاں بنا۔ ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے۔

اچھا امی میں نہیں روتی۔!" وہ آنسو پونچھ کر ہنس دیتی جیسے ماں کو بہلا رہی ہو۔! اس کا ہر انداز زبیدہ کے زخمی دل پر مزید زخم ڈالدیتا۔ کیا کرے وہ اپنے بچوں کے لیئے۔ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں۔

صبا اپنے بھائی سے پوچھتی "بھیا۔ آپ کب بڑے ہوں گے۔

کیوں "وہ پیار سے مسکراتا۔ اسے بہت چاہتا تھا۔

آپ بڑے ہو جائیں گے تو خوب سا پڑھ لکھ کے نواب صاحب بنیں گے اور میرے جگ مگ کرتے کپڑے بنائیں گے۔

ازور کی مسکراہٹ غائب ہو جاتی۔ کاش وہ اس قابل ہوتا کہ اپنی چھوٹی بہن کی چھوٹی چھوٹی تمنائیں پوری کر سکتا۔!

خاور صبا کو سینے سے لگا لیتے۔

"بیٹی تو نے غریب باپ کے گھر جنم لیا ہے۔ کاش تو کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوتی۔ تجھے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ترسنا تو نہ پڑتا۔

بابا جان۔ آپ نہ روئیے۔ اچھا میں نئے کپڑے نہیں مانگتی۔" صبا ننھے ننھے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھنے لگتی۔

اسے نئے کپڑوں کی شدت سے آرزو تھی۔ خدا نے اس کی آرزو پوری کر دی

ان دنوں شہر میں سردہ کی تیز لہر آئی ہوئی تھی۔ کئی بچے ضائع ہو چکے تھے۔ صبا کو بھی بخار آنے لگا تھا۔ پہلے پہل تو زبیدہ نے گھر کے معمولی علاج آزمائے لیکن مرض بڑھ گیا۔ تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ خاور بھی گھبرا گئے۔ معقول معالجہ کے لئے معقول روپیہ بھی تو درکار تھا۔ وہ خاور کے پاس تھا نہیں۔ ابھی کی حالت تشویشناک تھی۔

اپنے کمرے میں دونوں ماں باپ اس کے آس پاس بیٹھے حسرت سے اس کا منہ تک رہے تھے۔ جو تیز بخار میں اس طرح پژمردہ ہو رہا تھا جیسے دھوپ کی حدت سے تر و تازہ پھول کملا جاتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی۔ اس کی ہر کراہ ان مجبور دلوں پر نشتر بن کر لگتی۔ اور رہ رہ کر وہ پکارتی۔

"امی۔"

زبیدہ اس کے پپڑی بندھے لب چوم لیتی۔

"بابا جان۔"

بیٹی۔ میں تیرے پاس ہوں۔" خاور گلوگرفتہ آواز میں بولتے۔

"بھیا۔"

ہاں۔ صبا۔ میں بھی تو ہوں تمہارے پاس۔" ازور خوش ہو جاتا کہ صبا نے اسے پکارا تو تھا ہوش میں تو تھی۔ بخار اتر جائے گا۔ اچھی ہو جائے گی۔

اس نے اپنے استاد سے پچاس روپیہ ادھار مانگے تھے۔ بہانہ کیا تھا کہ ضروری کتابیں لائے گا۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ بس شام کو ضرور دے دیں گے!۔
وہ صبا کے نئے کپڑے پھولدار جوتے اور جگ مگ کرتی اوڑھنی لانا چاہتا تھا!
خاور نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فوراً اٹھا لیا "بخار بہت تیز تھا۔
خدا رحم کرے۔ کہاں لے جاؤں اسے۔ کون سے ڈاکٹر کو لاؤں۔؟"
پیسہ تو ایک بھی پاس نہیں!" زبیدہ نے کہا اور ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔!
اور ازدر کھڑا ہو گیا" میں لاتا ہوں امی۔ اس کا علاج ضروری ہے بس میں گیا اور آیا۔
ٹھہرو شاید۔ بھائی صاحب دے دیں۔" خاور نے کہا۔ اور کمرے سے نکل کر مظفر کے پاس آئے۔ جیسے خادم آقا کے پاس آتا ہے۔ سہما سا خوفزدہ سا اور ازدر ان کے پیچھے چلا گیا تھا۔
کیا بات ہے۔؟ مظفر نے بھوئیں چڑھا کے پوچھا۔ ان کا انداز ازدر کو سخت ناگوار گزرا۔ اس نے بھی کچھ تلخ لہجے میں کہا۔
چچا میاں صبا بیمار ہے۔ اس کا علاج بہت ضروری ہے۔ بابا جان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ آپ سے کہنے آئے ہیں۔ انھیں رقم کی ضرورت ہے
تو پھر کیا کروں میں۔" مظفر نے کہا۔
پندرہ بیس روپے ہوں تو دے دیجیے۔ میں لوٹا دوں گا۔" خاور نے کہا۔
سرکاری دواخانہ میں شریک کرا دو میاں۔ مفت علاج ہو جائے گا۔"
مظفر نے کہا۔" تنخواہ بڑی دور ہے۔ میرے پاس خود خرچ نہیں ہے۔
پندرہ روپے آپ کے پاس نہیں ہیں۔" ازدر نے کہا۔" کل میں نے

دیکھا کہ منظہر بھائی اور اظہر بھائی اپنے لیے بلیزر جوتے اور کٹیٹی خرید کر لائے
ان فضول چیزوں کے لیئے آپ کے پاس پیسہ ہے۔ ایک انسان کی جان بچانے
کے لیئے آپ اتنی حقیر رقم نہیں دے سکتے۔

ہاں ہاں۔ میں نہیں دے سکتا۔ تمہارے لیئے نہیں کما رہا ہوں ـــ واہ
شاباش باپ ماشاء اللہ بیٹا سبحان اللہ" وہ دہاڑنے لگے۔ تمھاری بہن
بیمار ہے تو میں اس کے لیئے کیا کر سکتا ہوں۔ میرے پاس تم نے کچھ رکھایا تھا
جو لینے آئے ہو۔"

اتنے سنگ دل نہ بنیئے بھائی صاحب" خاور گڑگڑائے۔

چلیئے بابا جان" ازور نے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور نفرت کی ایک
نگاہ اپنے چچا پر ڈال کر مڑ گیا۔ ان سے مدد لینا مجھے منظور نہیں۔!

ہنھ!۔ ان کے جانے کے بعد منظفر استہزائیہ انداز میں بڑبڑائے"
بڑا غیرت مند بیٹا ہے۔ بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

ازور اپنے استاد کے پاس بھاگا۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ ضرور اپنا
وعدہ پورا کریں گے۔ اسے بہت چاہتے ہیں۔ مگر استاد صاحب گھر پر
نہ تھے۔ ازور بے چینی سے ان کا انتظار کرتا رہا۔ ان کی بیوی نے اس
کی بے چینی کا سبب دریافت کیا۔ اس کے رکے ہوئے آنسو ان کی دلدہی
پر بہہ چلے۔ اس نے بہن کی بیماری کی تفصیل سنائی۔

خدا تمھاری بہن کو صحت دے۔ بیٹا۔ مگر اس سلسلہ میں ماسٹر صاحب
کیا کریں گے؟"

جی۔ وہ" وہ ہچکچانے لگا کس کس سے خیرات مانگے۔

کہو بیٹا کیا بات ہے" انھوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ

پھراؔ: وہ شاید دیر کر کے آئیں۔ تم ان سے کیا کہنا چاہتے ہو۔ مجھ سے کہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ضروری کام ہو اور تمھارا نقصان ہو جائے۔!

اور تب رکتے جھجکتے ازور نے اپنا مدعا کہا۔

بیٹے اتنی دیر سے تم چپ کیوں تھے۔ پچاس روپیوں کی کیا حقیقت تھی جو میں نہ دے سکتی۔" انھوں نے اپنے گریبان سے ایک ننھی سی تھیلی نکالی اور سو کا ایک نوٹ اسے پکڑا دیا۔ "جلدی جاؤ۔ اس کا علاج بہت ضروری ہے۔

"میں نوٹ بھنا کے باقی پیسے ابھی آپ کو واپس ——!"

"نہیں نہیں۔ یہ پورے پیسے تم رکھ لو۔ بچی کے دودھ اور پھل کے لیے۔" وہ بے حد شفقت سے بولیں، ان کی واپسی کی فکر نہ کرنا۔ اچھا۔ میں نے جیبیں اپنے بچے کو دے دیے تھیں دے۔ خدا تمھاری پریشانی دور کرے۔ تمھارا اچھا وقت لائے۔ نہیں بیٹا۔ اس طرح روتے نہیں۔ اب جاؤ مگر مجھ سے بہن کی خیریت کہہ جانا۔"

ازور امید و بیم کے احساسات دل میں لیے گھر کی طرف بھاگا۔ بہت خوش تھا۔ وہ یہ پیسے صبا کو دے دیگا۔ اگر اس کے پر لگ جاتے تو وہ اڑنے لگتا۔ راستہ کاٹنا دشوار ہو گیا تھا۔

بگولے کی طرح گھر میں داخل ہوا۔ اور آندھی طوفان کی طرح اپنے کمرے کی طرف چلا۔ دہلیز پر خاور بیٹھے تھے۔ شکست خوردہ، اداس پریشان۔ اندر سے سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔ ازور کے بدن سے کوئی چیز سن سے نکل گئی۔

"بابا جان میں پیسے لے آیا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ مگر خاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اور بس۔ صبا کی کہانی ختم ہو گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید چادر اوڑھے لیٹی تھی۔ زبیدہ فرش پر بیٹھی زار و قطار

رو رہی تھیں !۔

امی ۔ میری صبا “ ازدر کے لبوں سے نکلا ۔ !

” بیٹے وہ چلی گئی “

ازدر نے بڑھ کر صبا کے چہرے پر سے چادر ہٹائی ۔ اسے کسی طرح یقین نہ آسکا ۔ وہ مرچکی تھی ۔ اس کا نرم سفید چہرہ مسکراہٹ کے نور سے دمک رہا تھا ۔ نیم وا لبوں سے ننھے ننھے موتی ایسے دانت جھانک رہے تھے ۔ پلکیں نیم وا تھیں ۔ گردن ایک طرف پھیرے وہ بے خبر سو رہی تھی ۔

صبا ۔ صبا ۔ جاگو ۔ اٹھو ۔ ازدر دیوانہ وار چلایا ” میں تمھارے لئے بہت سے پیسے لے آیا ہوں ۔ میری بہن تم نے میرا انتظار بھی نہیں کیا ۔ چلی گئیں “ اور پھر وہ اس کے قدموں میں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔

صبح دس بجے جب صبا کا ننھا سا جنازہ گھر سے نکلا ۔ تب کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ازدر کی تڑپ پر گریہ کناں نہ ہو ۔

” تو نے نئے کپڑے پہن لئے ۔ صبا ۔ تجھے نئے کپڑوں کی بہت آرزو تھی ۔ مگر یہ کیسے کپڑے ہیں جو تو نے پہنے ہیں ۔ صبا ۔ چلی آ ۔ واپس آجا میری بہن ۔ تو کہاں جا رہی ہے تو اکیلی کیسے سوئے گی ۔ تجھے تو رات کے اندھیرے سے ڈر لگتا تھا ۔ صبا صبا ۔ آواز دے پکارے تجھے “

وہ جنازے کے پیچھے روتا سسکتا اور اسے آوازیں دیتا چلا گیا ۔ جب صبا کی قبر بن چکی ۔ تب وہ بے ہوش ہو کر مٹی کے ڈھیر پر گر پڑا ۔ اور ہوش میں آیا تو دیوانے کی طرح مٹی ہٹانے لگا ۔

” ہٹادو ۔ یہ بوجھ میری صبا کے سینے سے نکالو اسے ۔ وہ مجھے پکار رہی ہے اس کا دم گھٹ جائے گا ۔ وہ مر جائے گی ۔ ہٹادو یہ مٹی ۔ میں اسے گھر لے

جاؤں گا۔

خاور کو اندیشہ تھا ازور صبا کے غم میں پاگل نہ ہو جائے۔ انھوں نے اپنی آواز سنبھال کر اس سے کہا۔

بیٹا۔ تم نے علامہ اقبال کا "ماں کا خواب" پڑھا تھا۔

"ہاں" وہ زار زار رونے لگا۔

"ماں کے آنسوؤں نے بیٹے کے ہاتھ کا چراغ بجھا دیا تھا" خاور کو کہنے میں بڑی دشواری ہو رہی تھی۔ آنسوؤں میں ان کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔ وہ کھنکھار رہے اور ضبط کر کے بولے "تمھارے آنسو صبا کے ہاتھ کا چراغ بھی بجھا دیں گے۔ بیٹا صبر کرو۔ تم یہاں رو رہے ہو۔ مگر تمھاری صبا اپنی جنت میں کھیل رہی ہوگی اسے اب یاد نہ کرو۔! وہ واپس نہیں آئے گی ازور۔ کبھی واپس نہیں آئے گی۔

اور پھر جب زبیدہ کے آنسو بہتے تو ازور اسے منع کر دیتا۔ امی نہ روئیے۔ آپ کے آنسو صبا کا چراغ بجھا دیں گے۔ امی صبر کیجیے"۔

گھر والے کچھ عجیب چور سے بن کر رہ گئے تھے۔ انھیں ندامت اور پشیمانی نے ان غم رسیدوں سے دور کر رکھا تھا۔ انھوں نے اپنی پشیمانی کا اظہار نہیں کیا۔ اپنی سنگدلی اور بے مہری پر معافی نہیں مانگی۔ اسی طرح آپس کی رنجش دور ہو جاتی ان لوگوں نے رسمی سا پرسہ دیا۔ اخلاقاً صبر کی تلقین کی اور بس اسی قدر رحم کیا کہ زبیدہ کو آزادی سے غم منانے کے لئے کچھ دنوں کے لیے باورچی خانے سے چھٹی دیدی۔!

دوسرے تیسرے روز ازور نے اپنے ماسٹر صاحب کی بیوی کو صبا کی ابدی جدائی کی خبر سنائی۔ وہ بے چاری اس کی مغموم شکل اور سوگوار انداز دیکھ کر بہت دکھی ہوئیں۔ اس کے حالات پوچھتی رہیں۔ ازور نے ان سے اپنا اور اپنے ماں

باپ کی زندگی کی ساری داستان بلاکم و کاشت کہہ سنائی۔ وہ بے حد متاثر ہوئیں۔ ماسٹر صاحب بھی موجود تھے۔ وہ تو ازدر کی تعلیمی حالت اس کے عادات اطوار جانتے تھے۔ دونوں میاں بیوی بڑے نیک خدا ترس اور ہمدرد تھے۔ ماسٹر صاحب نے ذمہ لیا وعدہ کیا کہ اب وہ ازدر کو خود پڑھائیں گے۔ ان کی صرف ایک ہی بچی تھی۔ انھیں بیٹے کی تمنا تھی۔ ازدر ان کے خوابوں کی تعبیر بن گیا تھا ماسٹر صاحب نے اسے سرکاری مدرسے سے اٹھا کر شہر کے بڑے اسکول میں داخل کرا دیا۔ اس کے لئے عمدہ لباس، ضروریات کی تمام چیزیں فراہم کیں۔ اس کا وظیفہ مقرر کرا دیا۔ اور اس طرح ازدر ان کے طفیل تعلیمی میدان میں فراٹے بھرنے لگا۔!

سولہ سال کی عمر میں اس نے بڑے اچھے نمبروں سے انٹرنس پاس کر لیا۔ اور بی۔ اے میں آ گیا۔ اسے ننھی ایک چھوٹی سی مسرت ملی۔ اس کے چچا کے یہاں ایک ننھی سی گڑیا پیدا ہوئی۔ اس میں ازدر کو صبا کی شبیہہ نظر آتی تھی۔ ویسی ہی سفید سفید جوہی کی کلی کا سا رنگ تھا۔ نازک نازک گلابی گلابی ہونٹ تھے ستاروں کی سی چمکیلی آنکھیں تھیں۔ ازدر کو حالانکہ اپنے چچا سے سخت نفرت تھی مگر یہ تو اس کی اپنی بہن تھی۔ وہ اسے بہت چاہتا تھا۔ اب وہ ایک تنومند، خاموش، غصہ ور اور سخت گیر لڑکا تھا۔ جس سے مظفر کچھ مرعوب رہنے لگے تھے۔ وہ اپنی چچا زاد ننھی سی بہن زارا کی خاطر ان کی طرف جاتا تو کوئی کچھ نہ کہتا۔ وہ اسے لے آتا۔ گھنٹوں اس سے کھیلا کرتا۔ زارا جسے سب پیار سے جنیا کہتے تھے۔ وہ بھی اس سے بہت مانوس تھی۔ وہ دکھائی نہ دیتا۔ تو رونے لگتی۔ ازدر اسے گھٹنوں پر جھلاتا۔ کندھے پر بٹھائے پھرا کرتا۔ اپنی فرصت کا سارا وقت جنیا سے کھیلنے میں گزار دیتا۔!

بد قسمتی کا منحوس سایہ ابھی اس کے سر سے ہٹا نہ تھا۔! اس کے اور ماسٹر

صاحب کے بلند عزائم نے پھر موت نے اپنی تاریک پرچھائیں ڈالدی۔ ماسٹر صاحب قلب کے دورے میں ختم ہوگئے۔ ان کی دل شکستہ بیوہ اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں اس طرح ازدر کی تعلیم میں بڑی رکاوٹ پڑ گئی۔ اس کے سامنے رہائش، خورد ونوش اور تعلیم کے درجنوں مسائل تھے۔ حل کوئی نہ تھا۔ اب وہ نوجوان تھا۔ سارے حالات جانتا تھا۔ باپ شکستہ، ماں بدحال، عزیز اقارب سنگدل۔ وہ بوکھلا گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری۔ بہر صورت وہ تعلیم حاصل کر کے کسی درجہ پر پہونچنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں اس نے ایک خانگی فیکٹری میں ملازمت اختیار کرلی۔ لیکن اس طرح وہ تعلیم پر خاطر خواہ توجہ نہ دے سکا۔ اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اور پھر بہت بڑا سوالیہ نشان اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اب کیا ہوگا۔؟

مظفر صاحب کے بڑے لڑکے جو تعلیمی حیثیت سے صفر تھے۔ کچھ ہنر حاصل کر کے غیر ممالک جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ وہاں جانے کے بعد خاکروب اور بیرے تک گھر والوں کے لئے سعودی عربیہ کے شہزادوں سے کم نہیں ہوتے۔ کون دیکھتا ہے کہ کس کا نور چشم سڑکوں پر جھاڑو دے رہا ہے۔ ہوٹل کے برتن دھو رہا ہے۔ ڈرائیوری کر رہا ہے۔ وہ تو اپنے عزیز اور احباب کو صرف وہ چیک یا ڈرافٹ فخریہ دکھاتے ہیں جس پر مرعوب کن رقم درج ہوتی ہے۔ اس سے والدین کو کیا مطلب کہ وہ کتنی ذلتوں کے بعد ان کے صاحبزادوں کے ہاتھ آئی ہے۔

مظہر اور اظہر ڈگری ہولڈر تو نہیں تھے۔ صرف مکینک تھے۔ جب ان کا مستقبل سنہرا ہوسکتا تھا تو پھر ازدر کیوں نہ قسمت آزمائی کرتا۔ اس کا ارادہ A - C کرنے کا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تقدیر ایک روز اس کے سامنے سرنگوں ہوگی۔!

اور ایک، آدھ سال اس نے بڑی مشکل سے بسر کیا۔ چپکے چپکے ضروری کارروائی کرتا رہا۔ جب اس کے پاس معقول وسائل ہو گئے تو وہ کسی سے کہے بغیر گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ صرف ماں کے نام ایک پرچہ لکھ گیا تھا۔ وہ پریشان نہ ہوں۔ فکر نہ کریں اس کی یاد میں آنسو نہ بہائیں۔ وہ اپنا مستقبل بنانے جا رہا ہے ابھی منزل کا نشان نہیں ہے بس جادۂ ہمت پر قدم بڑھا رہا ہے۔ امی اور بابا جان دعا کریں۔ اسے منزل بھی مل جائے۔ وہ ان کے راحت و آرام کی خاطر آوارۂ وطن ہوا ہے۔ بہت جلد واپس آئے گا۔

زبیدہ جو رنج و غم کی خوگر ہو چکی تھی وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی۔ چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ اور ازور۔ ازور۔ کے نام کی رٹ لگاتی رہی۔ خاور اس عمارت کی طرح بیٹھ گئے۔ جس کی بنیادوں میں پانی آ گیا ہو۔ ان کے حواسوں پر بھی کچھ اثر ہو گیا تھا۔ کبھی خاموش بیٹھے رہتے۔ کبھی خود کلامی میں مصروف ہو جاتے ان کی شکل دیکھ کر عبرت ہوتی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ چہرہ داڑھی مونچھوں سے جنگل بنا ہوا جسم پر میلا پُرشکن معمولی لباس، آنکھوں سے بے چارگی بے بسی عیاں رہتی!۔ ان کی حالت دیکھ کر زبیدہ اپنا غم بھولنے لگی بیٹا پردیس سدھارا۔ آ جائے گا۔ لیکن اس کا سہاگ اس کے سر کا تاج بنا رہے۔ یہی بہت ہے۔ وہ ان کی جی جان سے خدمت کرتی۔ انھیں تسلیاں دیتی۔ وہ اتنے متاثر اور پریشان نہ ہوں۔ مگر ان تمام باتوں کے جواب میں خاور بچوں کی طرح رونے لگتے۔!

”زبیدہ۔ دنیا نے مجھے کچھ بھی نہ دیا۔ میں تمھیں کچھ نہ دے سکا۔ کاش میں تم سے ملا ہی نہ ہوتا۔ تم کسی اچھے گھر میں جاتیں، جہاں تمھیں پیار، محبت، دولت اور آرام ملتا۔! میرے گھر والوں نے تمھیں ستایا ہے جلایا ہے رلایا ہے۔ میں

اتنا بدنصیب ہوں کہ میں ان تمام تلخیوں کا کوئی مداوا بھی نہیں کر سکا۔ نجانے کیا گناہ کیا تھا میں نے۔ جس کی یہ سزا ملی ہے۔ زندگی عذاب ہے۔ دل پر داغ لگے ہیں۔ خوشی کوئی سزاوار نہیں۔ بچی چلی گئی۔ اور دوسرے سہارا تھا۔ وہ یوں چھوڑ گیا۔ کب تک دکھ سہتا۔ کب تک برداشت کرتا۔ اب وہ نہیں آئے گا۔ یونہی اس نے مجھے اور تمھیں بھلا دیا ہے۔ نجانے کہاں گیا ہے۔ کب آئے گا۔ کیا کر رہا ہے۔ اسے معلوم نہیں ہے اس کی یاد میں ہم کتنے بیقرار ہیں۔ اپنے اچھے مستقبل کی خاطر اولاد ماں باپ کے حق میں کتنی سنگدل بن جاتی ہے۔ میں اور پیسہ پیسہ کہاں مانگتا تھا۔ میں تو صرف یہی چاہتا تھا کہ وہ میرے سامنے رہے میں اس کی شکل دیکھ دیکھ کر جیتا رہوں۔ سے یہ گمان کیسے ہوا زبیدہ کہ میں اس کی کمائی کھانا چاہتا ہوں۔ شاید اسی لئے اس نے مجھ سے نہیں کہا۔ کہ میں اسے زبردستی روک لیتا۔ چپ چاپ چلا گیا۔

غم کی ماری زبیدہ دل پر پتھر رکھ کر خاوند کو سمجھاتی "خدا جانے آپ اس طرح درد کر اور سوچ سوچ کر اپنا کیا حال کر لیں گے۔ صبا اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی۔ آپ کو آل کربلا کے دکھ یاد نہیں۔ کس طرح ایک ایک فرد نے اللہ کی امانت اس کے سپرد کر دی۔۔۔ دل چھوٹا نہ کیجیے۔ آپ پریشان ہو گئے ہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھیے آپ کو معلوم ہے کہ یہ آزمائش ہے۔ ایک دن نہ رہے گی۔ اور کچھ سوچ کر گیا ہے۔ وہ بہت سمجھدار لڑکا ہے۔ یقیناً کچھ کر کے لوٹے گا۔ اچھا سچ بتائیے۔ اگر وہ آپ سے جانے کی اجازت طلب کرتا تو کیا آپ اس کے مفاد کی خاطر اسے جانے کی اجازت نہ دیتے۔؟ روک لیتے اسے۔؟ وہ ہمارے ہی لئے تو گیا ہے۔ خوب بڑا آدمی بن کر آئے گا۔ چند روز اس کی جدائی کا صدمہ رہے گا!۔ پھر اس کے خط آنے لگیں گے۔ وہ اپنا حال لکھے گا۔ اس کی خوشی سے آپ کو کتنی خوشی کتنا اطمینان ہوگا۔ سوچیے نا۔ دن ہوا کی طرح گزر رہے ہیں

گزر ہی جائیں گے۔ کیا آپ کو آرزو نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا چٹان کا سا مضبوط اور سمندر کی طرح مالا مال آپ کے پاس آئے۔

"بہت آرزو ہے۔ زبیدہ۔ بہت ہے!"

بس تو پھر صبر و سکون سے انتظار کیجیے۔

دل نہیں مانتا۔!

میری صورت بھی تو دیکھا کیجیے!۔

آپ کو صرف اپنا احساس پیارا ہے آپ کو میری پرواہ نہیں رہی۔ مجھ سے کچھ نہیں پوچھتے آپ کیسی ہو کیا گزر رہی ہے تمھارے دل و دماغ پر۔"

نہیں نہیں۔ وہ بے چین ہو جاتے۔ زبیدہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اس کے بالوں میں لب چھپا کر سسکیاں بھرنے لگتے۔ "تم میری سب کچھ ہو۔ تم میری زندگی ہو۔ میرے جسم میں تمھاری محبت روح بن کر دوڑ رہی ہے۔ تمھاری محبت کی مضبوطی نے مجھے زمین پر کھڑا رکھا ہے۔ تمھاری صورت ہی دیکھ دیکھ کے جی رہا ہوں۔ تمھارے قرب کا احساس مجھ میں نئی طاقت سمو دیتا ہے۔ زبیدہ۔ مجھے یہی تو غم ہے کہ میں نے سب سے زیادہ دکھ تمھیں کو دئے۔

ایسا مت سوچیے۔ آپ سے میری دنیا بھی ہے دین بھی۔" وہ ان کے ہڈیوں بھرے سینے پر سر رکھ دیتی۔ اور اسے محسوس ہوتا۔ وہ ایک مضبوط قلعہ میں ہر طرح محفوظ و مامون ہے۔! خاور کی ذات کا سہارا اس کے لئے بہت بڑا سہارا تھا۔ کیونکہ وہ اب بھی اس سے اتنی ہی شدید محبت کرتے تھے۔ جو اپنے شباب کے اولیں دور میں ان کا خاصہ رہی تھی۔ صرف اسی کی بھلائی کی خاطر انھوں نے ساری دنیا کی شکلیں اور مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ وہ اسے سہارا نہ دیتے یا پلٹ جاتے اپنے خاندان کی طرف تو ان کا گلہ بھی کیا تھا۔

وہ مجبور تو نہ تھے!۔ ان کی یہ بدترین عبرتناک حالت صرف اسی کی وجہ سے ہوئی تھی
زبیدہ انھیں حقیقی معنوں میں خدا کے بعد اپنا خدا مانتی تھی۔!
بہرطور وہ انھیں تسلیاں دیتی تھی مگر اسکی باتیں خود اس کے مجروح دل پر خنجر زنی
کرتی تھیں سب جھوٹ ہے سب طفل تسلی ہے۔ انھیں اب ازور کے بغیر ہی رہنا ہے
یہ غم دینے کی بجائے اور ابھرتا تھا۔ سکون کے بجائے اضطراب بڑھتا آنکھیں جلتیں
مگر کوئی آنسو انھیں تر نہیں کر سکتا۔ دل سے ایک غبار سا اٹھتا۔ آہوں کا دھواں جو
سارے وجود پر محیط ہو جاتا۔ ایک طویل ابدی تاریک رات اس پر امنڈ آتی اور
اسے یوں محسوس ہوتا کہ اس بھیانک کالی رات کی سحر کبھی نہیں ہو گی۔ حشر تک نہیں۔
ازور کے خط آنے لگے۔ وہ اٹلی پہونچ گیا تھا۔ اور ہر طرح دل جمعی سے اپنا
پسندیدہ مضمون پڑھ رہا تھا۔ اسے ایک شیشہ فیکٹری میں پارٹ ٹائم جاب بھی مل
گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے اخراجات کی تکلیف نہیں تھی۔ اس نے ماں باپ
کی بہت ڈھارس بندھائی تھی اور یقین دلایا تھا۔ کہ وہ بہت جلد پڑھ لکھ کے
اس قابل ہو جائے گا کہ ان کی خدمت کر سکے۔

خاور کی کس مپرسی اور زبیدہ کی خدمتوں اور بے زبانی نے اختر صاحب، مظفر
اور گھر کی خواتین کو قدرے نرم کر دیا تھا۔ صبا کی موت نے کچھ اور گداز کیا۔ جو آپ
ہی مر رہا ہو اسے مزید مارنا کیا۔ اختر صاحب جو بڑھاپے کی وجہ سے کچھ سٹھیا
گئے تھے۔ اب پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کہ کون کس حال میں ہے۔ اماں بھی خاصی
ضعیف ہو چکی تھیں۔ اقتدار مظفر صاحب اور ان کی بیگم کے حصے میں آیا تھا

ان لوگوں کے دلوں میں میل تو اب بھی تھا جس کا اظہار بے رخی اور بے مہری سے کرتے تھے ہی مگر صبا کے مرنے کے بعد سے کسی قدر مروت کرنے لگے تھے۔۔ وہ اچانک ہی ازور کے لائے ہوئے انقلاب کے نتیجہ میں پھر سخت گیری اور تنفر میں بدل گیا۔ ازور کی عمر ابھی اتنی نہیں تھی کہ وہ یوں ترقی کر کے زینے پھلانگتا۔! اس کا بدلہ مظفر اور ان کی بیگم صاحبہ خاتون نے ناکردہ کار جاور اور بے گناہ زبیدہ سے لیا کہ پھر سے زبیدہ کو گھر کی خادمہ بنا کر رکھ دیا۔ اس پر حذمتوں کا دہرا بوجھ لاد دیا۔ سخت سست سنانے لگے۔

زبیدہ جو اپنی تقدیر سے بالکل ہار چکی تھی۔ اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے ہونٹ سی لیے۔ اس کا بھرم کس پر تھا۔ وہ کس پر ناز کرتی۔ پشت پناہ ہی کون تھا۔ جبر و ظلم خاموشی سے سہتی رہی۔ جاور اب بالکل مضغۂ گوشت تھے۔ ان کے پنجر میں بس سانس چل رہی تھی۔ ماضی کے سارے دکھ اور کرب یکبارگی زندہ ہو کر ان کے دل و دماغ پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ اور مدافعت کی بجائے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔! ایک کونے میں چپ چاپ اپنے بستر پر پڑے سوچا کرتے شاید وہ اتنے خود فراموش ہو چکے تھے کہ اب اپنے ساتھ اپنی مظلوم بیوی اور دور افتادہ بیٹے کو بھی بھول چکے تھے۔! زبیدہ ان کے رنگ دیکھ دیکھ کے خوفزدہ ہوا کرتی۔ یا الٰہی اب کون سا پہاڑ اس پر ٹوٹنا ہے۔ اس نے قسمت کا ہر ستم جھیل لیا۔ مگر۔ اور آگے سوچتے ہوئے اس کا دل ڈوب جاتا۔! جاور کے بغیر زندہ رہنے کا تصور ہی دشوار تھا۔

اب تو جاور کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے جاگتے میں سویا کرتے تھے کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا۔!

"کھانا کھا لیجیے۔" زبیدہ کہتیں۔

"اچھا۔"

پانی رکھ دیا ہے۔ کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔ نہا لیجئے۔

نہائے لیتا ہوں۔ چلو۔

کچھ باتیں کیا کیجیے منا۔ آپ تو بالکل گم صم ہو کر رہ گئے ہیں۔ میرا دل گھبراتا ہے

کیا باتیں کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اچھا۔ باتیں تم کرو۔ میں سنتا ہوں

انور کو خط لکھ دیجئے۔ وہ منتظر ہوگا۔

کیا لکھوں؟ میرا دماغ بالکل خالی [illegible] ہے۔ زبیدہ۔ تم لکھ دو۔ اسے فقط میری طرف سے بہت بہت دعا پیار لکھ دینا۔ اور یہ بھی لکھنا کہ جلد چلا آئے اسے دیکھنے کا بہت دل چاہتا ہے۔

کتنے دنوں تک وہ ایسے ہی مبہوت اور از خود رفتہ سے رہتے تھے۔ ایک دفعہ زبیدہ نے کسی نہ کسی طرح ساجدہ خاتون سے کہا تھا کہ ڈاکٹر کا علاج [illegible] ان کی حالت کچھ دگرگوں ہے۔

اپنے سسر سے کہو بیوی۔" وہ صاف بول دیں۔ "میں کون ہوتی [illegible] آپ ہی کہئے بھابی۔ میں نے کبھی ان سے بات نہیں کی۔

کیوں۔ کیا انور نے پیسے نہیں بھجوائے۔ وہ زہر خند کرتی ہو[illegible] کو لکھو کہ باپ کے علاج کے لئے پیسہ بھجوائیں۔

اور بات ختم ہو گئی۔

زبیدہ کو حیرت ہوتی رونا آتا۔ اب تو وہ خدا سے شکوہ کر[illegible] سارے ناٹک کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیوں دونوں جہان [illegible] کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہا ہے۔ اسے ان کی بے بسی، مظلو[illegible] پر رحم نہیں آتا۔

دن بھر زبیدہ کا خدمتوں میں گزر جاتا۔ اور رات کو وہ سجدے میں گر کر اپنے شوہر کی صحت و زندگی کی خدا سے بھیک مانگا کرتی۔

لیکن۔ شاید خدا کو ابھی اس کی کوئی کڑی آزمائش منظور تھی۔! اس کی زندگی کی کشتی جو ابھی حالات کے بحر ذخار میں چکرا ہی رہی تھی وہ دفعۃً بہت بھیانک گرداب بلا میں پھنس گئی۔!

خاور پر کمزوری کا بڑا غلبہ تھا۔ اور کمزوری ہر قسم کی بیماری کو دعوت دیتی ہے۔ یہاں تو جسم کے ساتھ ساتھ ان کا ذہن اور دل دونوں ہی متاثر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر دل کے دورے پڑنے لگے۔ ایک حملہ تو انھوں نے کسی نہ کسی طرح سنبھال ہی لیا۔ اختر صاحب اور مظفر کے کانوں پر اب جوں رینگی تھی۔ انھیں اپنی طرف لے آئے تھے۔ اماں کی مامتا نے اب انگڑائی لی تھی ... واویلا مچا کر مظفر کو ان کے علاج پر مجبور کیا۔ علاج ہوا بھی۔ لیکن قدرت ... اور کے دکھوں کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی۔

... ی سے ٹھٹھرتا ہوا دن رات کے تاریک کمبل میں سمٹ رہا تھا۔ گھر ... تنیاں جگنو کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ آسمان سے غیر محسوس شبنم ... ر چیز گیلی گیلی۔ نم آلود اور عجیب سی افسردہ کن تھی۔!

... ف اوڑھے اپنے بستر پر خاموش لیٹے تھے۔! زبیدہ ان کے پہلو ... کا چہرہ تک رہی تھی۔ جس پر ناقابل برداشت دکھ اذیت اور ... خساروں پر داڑھی پھیلی تھی۔ مونچھوں نے دہانہ چھپا رکھا تھا۔ ... فوں میں اتر چلی تھیں!! چہرہ زرد تھا۔ ہلکی ہلکی سانسیں ...

... کی بچی زارا اپنا پچی کے گھٹنے سے لگی کھڑی تھی۔ بہت پیاری

بھولی بھولی چار سال کی بچی تھی!۔ اس نے معصوم نظروں سے زبیدہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چچا جان کیوں سو گئے چچی جان؟۔ ہماری مانو کا گھر بھی نہیں بنایا انھوں نے انھیں جگائیے نا چچی جان!"

ان کا جی اچھا نہیں ہے بیٹی۔ سو رہے ہیں۔ جب جاگیں گے تو میں کہوں گی کہ سب سے پہلے جنیا، کی گڑیا کا گھر بنا دیں۔!اچھا؟" انھوں نے اسے چمکارا۔

نجانے کیوں دفعتہً زار زار بلک بلک کے رونے لگی "چچا جان کو جگائیے۔ وہ سو کیوں گئے ہیں"

زبیدہ نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا۔! دیر بعد وہ چپ ہوئی اور ان کے سینے سے لگی سسکیاں لیتے لیتے سو گئی۔ اسے دوسرے پلنگ پر لٹا کر زبیدہ نے پلٹیں تو دیکھا۔ خاور انھیں دیکھ رہے تھے۔! دنیا بھر کی حسرتیں ان کی آنکھوں میں رو رہی تھیں۔

زبیدہ؟" انھوں نے عجیب سی غیر فطری آواز میں پکارا۔

جی۔" وہ ان پر جھکیں۔ اور دو آنسو آنکھوں سے نکل کر خاور کے چہرے پر گرے دوسرے لمحے وہ ان کے سینے پر سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ خاور نے اپنے کمزور ہاتھوں میں ان کا چہرہ تھام لیا۔

"زبیدہ نہ رو۔ چپ ہو جاؤ۔ دل رک جائے گا میرا۔ خدا کے واسطے اپنے آنسو پونچھ لو۔ آہ زبیدہ! دور آئے گا۔ تمھارے دکھ سکھ سے بدل جائیں گے جہاں ہم نے اتنا صبر کیا ہے۔ وہاں کچھ اور سہی۔ نہ رو۔ نہ رو۔!"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں" وہ سیدھی ہو بیٹھیں۔ اور خوفزدہ نظروں سے شوہر کا چہرہ تکنے لگیں۔ جس پر عجیب سی سفیدی اور زردی کا امتزاج تھا۔ خاور نے

کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" کچھ اوڑھا دو مجھے۔ بڑی سردی ہے۔ دل میں اتری جارہی ہے۔ نجانے کیا ہو رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ بھائی صاحب کو بلالاؤ۔ اف خوہ "

وہ دفعتہً بے قرار ہونے لگے۔ زبیدہ کی پنڈلیاں کانپنے لگیں۔ یکبارگی سارے جسم سے پسینہ ابل پڑا۔

وہ گرتی پڑتی دالان میں آئیں۔ سب تختوں پر بیٹھے تھے۔ نیچے ایک بڑی سی انگیٹھی میں نیچے کوئلے دہک رہے تھے۔ ایک طرف عزیزہ بیگم بیٹھی مونگ پھلی اور گڑ پاگ رہی تھیں۔ گڑ کی میٹھی میٹھی سوندھی مہک دالان بھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ان میں کچھ ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ زبیدہ کو دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔

بھائی صاحب۔ جلدی چلئے۔ زبیدہ نے دل تھام کر کہا۔" وہ" نجانے کیوں بہت بے چین ہو رہے ہیں۔

اختر صاحب کے ہاتھ سے طشتری چھوٹ گئی۔ اماں نے ایک ہائے بلند کی مظفر جلدی سے شال گھٹنوں پر سے اچھال کر کھڑے ہوئے۔ اور ملازم سے بولے۔ انگیٹھی خاور کے کمرے میں لے جائے اور خود جھپٹتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔!

ان کے پیچھے پیچھے سب چلے گئے۔! مظفر نے تیز بلب آن کر دیا اور مڑ کر خاور پر جھکے۔! ان کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی کہ مظفر جلدی سے سیدھے ہو گئے اور اپنے بہنوئی مقصود احمد سے بولے۔" جلدی سے جاکر ڈاکٹر صاحب کو لے آؤ۔ مجھے تو آثار اچھے نظر نہیں آتے۔

خدا رحم کرے۔" مقصود میاں نے کہا اور کانوں پر مفلر لپیٹے ہوئے چلے گئے۔

خاور؟ ۔" اختر صاحب ان کے پاس بیٹھ گئے۔

ابا جان۔!" خاور کے لبوں سے نکلا۔

بیٹے کیا ہو رہا ہے۔" اماں کو اب ہوش آیا۔ زار۔ زار رو رہی تھیں
اماں معاف کر دیجیئے گا مجھے۔" خاور نے مدہوشی سے لہجے میں کہا۔" میں نے
آپ کا دل دکھایا تھا۔ آہ اماں۔ میں نے زبیدہ سے نکاح کر کے کوئی ایسا گناہ
تو نہیں کیا تھا۔ جو آپ معاف نہ کر سکتیں۔ کتنی بہت سی نفرتوں کا زہر پیا ہے
میں نے۔!

خاور۔ ایسی باتیں نہ کرو۔" مظفر نے کہا۔

زبیدہ بہت دکھی ہے۔ اماں۔ خاور نے کہا۔" اسے۔ میرے بعد۔ کوئی دکھ
نہ دیجیئے گا۔ وعدہ کیجیئے۔ وہ بھی ہمیشہ روئی ہے۔ مجھ سے وابستہ ہو کے اس نے
کسی خوشی کا منہ نہیں دیکھا۔ آہ۔ میرے بعد۔ بالکل اکیلی رہ جائے گی۔ معلوم
نہیں ازور کب آئے گا۔ اللہ اللہ۔ بڑی دور چلا گیا۔ بڑی دور۔!"

وہ سسکیاں لے کر رونے لگے۔ کمرے میں ایک حشر سا اٹھ گیا۔ گریہ
وزاری نے خاور کی سانسیں درہم برہم کر دیں۔ مقصود میاں ڈاکٹر کو لے کر آ گئے
تھے اس نے جلدی جلدی معائنہ کیا اور نبض دیکھی۔ پھر ہونٹ بھینچ کر مظفر کی طرف
مڑ گیا۔

کیا بات ہے؟" مظفر کا دل ڈوبنے لگا۔

مجھے افسوس ہے!" ڈاکٹر نے کہا۔

کیا؟" مقصود میاں کی زبان سے نکلا۔

کیا عرض کروں جناب اللہ کی مرضی یہی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ اور اپنا بیگ
اٹھا لیا۔

خاور۔ خاور۔!" کمرہ گونج اٹھا۔

مگر خاور صاحب دفعتاً بڑی پرسکون میٹھی نیند سو گئے تھے۔ ان کی نیم باز

آنکھیں زبیدہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ جن پر مقصود میاں نے ہاتھ رکھ دیا۔

ان کے مرنے کے بعد ان کی سوئی ہوئی محبت اماں کے دل میں بیدار ہوئی۔ اب وہ پاگل ہو رہی تھیں۔ شب و روز کا چین حرام تھا۔ رہ رہ کر باہر بھاگتیں۔ میرا خاور سردی میں سو رہا ہے اسے لحاف اڑھا آؤں۔ ہائے میں اس سے خفا کیوں تھی۔ ارے اس نے کیا گناہ کیا تھا جس کی میں نے سزا دی۔ اسے مارا پیٹا تھا۔ اسے کوسا کاٹا تھا۔ کیا گزری ہو گی اس کے دل پر۔ ہائے بچی کی بیماری میں مجھ سے دس روپے بھیک مانگنے آیا تھا۔ میں نے نہیں دئے۔ یہی داغ اس کے دل پر لگا تھا جو ناسور بن گیا۔ خاور چلا آ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ۔ میں تجھے سینے سے لگا لوں گی۔ تیرے سارے دکھ سمیٹ لوں گی۔ تیرا منہ چوموں گی۔ جس منہ سے تو نے "اماں" کہہ کے پکارا تھا۔ اور اماں ناشاد نے منہ پھیر لیا تھا۔ خاور آواز دے مجھے۔ پکارے مجھے۔

اور بالآخر خاور نے انھیں آواز دے ہی لی۔ بڑی بی دو سال مسلسل اختلاج جو اس کی مریض رہیں۔ ان کی تیمارداری میں زبیدہ اپنا کرب فراموش کر گئیں۔ ان کا حال بدتر تھا۔ سفید کپڑے۔ بکھرے ہوئے لمبے لمبے بال۔ جن میں ابھی ایک ایک بھی تار سفید نہ تھا۔ ان کی حالت پر سب کو رحم آ جاتا۔ مگر نہ آتا تو ساجدہ کو جن کے دل پر اپنی بہن کی موت کا داغ بالکل تازہ تھا۔ وقت کی گرد بھی جس داغ کا کفن نہ بن سکی تھی خاندان بھر کے بدترین انقلاب کی جڑ ان کی دانست میں زبیدہ تھیں صرف زبیدہ

اماں ایک دن چپ چاپ خاور کے پاس چلی گئیں۔ ان کے بعد اختر صاحب جو بھس بوجھ بن کر رہ گئے تھے۔ وہ زبیدہ کے سر لگائے گئے۔ خالو بستی ہو کم از کم بڑے میاں کی خدمت ہی کرو۔ آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ نوکر رکھا جائے

زبیدہ پرنیا ستم ٹوٹا۔ بڑے میاں شروع ہی سے قہر مجسم تھے۔ خبطی ہو کر اور بھی آپے سے باہر رہنے لگے۔ ہر وقت گھڑکیاں۔ جھڑکیاں۔ لعنت ملامت سخت سست زبیدہ کا نصیب بن کر رہ گیا۔! بے چاری شوہر کا سوگ بھی نہ منا سکی!۔ اب وہ اکیلی تھیں۔ اس لق ودق خرابہ کائنات میں تنہا۔ اگر ذرا سا سہارا کسی کی معصوم محبت کا تھا تو وہ زارا کا تھا۔ جو سب سے علیحدہ ہو کر اپنی چچی جان کی ہو چکی تھی۔ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔! چچی جان گھبرا کر اگر اس کی معصوم آغوش میں سر رکھ دیتیں تو ایسا لگتا جیسے جنت کے درختوں کا خنک سایہ ان پر چھا گیا ہو۔ دنیا بھر کے غموں کا جیتا جاگتا مداوا۔ زارا تھی!!!

"چچی جان، چچی جان۔ زارا ان پر جھکی مسلسل انھیں آوازیں دے رہی تھی ہوش آیا۔" مظفر صاحب نے بظاہر پریشان ہو کر پوچھا۔

نہیں ابا جان۔!" زارا روہانسی ہو کر بولی۔

سہیل کمرے میں آئے۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ حضرات براہ کرم پردے میں ہو جائیں۔

اماں بی، عذرا، اور عزیزہ بیگم جو آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہی تھیں فوراً دگر یا اٹھ کر پردے میں ہو گئیں۔

شکریہ سہیل۔ تم نے بڑا کام کیا۔ عذرا نے کہا۔

کیسی غیریت کی باتیں کرتے ہو۔" سہیل نے برا مانا۔ پھر پلٹ کر بولے تشریف لائیے ڈاکٹر صاحب۔!"

ازدر نے ماں کے سینے تک شال اوڑھادی۔ ڈاکٹر صاحب پاس آ بیٹھے اور بڑی توجہ سے معائنہ کیا۔ ازدر اور سہیل ان کے پاس کھڑے تھے۔

کیا کیفیت ہے جناب ؟" ازدر نے انھیں خاموش دیکھ کر پوچھا۔

دماغ کچھ متاثر ہے جناب۔ فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں۔ میں انجکشن اور دوا دیتا ہوں۔ رات تک یقیناً ہوش آجائے گا۔!" وہ ضروری ٹریٹمنٹ کرنے لگے۔

"کیا میرے مدراس جانے کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔؟" ازدر نے پاس کھڑی ہوئی زارا سے بہت چپکے سے پوچھا۔

جی۔ ؟ جی نہیں تو۔" زارا نے گلوگرفتہ آواز میں جواب دیا۔" مگر۔!"

ہاں۔ ہاں۔ مگر کیا؟" ازدر نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

اتنے برسوں بعد آپ آئے۔ اور پھر چلے گئے شاید چچی جان آپ کی یہ جدائی برداشت نہ کر سکیں۔ زارا بولی۔ اور اس کی کالی آنکھیں آبگوں ہو گئیں۔

ہاں شاید یہی بات ہے!" ازدر نے تسلیم کیا۔" اب میں امی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔!

انھوں نے آپ کا لایا ہوا سامان بھی نہیں دیکھا۔"

انشاء اللہ دیکھ لیں گی۔ پریشان مت ہو۔ سہیل نے جواب دیا۔

ہاں ہاں اور کیا۔ ازدر نے تسکین آمیز طریقے پر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اندر کمرے میں خواتین کھچڑی سی پکا رہی تھیں۔

اے۔ سارا مکر ہے اور کیا۔؟" عزیزہ بیگم بڑے چپکے سے کہہ رہی تھیں۔ بیٹے کے سامنے نخرہ کرنے کا یہی تو وقت ہے۔ جو کچھ سمیٹ کر لایا ہے۔ وہ دامن میں جھاڑ دے۔

وہ تو بخرہ کیے بغیر بھی جھاڑے گا۔" اماں بی نے کہا۔ اور حیرت سے آنکھیں گول کر کے بولیں "خدا کی پناہ۔ کیا کیا سامان ہے۔ میں تو دنگ رہ گئی۔ اب دیکھو کس کی قسمت میں کیا کیا لکھا ہے!۔"

سہیل صاحب خوب ان کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں!" عذرا بولی۔

ان سے میرا دل کھٹا ہو گیا۔" اماں بی نے بڑا سا منہ بنا لیا۔

یہی تو موقعہ ہے۔" عزیزہ بیگم زہریلی ہنسی ہنس کر بولیں "بارش صحن میں ہو تو پھوار دالان تک آتی ہے۔

ہم ابن الوقت کہیں کے۔" عذرا بولی۔

دو دن سے مسلسل زبیدہ سخت بخار میں مدہوش تھیں۔ ازور اپنا سامان لیکر واپس آ چکے تھے۔ ان کی پریشانی حد سے سوا تھی۔ صبح شام ڈاکٹر تبدیل ہوتا وہ ساری ساری رات ماں کے پاس جاگا کرتے۔ انھیں ان کے دکھوں کا بخوبی اندازہ تھا۔ دکھاوے کو گھر کی خواتین بھی سخت پریشان اور متفکر دکھائی دیتیں۔ لیکن ازور کو اچھی طرح اندازہ تھا۔ دکھاوا اور چیز ہے اور خلوص اور چیز۔ جو سہیل اور زارا کے سلوک سے برس رہا تھا۔ دونوں ان کی پریشانی میں برابر کے شریک تھے۔ ازور بار بار ان کا شکریہ ادا کرتے ان کے خلوص کو سراہتے۔ جبکہ الفوں نے کسی کی تشویش اور مصنوعی تفکر پر دھیان تک نہ دیا۔!

اکیلے میں عورتوں کو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقعہ مل گیا۔ زہر اگلنے لگیں۔ عذرا کی زہر چکانی میں اس کی ہوس و نفس کی تلخیاں بھی شامل تھیں۔ نہایت ناگفتہ بہ جذبات نے اس کی زیست حرام کر کے رکھدی تھی۔ جسے اس نے نام نہاد محبت کا نام دیا تھا۔!

ازور کے دکھانے کے لیئے عذرا نے بڑی توجہ اور خلوص سے ان کی امی کی خدمت

شروع کر دی تھی۔ لیکن ازدر کو بخوبی علم تھا کہ اس نام نہاد خلوص کی گہرائی کتنی ہے!۔"

ساجدہ خاتون اور عزیزہ بیگم بھی بجا نے کس خوش فہمی میں تھیں! چور چور سہی۔ حالانکہ انھیں اپنی مضحکہ خیز پوزیشن کا اچھی طرح احساس تھا وہ خود سے بھی جھینپتی تھی آخر ازدر سے خائف ہونے کی کیا ضرورت تھی۔!

تیسرے چوتھے روز زبیدہ بیگم کا بخار کم ہوا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں لیکن کمزور اتنی تھیں کہ ان سے کروٹ تک نہ لی جا سکی۔ انھوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ ان کے کمرے میں آس پاس وہ شکلیں بھی موجود ہیں۔ جنھیں نہیں ہونا چاہیے تھا۔!

بیوی خوب تم نے لڑکے کو حیران کیا۔ عزیزہ بیگم نے بڑی خوش مزاجی سے کہا۔ اب کیسی طبیعت ہے "ساجدہ خاتون نے مامتا بھری آواز میں پوچھا۔

ممانی جان۔ سیب کا عرق لاؤں۔ پیجیے گا۔ عذرا نے ان پر جھک کر دریافت کیا

خدا خیر کرے "زبیدہ بیگم نے دل میں سوچا۔ کیا ایک سرے سے سب کی دل بدل گئے ہیں یا ان کا دماغ پھر کوئی فریبی کرشمہ دکھا رہا ہے۔"

جواب دیجیے امی۔ دفعۃً ازدر کی بھاری آواز گونجی "یہ سب آپ کے خیر خواہ کتنی محبت اور دلسوزی سے آپ سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔" پھر وہ بڑی دھار دار ہنسی ہنسنے لگے "بھئی میرے اگر اتنے بہت سے مہربان چارہ گر اور تیمار دار ہوتے تو میں بستر علالت سے اٹھنا ہی پسند نہ کرتا۔ خدا کا شکر ہے کہ امی کے اتنے چاہنے والے موجود ہیں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ"

عذرا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ لیکن طنز و ملامت کی کوئی علامت

اسکے چہرے پر نہ تھی۔ از ورا اپنے مخالفوں کو خوش ہونے کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔!

ساجدہ خاتون اور عزیزہ بیگم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ از ورنے برف میں بھی سوئیاں چبھوئی ہیں۔!

جب بھی ان کی کانفرنس اکیلے میں ہوتی۔ ان سب پر خوب خوب ملامتوں کے ڈونگرے برسائے! لیکن اب عزیزہ بیگم کو اپنا الو سیدھا کرنا تھا۔ شاید وہ سر پھرا مرد ان کی صاحبزادی کے لیے اقرار کرے۔ اس لئے انھیں ساجدہ خاتون کی برائیاں کچھ ناگوار گزرنے لگیں۔! وہ زبیدہ بیگم کی صحت و زندگی کی دعا مانگنے لگیں۔!

ہفتہ بھر کے اندر اندر زبیدہ بیگم اس قابل ہو گئیں کہ اٹھ کر بیٹھ سکیں۔! لیکن ان پر ایک طویل عرصہ کی محنت و مشقت کی اتنی تھکن طاری تھی کہ ان کے منھ سے بات نکلنی دشوار تھی۔!

صبح کا وقت تھا۔ زارا زبیدہ بیگم کا پلنگ برآمدے میں لے آئی۔ باغ کی طرف سے لطیف ہوائیں اپنے جلو میں موگرے اور موتیے کی خوشبوئیں لئے آرہی تھیں۔ فوارے کی مدھر راگنی تھی برآمدے کے نیچے گل مہر کا گھنا پیڑ پھولوں سے لدا کھڑا تھا۔ اور باغ کے احاطے کے اطراف سرخ و زرد و سنگیں سے درخت پٹے پڑے تھے!۔ آسمان پر سفید اور صندلی بادلوں کے ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے موسم گرما کا ایک طویل دن شروع ہو رہا تھا۔

"چچی جان۔ میں آپ کے بالوں میں کنگھی کردوں"۔ زارا نے پوچھا۔ وہ ان کے سرہانے آبیٹھی۔ بال کھولے جو یکبارگی جھبو ابھر اس کی گود میں ڈھیر ہو گئے۔

"تھک نہ جاؤ بیٹی"۔ زبیدہ بیگم نے کہا۔

"نہیں نہیں"۔ وہ بولی پھر ہنس دی۔ "آپ اس لئے کہہ رہی ہیں کہ آپ کے

بال بہت لمبے اور گھنے ہیں۔!

"بہت منحوس ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ ان کی پرچھائیں بھی کسی پر پڑے۔!"

زارا بڑی نرمی اور آہستگی سے ان کے بال انگلیوں کے شانے سے سلجھانے لگی۔

ازدر چند پیکیٹ "انکوں کے لیے ہوئے آئے۔ زبیدہ بیگم پر ایک ایسی مشفقانہ نظر ڈالی جیسے باپ اپنی بیٹی پر ڈالتا ہے۔ پھر پیکیٹ میز پر رکھ کر وہ ان کے پہلو میں آ بیٹھے۔

اب آپ خود کو کیسا محسوس کر رہی ہیں امی؟"

"اللہ کا احسان ہے۔"

زارا نے آدھے سر تک آنچل اوڑھ لیا۔ پلکیں جھکالیں۔ اس کی یہ خالص نسوانی ادائیں ازدر کو بہت پیاری لگتی تھیں۔ اپنی طرف چھائے ہوئے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بس وہی ستارہ نور نظر آتی۔!

جنیا نے آپ کی خدمت میں دن رات ایک کر دیے۔ بالآخر آپ کو اچھا کر کے دم لیا۔" ازدر نے ہنستے ہوئے کہا۔ زارا کے عارضوں پر گلابیاں بکھر گئیں۔

دل سے دعا نکلتی ہے اس کے لیے۔" زبیدہ بیگم بولیں۔

ان کے لیے کچھ کام اور لے آیا ہوں۔" ازدر نے کہا "یہ چند ٹانک ہیں جو آپ کو پابندی سے استعمال کرنے ہیں۔ جنیا اگر کنگھی کر چکی ہو تو۔ سنو۔!"

وہ مسکرائے۔ زارا کچھ جھینپ سی گئی مگر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔! ازدر اسے سمجھانے لگے۔! وہ کچھ نہ سمجھی۔ اس کی نظر لیا ازدر کے ہاتھوں، ان کی شاندار کلائیوں اور شہابی انگلیوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ وہ بے خبری میں جی ہاں جی ہاں کرتی رہی۔

پھر وہاں سہیل آ گئے۔ شاید وہ چائے کے لیے کہہ کر آئے تھے۔ ملازم چائے

ے آیا ان میں گپ شپ ہونے لگی۔!
ازور نے سہیل کو بے حد پسند کیا تھا۔! اور بعد مدت کے سہیل کو بھی ایک عمدہ دوست ملا۔
"میں چچی جان کے سامنے سگریٹ پیتا ہوں" سہیل نے بڑی معصومیت سے اعلان کیا۔
"بڑوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقعہ تم چھوڑتے نہیں!" برجستہ ازور نے کہا۔ سہیل کو ہنسی آ گئی "میں چچی جان کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ پوچھ لو۔ کوئی راز کی بات ایسی نہیں ہے جو میں نے ان سے کہی نہ ہو!۔
"امی کی بے زبانی نے بہتیروں کی عادتیں بگاڑ دی ہیں ان میں ایک تم بھی ہو" ازور بولے۔
"کچھ بولیے چچی جان" سہیل نے فریاد بلند کی۔ "یہ مجھ پر اور آپ پر برابر الزام لگائے چلے جا رہے ہیں۔"
"اللہ تم دونوں کی محبت کو سلامت رکھے" زبیدہ بیگم نے کہا۔
"چچی جان آپ جلدی سے بالکل اچھی ہو جائیے۔ ہم تو تفریح کے ملیے جوڑ کے پروگرام بنائیں! ورنہ تو کچھ لطف نہیں آرہا" سہیل نے کہا۔ "ان حضرت کا دل کہیں نہ گھبرا جائے۔ میں بھی سوچ رہا ہوں لمبی چھٹی لوں گا۔ عرصے سے نہیں لی۔
"ارے ہاں" ازور نے کچھ یاد کر کے جلدی سے کہا۔ "مجھے کہنے کا خیال نہیں آیا بھئی میں تمہارے بچے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ یا تو اسے یہاں لاؤ۔ یا پھر مجھے اس کے پاس لے چلو۔"
سہیل کے چہرے پر کچھ غمگین سی کیفیت طاری ہو گئی۔ مگر وہ جلدی سے مسکرانے لگے۔ "شام کو جاؤں گا تو لے آؤں گا۔ لیکن مصیبت تو یہی ہے کہ وہ

مجھ سے ملتا ہے تو پھر واپس جانا نہیں چاہتا۔ اور مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔!

کیا حرج ہے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھ لیتے۔!

اپنے ساتھ۔ کیا میں اسے لے کر کالج بھی جایا کروں گا۔ یہاں کس کے پاس رہے گا!"

"تمھاری زندگی برباد ہو رہی ہے۔ تم کسی کو پسند کر کے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

اس موضوع کو اب رہنے ہی دو۔ سہیل نے زبردستی مسکرا کر کہا۔" تم اپنی ہو۔ چچی جان پر حیرت ہے مجھے۔ ابھی تک تذکرہ نہیں کیا کہ آخر وہ کونی صاحبزادی تمھارے لئے پسند کریں گی کہ نہیں۔"

میری اب یہی ایک آرزو رہ گئی ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" مگر خدا جانے یہ بھی پوری ہوگی کہ میں آخری داغ لئے قبر میں چلی جاؤں گی۔ بہو اور پوتوں کا منہ اللہ دکھائے گا کہ نہیں۔!

سن لیا تم نے۔" سہیل نے ازدر کو للکارا۔" ایک تو سولہ سترہ برس چچی جان سے جدا رہے یہی گناہ کبیرہ ہے۔ دوسرے ان کی دلی تمنا کو پس پشت ڈالتے ہوئے۔ یہ گناہ تو معاف کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اچھا سچ کہو۔ اٹلی میں واقعی اکیلے رہے تھے۔!؟"

بالکل۔!" ازدر نے جواب دیا،" سنو سہیل۔ آج میں تمھیں بتا دوں کہ مجھے اس صنف سے قطعی نفرت ہے میں نے تو ارادہ کر لیا تھا کہ عمر بھر اپنے تجرد کو تنہا اپنی زندگی سے نہیں بدلوں گا۔ میرے عزائم بلند تھے۔ میں اپنے والدین کے لئے آسائشیں مہیا کرنے گیا تھا۔ انھیں میں نے جان بوجھ کے ہرگز خود سے جدا نہیں کیا۔ جبکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی تمام تر محبت کا واحد مرکز میں ہوں مگر۔ من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال۔ بابا جان اتنی کم عمر ہی میں چل بسے

مجھ سے کوئی خدمت نہ لی۔ مگر اب۔ کم از کم۔ میں اپنی امی کو تو وہ تمام راحتیں دے سکتا ہوں۔ جو میرے اختیار میں ہیں۔ کیوں سہیل؟ کیا میں ایسا سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں؟؟"

"بے شک بے شک۔ لیکن" سہیل نے پر زور تائید کی "فرض کرو کہ اپنی بہو کا منہ دیکھنا اور تمہارے بچے اپنی گود میں کھلانا ہی امّی جان کی راحت ہو۔ تو؟؟"

زبیدہ بیگم کے مرجھائے ہوئے چہرے پر رونق سی آ گئی وہ ممنون انداز میں سہیل کو دیکھنے لگیں۔ شاید اس طرح ایک فقرے میں وہ اپنا مافی الضمیر واضح نہ کر سکتیں

تم بڑے دلفریب ہو بھائی۔ تمہیں لفاظی میں کمال حاصل ہے۔" ازور لاجواب ہو کر بولے "مگر ——!"

پھر وہی مگر کا ہمالیہ" سہیل نے بات اچک لیا "یہ بتاؤ۔ تمہیں اس جنس سے نفرت کیوں ہوئی؟۔

کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

تو پھر دل سے نکال دو اس خبط کو۔!

اچھا اگر نکال بھی دوں تو۔ کوئی۔ لل لڑکی۔ میرا مطلب ہے کہ ——!"

میں سمجھ گیا تمہارا مطلب۔!" سہیل ہنستے ہوئے بولے "لڑکی تمہارے معیار کی ہو۔ بس یہی کہنا چاہتے ہو؟

میں اپنے مزاج کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ دنیا کی کوئی لڑکی میری شناس نہیں ہو سکتی۔ اور نہ میں کسی ایسی لڑکی کو لمحہ بھر کے لیے بھی برداشت کر سکتا ہوں۔ لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کوئی لڑکی ایسی نہ ہو جو امی کو پھانس برابر بھی تکلیف دے۔!"

پھانس برابر۔" بے ساختہ زارا کے لبوں سے نکل گیا۔ اور بے ساختہ ہی

ازور نے اس کی طرف دیکھا۔ اوہ۔ اسے تو وہ جیسے بھول گئے تھے۔ وہ جو بڑے پیار سے ان کی ماں کے بال سلجھا رہی ہے۔ ان کے لئے راتوں کو جاگا کی ہے۔ ان کا سر دبایا ہے پاؤں دبائے ہیں۔ ان کی اذیت پر روئی ہے۔ ! یہ لڑکی۔ یہ لڑکی۔ ازور کے ذہن میں سناٹے چھانے لگے۔ ہیں۔ اسے یوں بھول گیا۔ انھوں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ سہیل مستفسرانہ انداز میں انھیں دیکھ رہے تھے ازور نے کھانس کر گلا صاف کیا اور بولے۔

ہاں۔ یہی تو میں کہہ رہا تھا شاید۔ پھانس برابر۔ تلوار کا ایک وار سارا معاملہ ختم کر دیتا ہے۔ مگر پھانس کہیں لگتی ہے تو بہت تکلیف دیتی ہے۔"

تم اگر حامی بھر دو تو پھر میں کہیں کوشش کر دوں۔" زبیدہ بیگم کھلی جا رہی تھیں۔

ان سے اجازت کیا لینا ہے چچی جان۔" سہیل بولے۔" یہ تو ہمیشہ بہانے کرتے رہیں گے۔ آپ کوشش کیجئے۔ اتنا سا بھی بس نہیں چلتا آپ کا ان پر۔"

" صاحب جی۔ آپ کے پاس پروفیسر صاحب آئے ہیں۔ ملازم نے سہیل سے کہا۔

اچھا! ازور میں ان سے مل کر ابھی آتا ہوں۔" سہیل معذرت کر کے اٹھ گئے۔ زارا نے زبیدہ بیگم کو اب آرام سے اونچے نرم تکیوں پر لٹا دیا تھا۔ پھر وہ ڈوپٹے کے آنچل میں ہاتھ پونچھتی ہوئی میز کی طرف آئی اور ازور سے بولی۔

" اس وقت کا کون سا ٹانک ہے۔ بتا دیجئے۔ میں پلا دوں!"

زارا۔" بے اختیار ازور کے لبوں سے نکلا۔

جی۔ وہ بھولپن اور سادگی سے انھیں تکنے لگی۔

ازور کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔! اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انھوں نے کہا۔" زارا اگر کبھی فرشتے دنیا میں اترے تو تمھارے ہی روپ میں وہ اتریں گے

فرشتے عورتیں کہاں ہوتے ہیں" وہ ہنس پڑی۔ اس کے گلابی گلابی لبوں کے بیچ دانتوں کی موتی ایسی قطار بے حد اچھی لگی۔!

ہاں ٹھیک ہے" ازدر نے بھی مسکرائے "مجھے حور کہنا چاہیئے تھا۔! یا شاید وہ بھی نہیں۔ کچھ اور ہو تم۔!

زارا کے دل فریب چہرے پر شفق سی پھیل گئی۔ اس نے ایک بار جھالر سی پلکیں جھپکا کر انھیں دیکھا اور پھر اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کے لئے بولی۔

"ہم۔ میں چچی جان کے لئے شوربہ پکانے جارہی ہوں۔! اور بڑی جلدی سے چل دی

کچھ دیر وہاں مضطرب کن سناٹا چھایا رہا۔ پھر زبیدہ بیگم نے کہا۔ بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ تم صرف ڈھ ہ مہینے کے لئے آئے ہو۔ یہ سن کر میرا دل گھبرانے لگا۔ مجھ سے تذکرہ نہیں کیا بیٹے تم نے؟ کیا یہ سچ ہے۔؟"

ازدر اب زبیدہ بیگم سے بہت ناپ تول کے باتیں کرتے تھے۔ دفعتہً ہی ان کے مصائب کا اندازہ ہوا تھا۔ کیسی کمزور، زرد رد، ناتواں اور بے بس سی تھیں وہ۔ ان سے الجھنا ان پر جھلانا بڑا ظلم تھا۔

مجھے دیر از یادہ دنوں کا نہیں ملا۔ امی؛" وہ اٹھ کر ان کے پائینتی بیٹھ گئے۔ اور سامنے تپائی پر پاؤں پھیلا دیے۔!

زبیدہ بیگم کے سینے سے ایک گہری سانس نکلی" میرے دکھوں میں اضافہ کرنے کے لئے تم کیوں آئے ازدر۔ جس طرح تمھارے باپ بے چارے ترستے کلپتے تمھاری یاد میں چل بسے۔ میں بھی اسی طرح اپنے انجام کو پہنچ جاتی!۔ بیٹا۔ اب میری ساری خوشیاں تم سے وابستہ ہیں۔ میری جان ہی تم میں بند ہے۔ تم چلے جاؤ گے یقین کرو کہ ادھر تمھاری پیٹھ پھرے گی ادھر میرا دم نکل جائے گا۔! اب

تمھاری جدائی سہہ نہ سکوں گی۔"

"میں آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں گا میری امی۔" انھوں نے فرط محبت میں ان کے چھوٹے چھوٹے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دبا لیئے۔

میں "ان" کی قبر چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہ میری تمنا ہے کہ مجھے "ان" کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ بس وہ ایک انسان تھا۔ جس نے میرے لئے اپنی دنیا تج دی۔ آہ۔ میں ہزار جنم لوں اور ہر جنم میں آنسو بہاؤں۔ تب بھی ان کی محبت ایثار اور خلوص کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ وہ۔"

امی۔ یہ کیا۔ آپ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگی ہیں۔" از حد پریشان ہو گئے۔ اچھا بابا جان کا تذکرہ رہنے دیجئے۔ ہم کوئی اور بات کریں۔"

میرا دل بیٹھ گیا ہے۔"

کیوں۔

تمھارے جانے کے دن قریب آ رہے ہیں۔!

امی میں سچ کہتا ہوں کہ جانے کا میرا دل بھی نہیں چاہتا لیکن میں نے وہاں صرف آپ کے لیئے لاکھوں سے اوپر دولت جمع کر لی ہے۔ وہاں میرا بزنس ہے۔ میری ملازمت ہے۔ اچھے عہدہ پر میں کام کرتا ہوں۔ وہ یہاں سرے سے نہیں ہے کیا میں یہاں بیکار رہوں گا امی۔"؟

"جو کام وہاں کرتے ہو۔ وہی یہاں کرو۔!"

یہاں مجھے صرف دو ڈھائی ہزار ماہانہ ملیں گے۔ اور وہاں۔!"

زبیدہ بیگم نے بات کاٹ دی۔" اچھا میاں جیسی تمھاری مرضی۔ جاؤ۔ دولت کماؤ۔ آج مجھے ان مرحوم کا کہا یاد آ رہا ہے۔ کیسی حسرت اور بے چینی سے کہا تھا کہ اپنے اچھے مستقبل کی خاطر اولاد ماں باپ کے حق میں کتنی سنگدل بن جاتی ہے

تمھیں دولت سے پیار ہے ازدر مجھ سے نہیں جو میں تمھاری یاد میں جدائی میں ایک ایک لمحہ روتی رہی ہوں۔ اپنی پوری زندگی برباد کر دی ہے۔ سکھ کی ایک سانس نہ لی میں نے۔ بس تمنا کرتی رہ گئی کہ میرا بیٹا آئے گا میرے دکھ سکھ سے بدل جائیں گے مگر میں نہیں جانتی کہ اللہ نے میری تقدیر میں اتنی بھر دمیاں کیوں لکھ دی ہیں۔ مجھے کسی طرف سے سکھ نہ ملا۔ بھائی تھا۔ وہ جوان مر گیا۔ شوہر تھا۔ وہ ساری دنیا کی حسرتیں سمیٹے چل بسا۔ بیٹا ہے اسے ماں کی پرواہ نہیں۔ اسے اس دولت کی فکر ہے جو لاکھوں سے اوپر جمع ہے۔ دولت کہاں ملتی ہے۔ مائیں تو قدم قدم پر مل جاتی ہیں۔"

امی۔ امی۔" ازدر نے ہنس کر ان کا تاثر ختم کرنا چاہا۔ مگر زبیدہ بیگم کی حالت متغیر ہونے لگی تھی۔ شاید عمر بھر میں پہلی مرتبہ انھیں غصہ آیا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور سانس پھول رہی تھی۔!

"امی میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔ آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔ بس غصہ تھوک دیجیے۔ لعنت بھیجی میں نے سب پر۔ آپ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ میری زندگی شادی بیاہ، بیوی بچے سب کچھ صرف آپ کے دم سے ہے۔ آپ نہیں تو کچھ بھی نہیں میں کہیں جانے کا نام نہیں لوں گا۔ اب تو آپ خوش ہیں!" ازدر بوکھلا گئے۔

کھاؤ اپنے مرحوم باپ کی قسم۔ جیسے اطلاع دیے بغیر چلے گئے تھے ویسے ہی پھر نہیں جاؤ گے۔ زبیدہ بیگم نے کہا۔

ازدر ہنسنے لگے: "اتنی بے اعتباری۔ امی۔"

ہو گئی ہے۔"

نہیں جاؤں گا۔ اعتماد کیجیے۔"

اچھا سنو، تم سے ایک بات اور کہنی ہے۔

کہیے۔ میں سن رہا ہوں۔!

"پاس آؤ۔!"

ازدر ماں کے پہلو میں لیٹ گئے اور ان کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیا۔ ان کے دل میں سکون و مسرت کی ہلکی ہلکی لہریں مچلنے لگیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے"۔ امی اگر خدا مجھ سے یہ پوچھے کہ تم ماں کا آغوش چاہتے ہو یا میری جنت؟ تو شاید میں خدا کی جنت قبول نہ کروں۔!"

میرے بچے"۔ زبیدہ بیگم نے ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔!

ازدر نے آنکھیں بند کر لیں۔!

تمھارے جانے کے بعد۔ کچھ باتیں بھابی اور بی آپا میں ہوتی تھیں"۔ زبیدہ بیگم نے ان کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا"۔ بھابی کا منشا ہے کہ تم اگر راضی ہو جاؤ۔ تو پھر۔ بی آپا سے عذرا کے لئے کہوں!!"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔!"

میاں وہ۔ بیاہ کے لئے۔!" زبیدہ بیگم کچھ ہکلا گئیں"۔ تمھیں عذرا پسند ہو تو میں بی آپا سے کہوں کہ۔۔۔!"

لاحول ولاقوۃ۔!" بے ساختہ ازدر نے کہا۔ اور سیدھے لیٹ کر دونوں ہاتھ موڑ کر سر کے نیچے رکھ لئے۔

کیوں۔؟ زبیدہ بیگم نے کہا۔

تعجب ہے کہ وہ آپ کو پسند ہے۔!

تمھاری پھوپھی زاد بہن ہے۔

"ہو گی۔ میں ان تمام رشتے ناتوں ہی کو نہیں مانتا۔ آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جب آپ تندرست ہو جائیں تو میں الگ کوٹھی

خرید کے آپ سمیت اس میں جا بسوں گا۔ ٹھیک ؟!۔ میں جو کچھ لایا ہوں وہ آپ اپنے ہاتھوں سے نئی کوٹھی میں سجائیے گا؟!۔"

اکیلی رہوں ؟" زبیدہ بیگم نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

نہیں اکیلی کیوں ؟۔ میں بھی تو رہوں گا آپ کے ساتھ" بڑے بھولپن سے ازدر نے جواب دیا۔

"شادی کر لو ازدر اب !"

"کرا دیجیے امی۔ اگر بہت اچھی لڑکی ملے۔!"

"عذرا پسند نہیں ہے۔؟"

"بالکل نہیں !"

پھر میں بی آپا کو کیا جواب دوں ؟۔

صاف جواب۔!"

کیا سوچیں گی وہ ؟۔

آپ اس کی پرواہ نہ کیجیے !" ازدر نے کہا اور ان کی طرف سے کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگے۔!" زبیدہ بیگم بھی چپ ہو گئیں۔ آج ان کے سینے سے بہت بڑی سل سرکی تھی۔ ہر دم انھیں یہ ہیبت لگی رہتی تھی کہ کہیں ازدر پھر رخت سفر باندھ لیں۔ لیکن اب۔ انھیں ایسا اطمینان تھا جیسا کبھی خاور کی زندگی میں محسوس ہوتا تھا۔

عذرا نے کھمبے کی آڑ سے ادھر جھانکا۔! چند لمحے ازدر کو گھورا کی۔ پھر زبیدہ بیگم کے قریب آئی۔ اور جان بوجھ کر مترنم آواز میں ہنستی ہوئی بولی۔

"ازدر صاحب پر کتنی راتوں کی نیندیں ادھار تھیں۔ ممانی جان؟"

زبیدہ بیگم بے حد خوش تھیں کہ بالآخر عذرا بھی ان کی طرف پلٹ آئی تھی۔ وہ کسی

کے مکر و فریب اور منافقت کی تہہ تک نہیں پہونچتی تھیں۔ محبت سے مسکرا کر بولیں "ہاں بیٹی۔ دو تین راتوں سے برابر جاگ رہے تھے نا۔ باتیں کرتے کرتے ابھی آنکھ لگی ہے۔"

"میں ان کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دوں۔ اگر آپ کہیئے۔"

دفعتہً ازور اٹھ بیٹھے اور بولے۔ "میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ سہیل اگر آئیں تو کہہ دیجیئے کہ مجھے نہ جگائیں۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔! میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔"

میں آپ کا سر دبا دوں ازور صاحب؟" عذرا اٹھلائی۔

لیکن ازور نے ان سنی کر دی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے۔! طیش کے مارے عذرا کا منہ تمتمانے لگا۔! کیا سمجھتے ہیں خود کو۔ پھر اس کے دل میں انتقام کے سانپ پھنکارنے لگے۔!

ایسی ماں کی بیٹی تھی۔ جو اپنی توہین پر خاموش رہنا جانتی ہی نہ تھی۔ اس کے دل میں گفتہ و ناگفتہ جذبات کا صنم خانہ آباد تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اپنے جذبات کی آسودگی چاہتی تھی۔ اس کی یونیورسٹی کے دوست پرانے ہو چکے تھے اور ان میں اب کوئی جاذبیت باقی نہ رہی تھی۔ ازور کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے تمام پرستاروں کو مسند قبولیت سے اتار پھینکا۔

ازور نے تین چار مرتبہ اس کی انانیت پر ضرب لگائی تھی۔! اور وہ انھیں معاف کرنے پر آمادہ نہ تھی۔!

بظاہر وہ زبیدہ بیگم سے بے معنی باتیں کرتی رہی اور دل ہی دل میں خوفناک منصوبے بناتی رہی۔!

یونیورسٹی میں اس کے بے گنتی "پرستار" تھے۔ جن پر اپنے حسن و محبت کا خزانہ

محترمہ عذرا بڑی فراخدلی سے نبھاتی بھی تھیں۔! ان میں بڑھ چڑھ کے ڈاکٹر پرویز حسن تھے
کسی وجہ سے عذرا انھیں معلق رکھا تھا۔ شادی کی درخواست پر غور فرمانے کی مہلت
مانگی تھی۔ یونیورسٹی میں افواہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی بیوی بھی موجود ہیں۔ اور دو بچے
بھی۔ انھیں بے پڑھی لکھی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے راندۂ درگاہ کر رکھا ہے
لیکن وہ خود زور و شور سے تردید کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو خاصی مردانہ گالیاں
عطا فرماتے تھے جو خواہ مخواہ ایسی بے بنیاد افواہ اڑا کر لوگوں کو ان سے بدظن کر
دیتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے عذرا کو پختہ یقین دلا دیا تھا کہ صرف اپنی تعلیمی مصروفیت
کی وجہ سے وہ ابھی تک شادی نہیں کر سکے۔ اور چونکہ مسلسل چھ سات سال
سے عذرا کو یونیورسٹی میں دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا کوئی لڑکی ابھی تک اس کے
سوا نگاہوں میں چڑھ نہ سکی۔!۔

وہی عذرا کو ممبر دائرٹر بھی کرتے تھے۔! ہر قسم کی ہدایت دینا ان کا فرض
تھا وہ اس فرض سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔!

ہمیشہ دونوں سمینار میں بیٹھے بکواس کیا کرتے۔ لوگ انھیں گارڈن یا پھر
کیفے ٹیریا میں دیکھتے۔ دبے دبے۔ اسکینڈلز بھی بنتے بگڑتے رہے۔! عذرا نے
ان کی ہر پیش قدمی یا پیش دستی کا بڑا فراخدلی سے خیر مقدم کیا تھا۔ لیکن اب
ڈاکٹر صاحب بھرائی ہوئی آواز میں گلہ کرنے میں بالکل حق بجانب تھے۔
میں محسوس کر رہا ہوں کہ کوئی غیر مرئی ہاتھ تمھیں مجھ سے چھین رہا ہے۔ عجیب خود
فراموش رہنے لگی ہو۔ میں کچھ کہا کرتا ہوں۔ تم میرے چہرے پر اس طرح
نظریں جمائے بیٹھی رہتی ہو جیسے کہ تمھارے کانوں میں میری آواز ہی نہیں جا
رہی۔ امیری شکل کے کہیں آر پار دیکھتی ہو۔ "یہ آخر ہے کیا۔؟"

عذرا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری: " آپ سے کیا پردہ۔ کچھ ایسی

ہی بات ہے۔"

کیا بات ہے۔؟" ڈاکٹر پرویز کے بچھو نے ڈنک مار دیا۔

کہوں گی نہیں۔" عذرا نے کہا۔" آپ کی فطرت مرد کی فطرت ہے۔ وہ رانجانے کیا کچھ کہنے لگیں گے۔!

کہو تو۔! کوئی میرا رقیب پیدا ہوا ہے۔

پھر وہی۔؟

"پھر آخر تمھارے اس گریز و اجتناب کی وجہ کیا ہے۔؟"

یہ کچھ نہیں۔ مجھے چند پریشانیاں ہیں۔!۔

اور وہ تم مجھ سے کہہ نہیں سکتیں؟ کیوں؟۔"

ابھی ابھی آپ رقابت کا طعنہ دے چکے ہیں۔!

اپنے الفاظ واپس لے لوں گا۔ تم پہلے کہو تو۔!

میرے ایک کزن تقریباً سولہ سترہ برس بعد روم سے آئے ہیں!۔ اور

اور وہ ایسے ہمہ صفت موصوف ہیں کہ پہلی نظر میں تمھارا دل۔۔!"

پہلے میری پوری بات تو سنئے۔!"

سن رہا ہوں۔!" ڈاکٹر پرویز کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں تھیں، عذرا نے مختصراً پوری بات سنائی۔ اور پھر ڈاکٹر پرویز صاحب کے کندھے پر سر رکھ کر ٹھنکتی ہوئی بولی" میں بھی تو آخر اسی دنیا میں رہتی ہوں۔ کیا مجھے تمنا نہیں ہے کہ وہ ساری قیمتی چیزیں میرے قبضہ میں ہوں۔ جن پر ان کی بڈھی ماں متصرف ہیں۔! ہائے ڈاکٹر صاحب۔ آپ اگر انھیں دیکھیں تو سچ مچ للچا اٹھیں۔"

"میں نے ان سے بڑھ کر خوبرو مرد دیکھے ہیں۔"

عذرا کی ہنسی کا جلترنگ بج اٹھا "بدھو۔ مرد نہیں۔ میں ان چیزوں کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ ایسی نادر و نایاب چیزیں یہاں نہیں مل سکتیں۔!

تو کیا۔

"ہاں۔ اب رشک و رقابت کے سپنوں کو ذہن سے جھٹک کر سوچئے کہ وہ بھی کیا فردوس نظیر ہوگا۔ جس میں آپ کا ساز زندگی کا ساتھی اور نوادرات ہوں گی سیدھے ہاتھ سے تو وہ دینے والے نہیں!"

کیا کرنا چاہتی ہو۔!

منصوبہ بے حد خطرناک ہے۔!"

کیا مطلب!۔

ہمارے والدین انھیں پھوٹی آنکھ پسند نہیں کرتے۔ میری ایک ناگوار بات پر ضرور ان پر چڑھ دوڑیں گے۔

بخدا تمھارا ما فی الضمیر میں نہیں سمجھا۔!" وہ سچ مچ متحیر تھے۔

عذرا ان کے کان میں پھسپھسائی۔ نجانے کیا کچھ کہتی رہی۔ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھر وہ متعجبانہ انداز میں گھبرائی ہوئی آواز میں بولے "لیکن اتنا خطرناک رسک لینے کے بعد تمھیں یہ کیونکر یقین ہے کہ وہ تاوان کے طور پر اپنا سب کچھ بخش دیں گے؟"

"وہ یہاں رہیں گے کہاں۔ اتنا بڑا الزام سن کر گھر سے چلے جائیں گے یا ان کو ہی چلے جائیں گے۔ ان کی والدہ کتنے دنوں کی ہیں۔ میں انھیں مجبور کر کے سب کچھ لے لوں گی۔ جو کچھ وہ سامان لائے ہیں۔ واپس نہیں لے جا سکتے۔ اور اب کی جانے کے بعد شاید عمر بھر نہیں آئیں گے۔ بس پھر۔ سب کچھ اپنا ہے۔!"

عذرا!؟۔

فرمائیے۔

اس قدر انتہائی الزام۔ لگا سکو گی تم ان پر۔ منھ سے یہ بات نکل بھی سکے گی!
کہیئے تو اسی وقت شور مچا کر ریپرسل کر دوں کر آپ نے مجھ پر زیادتی کی ہے
پھر دیکھیے گا تماشہ۔!"

نہیں بھائی نہیں!" وہ بوکھلا گئے۔ عذرا بے تحاشہ ہنسنے لگی۔" اس الزام
پر اگر آپ یونیورسٹی سے نکالے جا سکتے ہیں تو کیا وہ شہر سے یا گھر سے نہیں نکالے
جا سکتے!۔

"ہمت درکار ہے!۔"

"آپ ایک دن سن ہی جو لیجیے گا!۔"

کیا تم سنجیدہ ہو۔!

بالکل!۔

اور تمھارے دل میں میری محبت بھی ہے۔؟؟

آپ کو اس بات کا یقین کیوں نہیں ہے!

انھوں نے مایوسی سے ہونٹ لٹکایا۔ یقین کیے لیتا ہوں۔ مگر دل میں خطرے
کی گھنٹی بج رہی ہے۔ آج ہی تمھارا اتنا خطرناک روپ دیکھا ہے۔!

کہیئے تو دوسری طرح یقین دلاؤں؟"

"کس طرح۔!

اگر آپ نے مجھ سے بے رخی اختیار کی تو کہہ دوں گی کہ۔ اب آپ کے
سوا میری عصمت و آبرو کا محافظ کوئی نہیں بن سکتا!۔ آگیا یقین۔؟"

"لیکن مادی دولت کے لیے۔ اپنی عصمت و آبرو پر اپنے منہ سے کلنک لگانا
کوئی اچھی بات تو نہیں!۔"

"تو پھر میں آپ کے ساتھ کسی حجرے میں نہیں بیٹھ سکتی۔! زندگی اور دنیا بار بار نہیں ملتی۔ اگر ذرا سی حکمت عملی سے مجھے ڈھیروں دولت مل سکتی ہے تو پھر اسے حاصل کرنا میرا فرض ہے۔ عصمت دا بردہ صرف حماقت آمیز تصور ہے۔ ڈاکٹر صاحب۔ نجانے اس کی تقدیس کا خیال کیسے آیا تھا۔ خواہ مخواہ آدمی نے ایسے الٹے سیدھے مفروضے گڑھ کر اپنی جنت اپنے اوپر حرام کرلی ہے۔ نانسنس!

ڈاکٹر صاحب کے جسم میں بھٹی سی سلگنے لگی۔!۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھرنے لگے۔ اور سانسیں شعلہ بار ہو گئیں۔ انھوں نے بڑے معنی خیز انداز میں عذرا کا ہاتھ "جکڑا"۔ ان کی اس کیفیت سے وہ کچھ گھبرا گئی۔

جب تمھیں مجھ پر اتنا بھروسہ ہے تو پھر۔ مجھے تشنہ کام کیوں کر رکھا ہے۔ کیا میں۔ بعد کو۔ مکر جاؤں گا۔! کیا سمجھتی ہو؟"

آپ لوگوں کا کیا اعتبار؟ عذرا نے جواب دیا۔

بارود کے ڈھیر میں ننھی سی چنگاری پڑی اور عزت و ناموس کا قلعہ شعلہ پوش ہو گیا۔

آدمی غلطی کا علاج اگر غلطی سے کرے تو پھر غلطیوں کے انبار تلے دب جاتا ہے۔ عذرا اب وہ ناگن تھی جسے زخمی کر کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ ازور کی بے توجہی اور سرد مہری نے اسے شعلۂ جوالہ بنا رکھا ہے۔

سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اب ازور اپنی عمر دمرتبہ بھول کر زارا کی طرف جھک گئے تھے۔! ساجدہ خاتون دل ہی دل میں پھولی نہ سماتیں۔ گنا اگر میٹھا ہو تو آدمی اسے جڑ تک کھا لینا چاہتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کس کھیت میں اگا ہے۔ کل تک ازور ایک قطعی ناپسندیدہ فرد تھے۔ مگر ان کی کثیر دولت نے انھیں اہم ترین شخصیت بنا رکھا تھا۔

رنز میں رد ا ہے ۔ کیا تعجب ہے کہ زبیدہ بیگم کے بعد وہ زارا ہی کو سب کچھ بخش جائیں !۔ بلا سے اس بدھو لڑکی کے بھاگ کھلیں !۔

عذرا اپنی نظروں میں آپ گر گئی تھی۔ جیسے اختلال دماغ کی مریض ہو۔ اس سے نامناسب حرکتیں سرزد ہونے لگیں !۔ وہ یہ المناک حقیقت بھول جانا چاہتی تھی کہ صرف اسی کی حوصلہ افزائی نے ڈاکٹر پرویز کو ابھارا تھا۔ وہ ان سے نظریں چار کرتے شرمانے لگی تھی۔ ! اور اب اس پر پچھتاووں نے حملے کر دیے تھے۔ جلد سے جلد وہ ازورا، ان کی دولت پانے کے خواب دیکھ رہی تھی اور تعبیر کے لئے مچل رہی تھی

سہیل نے ایک لمبی چھٹی لے رکھی تھی۔ اپنے بچے کو لے آئے تھے۔ وہ سات آٹھ سال کا بہت پیارا بچہ تھا۔

دن بہت خوبصورت ہو گئے تھے۔ زبیدہ بیگم صحت مند تھیں۔ ان پر اب نرسیں اور ایک متعود خادمہ متعین تھی۔ ! پھر کبھی ازور نے انھیں باورچی خانے کا رخ بھی نہ کرنے دیا۔ کچن کا انتظام زرد ماہر خانساماں سنبھالتے تھے۔ !

ازور اور سہیل گھومنے چلے جاتے۔ زارا اور سہیل کا بچہ طفیل احمد بھی ساتھ ہوتے ایسے میں عذرا کو کوئی نہ پوچھتا۔ یہ بات عزیزہ بیگم کے لئے قطعی ناقابل برداشت تھی۔ آج کل ان کے شوہر مقصود احمد بھی آئے ہوئے تھے۔ ان سے عزیزہ بیگم اور ازور سے ہمدردی تھی۔ اظہار نہیں کرتے تھے نہ جانے یہ کم ظرف عورتیں ان کی ہمدردی کے کون سے معنی پہنا دیں۔ جو بے چاری زبیدہ کی دکھ بھری زندگی اور بھی اجیرن ہو کر رہ جائے !۔ انھوں نے ازور کو بھی بے حد پسند کیا تھا۔ اور بڑی تعریفیں کی تھیں۔ انھیں سینے سے لگا لیا تھا۔ !

صبح ناشتہ کے بعد سہیل زبردستی ازورا اور زارا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے!

زبیدہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں۔ مظفر صاحب اپنے کسی کام سے بینک جا چکے تھے اور گھر سے بڑی دور کمرے میں عورتوں کی کانفرنس ہو رہی تھی!۔ پتہ نہیں کس بات کے جواب میں مقصود احمد بولے۔

چلئے اچھا ہی ہوا۔ وہ ہمیشہ بڑی طنزیہ ہنسی ہنستے تھے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ بڑے طویل عرصے بعد ادھر آپ سکھ کی سانس لیں گی ادھر وہ بیچاری۔ سچ کہتے ہیں کہنے والے۔ بارہ برس بعد گھورے کے دن بھی پھرتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا درگت ہماری خوشدامن صاحبہ اور خسر محترم نے ان میاں بیوی کی نہ بنائی۔ لاحول ولا قوۃ۔!"

عزیزہ بیگم نے قہر آلود نظروں سے میاں کو دیکھا مگر خاموش رہیں۔ وہ انہیں جلانے کو پھر کوئی کڑوی بات کہہ دیتے۔ البتہ ساجدہ خاتون بولیں۔

"میاں خاک ڈالو گئی گزری باتوں پر۔ یہ تو اس لئے پریشان ہیں کہ اندر کی والدہ نے عذرا کے سلسلے میں کورا جواب دے دیا۔

مرضی ان کی۔ انہیں پابند نہیں کیا جا سکتا!" مقصود احمد بولے۔

دیکھا بھابی۔ بس یہی وطیرہ ان کا ہے جو میں اگر زبان کھولوں تو بری بنتی ہوں کبھی اپنی اولاد کی طرف نہیں بولتے۔ ہمیشہ غیروں کی گائی ہے۔" عزیزہ بیگم تڑپ کے بولیں۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟" مقصود احمد نے خشک لہجہ میں کہا۔ اگر انھوں نے کورا جواب دیا ہے تو ان کے آگے ہاتھ جوڑے جائیں۔ کہ خدا را ہماری لڑکی کو قبول کر لیں۔

عمر اس کی بڑھ رہی ہے۔" عزیزہ بیگم گویا ہوئیں۔ "نگوڑی پڑھائی کو آگ لگے نہ وہ ختم ہو گی نہ شادی ہو گی۔!

خدا کی مرضی۔!" مقصود احمد نے کہا۔" میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ جس طرح نائلہ اور زہرا کی شادیاں تم نے کرائیں۔ عذرا کی بھی کرا دو۔ خرچ جب بھی دیا تھا اب بھی دے دوں گا۔!

خرچ کا کیا ہے اور ایسا اچھا بھلا آدمی۔" عزیزہ بیگم بلبلائیں۔ زبیدہ کہتی تو بہت ہیں کہ انھوں نے انور سے کچھ کہا نہیں ہے۔ مگر بے کہے سنے آخر وہ سب سے بددل اور بیزار کیوں ہیں۔" ساجدہ خاتون نے کہا۔" میں تو کہتی ہوں کہ بس بہت ہو گیا۔ اچھا ہو جو وہ خود بھی جائیں زبیدہ کو بھی لے جائیں۔"

آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈال کے کبھی نہیں دیکھتا۔ ہمیشہ دوسروں ہی کو قصوروار بتاتا ہے۔" مقصود احمد نے ناگوار لہجے میں کہا۔ اور پھر عزیزہ بیگم کے سینے میں زہر بھری برچھی بھونک دی۔" اگر حق کی پوچھئے تو میں چاہتا بھی نہیں کہ انور جیسے انسان کے ماتھے ایسی لڑکی لگائی جائے۔ زندگی ساری دوزخ بن کے رہ جائے گی بیچارے کی۔ میری طرح۔"

یہ آپ —" چلا کر عزیزہ بیگم کچھ کہنے چلی تھیں۔ مقصود احمد نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ اور برہم ہو کر بولے۔

" بس!۔ خاموش! میں جانتا ہوں۔ تم کوئی الزام مجھ پر رکھو گی۔ رکھ دو — دراصل یہ ساری لڑکیاں تمھاری خراب کی ہوئی ہیں۔ نائلہ اور زہرا کو تم نے اس قدر بد لگام کیا ہے کہ وہ میری بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتی تھیں۔ اور اب یہ صاحبزادی ہیں۔ ان کے الطاف تو بس سبحان اللہ۔ انور اندھا نہیں ہے۔ وہ ہرگز ایسی لڑکی پسند نہیں کر سکتا۔ اس کا خیال چھوڑ دو اور اب دوسری جگہ کوشش کرو۔ کیا وہ حرافہ مشاطہ امجدی اب آ نہیں رہی۔ اس سے کہو کہ کوئی پیغام لائے۔ میں نے اپنی بہن کے لڑکے کا نام تجویز کیا تھا وہ محترمہ کو پسند نہ آیا۔ بہرحال

اس سال اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔! ورنہ میں آئندہ اس کا تعلیمی خرچ ہرگز نہیں دوں گا!..... باہر میں نے صاحبزادی کے سیر سپاٹوں کے چرچے سنے ہیں یہ بات اچھی نہیں ہے اگر کوئی بات ناگوار ہوئی تو مار ڈالوں گا بدبخت کو۔ تمھاری ہی وجہ سے نائلہ تباہ ہوتے ہوتے رہ گئی۔!"

بھیا ہر ضروری بات تم میاں بیوی کی لڑائی پر ختم ہو جاتی ہے" ساجدہ خاتون نے کہا" اور اصلی بات نگوڑی دور جا پڑتی ہے!۔"

آپ لوگوں کی باتیں باد ہوائی ہیں" مقصود احمد نے بگڑ کر جواب دیا" میرا دخل ہی کیا ہے صاحب نہ میں زبیدہ بیگم کی خوشامد کر سکتا ہوں نہ عذرا کو مجبور کر سکتا ہوں بس۔ یہ بے حیائی مجھ سے نہیں ہو گی۔! ویسے تو میں نے کہہ دیا کہ شادی اگر ہو تو میں سارا خرچ دے دوں گا۔!"

وہ بات ختم کر کے چلے گئے۔ عزیزہ بیگم اور ہی تھیں اور میاں کو کوس رہی تھیں عذرا نے باپ کی ساری گفتگو سنی اور پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ اس کے خیالوں میں اندیشوں، خوف اور انتقام کے ناگ پھنکارنے لگے تھے۔ اب تو وہ عذرا اور سہیل میں بگاڑ پیدا کرنے کی تدبیریں سوچنے لگی تھی۔ سہیل کو اپنی طرف کر لیتی خود بخود عذرا دور ہو جاتی! دل کا عندیہ اسے معلوم ہی تھا۔! اس کے باوجود یہ بھیانک خیال کبھی کبھی اسے لرزہ براندام کر دیتا کہ اگر اسے عذرا نے ٹھکرا دیا۔ سہیل نے بھی نہ پوچھا اور ڈاکٹر پرویز بھی ان بن ہو گئے اور۔ اور اس کا دانستہ گناہ اس کے جسم میں سانس لینے لگے تب۔ اس کی نیندیں اڑنے لگیں۔! ہزار طرح کی فکریں اس کے ذہن پر ہزار پا کی طرح پنجے گاڑے ہوئے تھیں۔! ماں ایسی لاپرواہ۔ باپ اتنا سنگدل۔ اور کوئی رازدار نہیں ڈاکٹر پرویز کسی کنونشن کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا

عذرا کا یہ درد بھی بند ہو گیا۔

جہاں ازدر اور سہیل وغیرہ تھے وہ گوشہ فردوس بکنار تھا!

ایک سرسبز گوشہ میں سبزے پر وہ لوگ بیٹھے تھے۔ آس پاس جنگلی پھولوں کے جھنڈ تھے ان کی اپنی مہک تھی۔ ایک طرف باغبانوں نے آبیاری کے لئے چھوٹی سی پختہ نہر بنا دی تھی۔ شفاف چمکیلی ریت پر پانی ننھی ننھی لہریں بناتا بہہ رہا تھا۔ ان کے سروں پر اونچے درختوں نے قدرتی چھتریاں سی تان رکھی تھی۔ لطیف اور خنک ہوائیں چلتیں اور رنگ برنگی پھولوں کی قوس قزح ان پر ٹوٹ کر بکھر جاتی!۔

ننھا طفیل اپنا رنگین گیند لے آیا تھا اور وہ سبزے پر کھیل رہا تھا۔! ایک دفعہ اس کا گیند نہر میں گرا اور تیزی سے بہنے لگا۔!

ڈیڈی!؟۔ طفیل نے ہانک لگائی۔

سہیل جو ہاتھ کا سرہانہ بنائے لیٹے بادلوں کے گزرتے ہوئے ٹکڑوں سے نظر بازی کر رہے تھے۔ چونک کر اٹھ بیٹھے!۔ طفیل ایک طرف ہاتھ اٹھائے چیخ رہا تھا۔! وہ اس کا گیند نکالے دوڑے

جنیا!۔“ ازدر نے اسے مخاطب کیا۔

وہ پھولوں پر منڈلاتی ہوئی خوشنما تتلیوں اور بھونروں کو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گئی۔!

ازدر کے لبوں پر مسکراہٹ تھی!۔

” بہت خاموش ہو۔ کیا سوچ رہی ہو۔!؟۔

کچھ بھی تو نہیں ۔"

"کچھ باتیں کرو ۔"

وہ بے حد سادگی سے ہنسنے لگی ۔" میں گھر سے نکلتی ہی کہاں ہوں ۔ اگر کالج جاتی ہوتی تو اِدھر اُدھر کی باتیں آپ کو سناتی ۔ اب تو آپ اپنی باتیں سنائیے ۔ اتنے برسوں تک آپ گھر سے باہر رہے ہیں ۔ کہاں کہاں آپ گھومتے پھرے ۔ کیا کیا آپ نے دیکھا ؟ ۔"

"سب کچھ میرے لئے خراب بن چکا ہے ۔

"اتنی جلدی ؟ ۔

"ہاں ۔!" انھوں نے سگریٹ سلگایا ۔ اور پرخیال انداز میں ہلکے ہلکے کش لینے لگے ۔ ان کی نگاہیں ذرا اوپر پڑیں اس نے بے ساختہ پلکیں جھکا لیں ۔!

"پڑھنا کیوں چھوڑ دیا تم نے ۔ ؟"

"کیا بتاؤں ۔ شرم آتی ہے ۔! ۔

"پھر بھی ۔!

"دماغی بخار آنے لگا تھا ۔ ذہن پڑھنے کے قابل نہ رہ گیا ۔ کچھ یاد ہی نہیں ہوتا تھا ۔ ایک مرتبہ امتحان میں فیل ہوگئی تھی ۔"

"یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے آگے نہیں پڑھا ۔ بہت اچھا کیا ۔

"اچھا کیا ۔ ؟" اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں ۔

"بہت اچھا کیا ۔" ازدر نے کہا ۔" اس لئے تمھارے چہرے پر وہ تازگی ہے جو بہت پرکشش ہے ۔ جس کا میں کوئی نام نہیں دے سکتا ۔ مگر وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے ۔ تمھاری باتوں میں مکر و فریب کا شائبہ بھی نہیں ہے ۔ تم بہت سادگی سے مسکراتی ہو ۔ تمھاری ہر خدمت میں خلوص ہے ۔ تم دکھاوا نہیں کرتیں ۔

تصنع سے بڑی دور ہو۔! اور تم۔ تم۔ بہت اچھی ہو۔ جنیا۔"

سچ مچ؟" اس نے بچوں کے سے لہجے میں پوچھا۔ یک بیک اس کے دلفریب چہرے پر لالے سے کھل گئے تھے۔" اس کی یہ انوکھی مسرت ازور سے پوشیدہ نہیں رہی۔! لیکن وہ اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے تھے۔ ذارا کم عمر تھی۔ اور شاید دل کی لگی کے معنوں سے بھی ناآشنا۔ ازور اس کی دوگنی عمر کے تھے۔! وہ یقیناً ان کی تعریف سے مسرور نہیں ہوئی تھی بلکہ۔ اور پھر انھوں نے بڑی غائر نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

اس نے انھیں فوراً جواب دیا تھا۔" آپ بھی تو اتنے اچھے ہیں۔ کبھی جی جان سے پوچھیے گا کہ میں آپ کی کتنی باتیں ان سے کرتی تھی۔ اگر انھوں نے آپ کا انتظار کیا تو میں نے بھی کیا تھا۔"

اچھا؟۔

" جی ہاں۔ بہت سی باتیں کرنے کا جی چاہتا تھا آپ سے۔ مگر آپ آگئے تو مجھے بہت شرم لگی۔ آپ تو اتنے بدل گئے ہیں۔ اپنی تصویروں سے بالکل الگ۔!

تم نے مجھ سے جی بھر کے باتیں کیوں نہ کیں!۔

" کچھ ہی میں نہیں آتی۔ اور جو سمجھ میں آتی ہیں۔ وہ شاید آپ کو اچھی نہ لگیں۔"

" اپنوں کی ہر بات اچھی لگتی ہے۔ تم کہو میں سن رہا ہوں۔"

کچھ بھی تو نہیں۔" وہ دفعتہً کھلکھلا کر ہنس دی۔" آپ کو دیکھا اور سب بھول گئی سہیلی اپنے بچے کے ساتھ واپس آگئے۔ ان میں مختلف باتیں ہونے لگیں!

شام کو واپسی پر ازور زبیدہ بیگم کے پاس چلے گئے۔ ان دنوں وہ صحت مند تھیں۔ لیکن ایسا لگتا تھا جیسے سارے گھر سے کٹ گئی ہوں۔ ازور کی وجہ سے کوئی ان کے پاس نہ آتا۔ اور وہ خود بھی کسی کے پاس جاتی نہ تھیں۔

یہ جتنا واہیات سامان آپ کے پاس ہے۔ اسے یہیں چھوڑ دیجئے" ازدر نے
ان سے کہا۔ "اور کل صبح انشاء اللہ۔ اپنے نئے مکان میں چلئے۔ اب آپ کے آرام
کا زمانہ ہے۔ اپنی غفلت بیداری اور لاپرواہی کا کوئی تاوان تو مجھے دینا ہے نا؟"
زبردستی۔؟" زبیدہ بیگم نے کہا۔
اوہ۔ امی۔ اب میری شرمندگی میں اضافہ مت کیجئے۔" ازدر کھسیا گئے بلکہ
آپ خود کو میرے سپرد کر دیجئے۔ اور پھر دیکھئے کرب!"
"کیا کہے گی دنیا۔ بٹیا باہر سے کیا واپس آیا کہ زبیدہ نے ڈیڑھ اینٹ کی
مسجد الگ بنالی۔"
دنیا کی پرواہ کسے ہے امی۔ اب تو میں دنیا سے آپ کا انتقام لوں گا
"کیا کروگے؟ تم انتقام کا لفظ زبان پر لاتے ہو اور میری روح کانپ جاتی
ہے۔ بٹیا سنو۔ تم اب اللہ رکھے صاحب حیثیت ہو۔ جو روپیہ تمھارا میرے
ہاتھوں کسی طرح بھی سہی۔ خرچ ہو چکا ہے۔ اب اس کا حساب کتاب کسی سے نہ
لینا۔ بڑی بری بات ہے۔!"
ازدر نے پرحقیر انداز میں شانوں کو جنبش دی۔ "میں اتنا کم ظرف نہیں امی۔
ان سے حساب نہیں لوں گا۔"
تو پھر بس اسی بات کا تو تم انتقام لینے والے تھے۔ خدا نخواستہ۔"
آپ کو ان سب سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے۔
نہ بھی ہو تو کیا۔ میں پسند نہیں کرتی کہ تم اپنے مقام سے نیچے گرو۔ بٹیا۔ بدلہ
چھچھورے لوگ لیتے ہیں۔ ہم آپ جیسے لوگ بدلے کا خیال تک دل میں نہیں لاتے
میں آپ کی ان کتابی باتوں سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔!"
جو ہوا وہ ہو چکا۔ ازدر۔ آدمی اپنی تقدیر بھگتنے پر مجبور ہے۔ میں بھی مجبور

بھی۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ تم نے دوسرے گھر جانے کا قصد کر لیا ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ ہم یہاں سے چلے جائیں اور کسی سے کوئی سروکار نہ رکھیں بس۔"

"یہ بھول جائیے کہ یہ سب ظالم آپ کے اور میرے باپ کے قاتل ہیں!"

زیادتی ان کی ہو گی۔ قدرت انھیں خود سزا دے گی۔ تم یہ خیالات دل سے نکال ڈالو۔ میری خاطر میرے بیٹے۔ مجھے یہ باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

"کیا آپ نے ان سب کو معاف کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے؟"

میں نے اپنا اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا ہے۔"

میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہوں۔؟"

نئی زندگی شروع کرو۔ نیا گھر ہو گا۔ تمھاری دلہن آئے گی بچے ہوں گے۔ وہ سکھ مجھے ملے گا جس کے بہت سے خواب میں نے دیکھ رکھے ہیں۔ تم مصروف ہو جاؤ گے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے خاموش بیٹھ جانے کا سوال ہی نہ رہے گا۔!"

"خیر دیکھا جائے گا۔!

دیکھا نہیں جائے گا۔ وعدہ کرو مجھ سے۔ تم کسی سے کچھ نہ کہو گے۔ اور میں سچ کہتی ہوں بیٹا۔ بس اسی فکر میں میری رہی سہی صحت برباد ہو رہی ہے کہ نہ جانے تم کسی کے ساتھ کس طرح پیش آؤ۔ یہ کبھی اچھی نہیں ہو سکتی۔

"خیر آپ میرے ساتھ اپنے نئے گھر تو چلیے۔

اکیلے کیسے رہوں گی۔!

اوہ۔ امی۔ آپ نئی نئی الجھنیں نہ نکالیے۔ جیسا میں کہتا ہوں۔ وہ کیجیے۔

زبیدہ بیگم بے بسی سے ان کی شکل تکتی رہ گئی۔!

پہلی دفعہ عذرا کو خود سے مخاطب دیکھ کر سہیل احمد کو بڑا تعجب ہوا اس نے تو سیدھے منھ ان کی باتوں کا جواب بھی نہ دیا تھا۔!

آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے آپ سے کچھ دشمنی ہے" وہ الجھ گئی"۔ شاید ایک ہی دفعہ
میں کسی سے کچھ خفا تھی۔ وہ خفگی میں نے آپ پر نکال دی۔ دیکھئے نا۔ آدمی جس کسی
کو اپنا سمجھتا ہے۔ اسی سے تو خفا بھی ہوتا ہے!۔ ہے نا؟!"۔
زہے نصیب" سہیل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ کہئے کیا کہنا ہے۔؟
آیئے ادھر بیٹھ کے باتیں کریں!"
شہ نشین کے پاس اندھیرا تھا۔ اور ادھر سے کوئی گذرتا بھی نہ تھا۔ سہیل
کے ذہن میں اندیشوں کے سنپولیے رینگنے لگے۔ کہیں یہ کوئی مصیبت میں نہ پھنسا دے
رات کی تاریکی میں گھلے ملے سرگوشیاں کرنا۔ اگر کوئی دیکھ لے۔ تب۔
کوئی خاص بات ہے؟" سہیل نے تعجب سے پوچھا۔
میرے لئے تو بے شک ہے۔ شاید آپ کے لئے نہ ہو۔! آیئے نا۔!"
سہیل نے ایک گوشہ منتخب کیا جہاں نسبتہً روشنی تھی۔ پھر وہ اس سے خاصی
دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔!
فرمایئے۔!" انھوں نے بڑے تکلف سے کہا۔
آپ کو اپنی نئی دلچسپی میں پرانی باتیں فراموش ہو گئیں۔ جیسے کوئی نیا راستہ
آپ کو مل گیا ہے۔ آپ آنکھیں بند کر کے اس پر دوڑے جا رہے ہیں۔!"
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا"
سہیل صاحب۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خیالات میری نسبت اچھے نہ ہوں۔
لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ میرے خیالات بھی برے ہوں۔
ہاں ٹھیک ہے۔ اگر آپ کے خیالات میری نسبت برے نہیں ہیں تو مجھے
اس سلسلے میں خوش ہونا چاہیئے۔ شکریہ۔!"
پھر وہی عزیزیت!" وہ ٹھنکی۔ سہیل چپ ہو گئے۔

"دراصل آپ کو کسی کا سلوک پہچاننے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ لیکن میں تو دیکھتی ہی ہوں اور کل میں نے جو باتیں سنی ہیں، انھوں نے مجھے بہت دکھ پہونچایا۔

"مثلاً"؟"

آپ کو پتہ ہی نہیں۔ تعجب ہے۔ معاف کیجیے، آپ جتنے سیدھے سادے ہیں دنیا ہی سب کو سمجھتے ہیں! لیکن۔!

لیکن کیا۔ اب آپ کھل جائیے۔ بڑی دیر سے معموں میں باتیں کر رہی ہوں"

عذرا کو ناگوار گذرا۔ لیکن اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا "سہیل صاحب۔ آدمی کو پہچاننا سیکھیے۔ آپ اپنے نئے دوست سے بہت خلوص برت رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اب ان سے بڑھ کر کوئی آپ کا دوست نہیں رہا۔ لیکن آپ نہیں جانتے کہ۔۔!"

وہ باتیں کیا تھیں جو آپ نے سنی تھیں۔ کس کے متعلق تھیں۔؟"

"آپ کے متعلق؟!"

کیا۔؟"

"جی ہاں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کی دولت اور پوزیشن دیکھ کر آپ ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ لیکن وہ آپ کو ایک حبہ بھی نہیں دیں گے۔ وہ کل اپنی والدہ کے ساتھ اس گھر سے جا رہے ہیں اور آپ نے ان کی دولت ہی کی خاطر ان کی ماں کی خدمت کی ہے۔ اب آپ بتائیے۔ کیا یہ باتیں کوئی شریف آدمی کسی دوسرے شریف آدمی کی نسبت کر سکتا ہے۔ کیا یہ ناقابل برداشت نہیں ہیں؟"

سہیل ہونٹ چبانے لگے۔ معاً ان کے ذہن میں اظہر کا سلوک تازہ ہو گیا انھوں نے خواہ مخواہ ان کے بچے کے لئے بہت سے ملبوسات اور کھلونے خرید

دے تھے۔ آخر کیوں۔ وہ ان کے محتاج تو نہیں تھے۔ ایک آگ سی سہیل کے دل میں
سلگ اٹھی۔ وہ خاموش کھڑے رہے۔!
"وہ کہہ رہے تھے کہ یہاں سب ہی لالچی اور کم ظرف ہیں۔ اٹھیں ہم سب کے درمیان
نہیں ہے۔"
ٹھیک کہہ رہے تھے"۔ سہیل نے جواب دیا۔"ان کی دادی پر جو ستم آپ سب نے
روا رکھے تھے وہ ۔۔۔!"
"بہت بڑھا چڑھا کر ان کے سامنے بیان کیے گئے۔ لیکن آپ تو بہت آگے
پیچھے پھرتے تھے۔ آپ نے تو ان کی ماں کے پاؤں تک دبائے تھے۔ پذیرائی نہیں
ہوئی اس خدمت کی بھی۔"
سہیل کو پتہ نہ چلا کہ عذرا وہاں سے کب گئی۔ وہ اندھیرے باغ میں نظریں
گڑوئے کھڑے رہے اور سوچتے رہے کہ اذر جیسا انسان اتنی ہلکی ہلکی باتیں کیونکر
کر سکتا ہے۔ کیا اس کے ظاہر و باطن میں ایسا ہی فرق ہے۔ ہر بڑے تکلیف دہ
خیالات انھیں ستاتے رہے۔!"
ڈیڈی۔!" طفیل انھیں پکارتا ہوا آیا۔ سہیل نے دیکھا کہ وہ اذر ہی کا خریدا
ہوا سوٹ پہنے تھا۔ یکبارگی سہیل کو غصہ آگیا۔ وہ اس کی بانہہ تھام کر اپنے کمرے
میں آئے اور اس کا سوٹ اتارنے لگے۔!
نہیں نہیں ڈیڈی۔!" وہ بسورا۔"یہ اتنا اچھا پھولدار ہے۔ چچا جان نے
لے دیا ہے۔"
فرط غیظ میں کھنچے ہوئے لہجے میں سہیل نے کہا۔"بیٹے میں ایسا ہی لے دونگا
مگر یہ تم اس وقت اتار دو۔ اور اب چلو۔ تم اپنی خالہ امی کے پاس چلو۔ کل سے
مدرسہ جانا ہے۔!"

ڈیڈی میں آپ کے پاس رہوں گا۔!" وہ رونے لگا۔

"خالہ امی بہت اچھی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں۔ پھر تم میرے پاس رہنے کے لیے کیوں ضد کرتے ہو۔؟"

مجھے آپ اچھے لگتے ہیں۔ ڈیڈی۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری امی کو بھی کہیں سے لے آئیں گے۔ کب لائیں گے ڈیڈی۔؟"

پتہ نہیں۔ بیٹے۔" انھوں نے کہا اور اسے دوسرا لباس پہنا کر تیار کر دیا۔ بچہ سسک سسک کر روتا رہا۔ لیکن سہیل کو اس پر رحم نہ آیا۔

اتنے میں زارا ادھر آنکلی۔ "سہیل بھائی۔ کھانا کھانے چلیے۔ چچی جان بلا رہی ہیں۔" پھر وہ متحیر نظر آنے لگی۔ "یہ کیا۔ آپ اور منا تو کہیں جا رہے ہیں شاید؟"

ہاں زارا۔" سہیل نے تپتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ان مصنوعی تکلفات کا انجام دیکھ لیا میں نے۔ اب خواہ مخواہ اخلاق کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔۔۔! اور صاحب کا بہت بہت شکریہ۔ جنھیا۔"

کیا بات ہو گئی سہیل بھائی؟" وہ متعجب بھی تھی خوفزدہ بھی۔ ابھی ابھی تک تو سب اچھی خاصی طرح ہنس بول رہے تھے۔! اب کیا ہوا۔

سہیل نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ طفیل کی بانہہ پکڑ کر کمرے سے باہر آئے۔ دروازہ بند کیا اور زارا کو یکسر نظر انداز کر کے سیدھے نکلے چلے گئے!۔ روتے ہوئے بچے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

زارا کو فکر مند اور روہانسی دیکھ کر زبیدہ بیگم نے بڑی محبت سے وجہ پوچھا اور جواب کی تمنا میں ادور بھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔!

معلوم نہیں چچی جان۔ سہیل بھائی کیوں یکبارگی خفا ہو گئے۔" زارا نے مدھم لہجے میں کہا۔ وہ بچے کو لیکر چلے گئے۔ یہ نہیں کہا کہ انھوں نے بڑے تلخ

گفتگو کی تھی۔ جو سہیل کی عادت نہیں تھی۔

ازور نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ سہیل جیسے انسان کو غصہ آ ہی نہیں سکتا! ۔ جنیا۔ کیا وہ چلے گئے۔؟"

"جی ہاں۔"

بچے کی وجہ سے گھبرا جاتے ہیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" وہ آجائیں گے تو میں ان سے وجہ پوچھوں گی۔

بڑی بدمزگی سے کھانا ختم ہوا۔ ازور نے دیر تک سہیل کا انتظار کیا مگر وہ شاید اس رات اپنی سسرال ہی میں رہ گئے تھے۔ دوسری صبح بھی سہیل سے ازور کی ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ دل گرفتہ ہو رہے تھے! نئی کوٹھی میں جانے کی امنگ اور مسرت ملیامیٹ ہو گئی تھی! ٹرک پر ان کا اسباب بار ہوتا رہا زبیدہ بیگم اس طرح چور بنی تھیں گویا وہ کوئی جرم کر کے جا رہی ہوں! ۔ دوسرے لوگ کچھ فکر مند تھے کچھ مسرور۔ لیکن ذارا کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے وہ زبیدہ بیگم سے بہت قریب تھیں اور ازور کی شہ رگ کے پاس۔ اسے اپنے احساسات کا ادراک نہ تھا مگر اسے لگتا تھا کوئی بہت عزیز شے اس سے چھینی جا رہی ہے۔! اپنے سامنے اسے ایک تاریک لامحدود خلا نظر آ رہا تھا۔!

خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے کچھ حساب فہمی نہ کی "مظفر نے چپکے سے اپنی بیوی سے کہا۔" میں نے تو بینک سے رقم نکلوا لی تھی۔ مگر یہ جا کیوں رہے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ شادی کریں گے۔ یہیں رہیں گے۔!"

میں کیا جانوں۔ ساجدہ خاتون نے کہا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ مجھے زبیدہ پر اب ترس آ رہا ہے۔ بے چاری۔ کبھی سکھ کی سانس نہ لے سکی۔۔ اگر ہمارا

لڑکا یہاں آتا تو ہم بس کی کیا کیا خاطریں نہ کرتے۔ ازدر کی کسی نے نہ کی۔!"
مظفر خاموش ہو گئے۔ عزیزہ بیگم نے بلبلا کر کہا۔ بھائی جی۔ ایک دفعہ تو آپ
کسی طرح ازدر سے کہہ دیتے۔ میں عذرا کے لئے بہت پریشان ہوں۔
کیا فائدہ عزیزہ۔ منہ کھائی جائے۔! ساجدہ خاتون بولیں۔
میں زبیدہ سے کہوں گا۔" مظفر نے کہا۔ اور کچھ گم صم سے ہو کر خلال کرنے
لگے

دس بجے زبیدہ بیگم سب سے ملنے آئیں۔ عجیب حلیہ تھا۔ چہرہ سفید۔
ہونٹ خشک۔ خود کو سنبھال رہی تھیں! منہ سے بات نکلنی دشوار تھی۔!
"جاتی ہوں بھابی۔ اتنے عرصہ تک آپ سب کا ساتھ رہا۔ اب تقدیر
جدا کر رہی ہے۔ معاف کر دیجئے گا مجھے۔ اگر کبھی میں نے کسی کی شان میں
کچھ کہا ہو۔"
یہ ازدر کو سوجھی کیا۔ زبیدہ؟" مظفر صاحب نے کہا۔" تم نے کچھ کہا تھا
ان سے؟"
"نہیں بھیا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔
میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اللہ رکھے وہ عذرا سے بیاہ کر لیتے۔ ساتھ
رہتے۔ جو ہونا وہ ہو چکا۔! ساجدہ خاتون نے کہا۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ ہم
سب تم سے اور ازدر سے معافی مانگ لیتے۔!
نہ جاؤ بہن۔ ازدر کو میں سمجھاؤں گی۔" عزیزہ بیگم نے کہا۔" ایسا برا
لگ رہا ہے کہ جیسے رخاور کی صورت سامنے آ گئی ہے۔!
خاور کا نام لینا تھا کہ زبیدہ بیگم کی آنکھوں نے ساون بھادوں برسانا
شروع کر دیا۔ سب سکتے میں تھے۔

دفعتاً ازدر نے دہلیز پر قدم رکھا اور بڑی حقارت سے بولے "ملنے ملانے میں اتنی دیر۔ امی۔ میں بڑی دیر سے آپ کا منتظر ہوں۔ چلیے۔ ٹیکسی آگئی ہے"

میاں یہ بیٹھے بٹھائے الگ گھر لینے کا قصد کیسے کر لیا۔" ساجدہ خاتون نے کہا۔

"میرے یہاں آنے کا مقصد ہی یہی تھا"۔ ازدر نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"بیٹا جو دن گزر چکے۔ ان پر خاک ڈالو" مظفر صاحب نے کہا۔ "ہمیں احساس ہے کہ تمھاری والدہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ ہم ہی لوگ جاہل تھے۔ لیکن اب معافی مانگتے ہیں۔ تم دل صاف کرلو۔ تمھارا اور زبیدہ کا جانا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔!"

"میں نے تو رائے دی تھی کہ تم اب ماشاء اللہ گھر بساتے۔ عذرا دیکھی بھالی لڑکی ہے۔ تمھاری سگی پھوپھی زاد بہن ہے"۔ ساجدہ خاتون بولیں "میاں اب ہمارے چل چلاؤ کے دن ہیں۔ دنیا تمھاری ہے۔ تمھاری خوشیاں اب ہماری خوشیاں ہیں۔ اور کیا"

"واپس کر دوں سواری۔؟" مظفر نے پوچھا۔

"جی نہیں!" ازدر نے بڑی بے رحمی سے کہا۔ "اب ہمیں اجازت ہی دیجیے امی کا یہاں رہنا یا نہ رہنا برابر ہے۔ وہ اب اس قابل نہیں رہی ہیں کہ گھر گرہستی کریں۔ آپ سب کی خدمت ان سے نہیں ہو سکے گی۔ بیکار بوجھ بن جائیں گی۔ رہی شادی وادی کی بات۔ تو۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے جناب کیونکہ۔ خدا کے فضل سے محترمہ عذرا اہل سادات سے ہیں اور میں ایک کم نسب آدمی۔ پٹھان۔ جس کی کوئی عزت و توقیر نہیں ہوتی۔ جس کی کوئی ذات ہی نہیں ہوتی۔ اسے خدا نہیں پیدا کرتا۔ وہ خودرو درخت کی طرح

زمین سے آگ آتا ہے۔ معاف کیجیے گا۔ عذرا کی اور ہیری کوئی برابری نہیں۔!
کئی بار مظفر صاحب کے ذہن میں دھماکے سے ہوئے اور کئی مرتبہ وہاں موجود خواتین کے پُر غرور چہروں پہ باری باری سفید و زرد رنگ لہرائے۔ وہ لوگ کچھ بول نہ سکے۔ اور ان کے سامنے ازور زبیدہ بیگم کو نکال لے گئے۔! ازور کے سفاک لہجے نے انھیں اس طرح تکلیف پہنچائی تھی۔ گویا کہ انھوں نے خواہ مخواہ ہی ناکردہ گناہوں کو تلخ نوائی کی سزا دی تھی۔!

ان کے جانے کے بعد گھر بھر میں ایک بھیانک اور اعصاب شکن سناٹا چھا گیا۔ سب اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔!

زارا انھیں رخصت کرنے باہر تک آئی۔

"چچا جان!" وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی۔

"بیٹی یہ جبر ہے مجھ پر۔ اپنی خوشی سے میں نہیں جا رہی ہوں۔" زبیدہ بیگم کا دل پھٹنے لگا۔"

ازور نے مسکرا کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تمھیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اب اجازت دو۔"

مصافحے کے لیے زارا کا ہاتھ نہ بڑھ سکا۔ اس کے آنسو گالوں پر بہہ نکلے۔ عجیب سی نظروں سے ازور کو دیکھا کہ ان کا تبسم کافور ہو گیا۔

"پھر کب آئیے گا۔؟" وہ بمشکل تمام بولی۔

"جب تم بلاؤ گی۔ چلا آؤں گا۔" انھوں نے کہا۔ اور اس کے پاس سے ہٹ گئے۔

ٹیکسی گیٹ سے نکلی اور سڑک پر آ گئی۔ ازور نے دیکھا۔ وہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ حسرت و یاس کی زندہ تصویر۔ ٹیکسی ایک موڑ پر مڑ گئی۔ اور وہ

تصویر بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ انور کو یہ راستہ ایسا لگا جو شاید کسی بھی منزل پر ختم نہیں ہوتا تھا۔!

انور کا خیال تھا کہ زبیدہ بیگم نئی سجی سجائی کوٹھی پر پہونچ کر بہت خوش ہوں گی۔ مگر ان کا خیال غلط نکلا وہ یک بیک مغموم ہو گئیں! انور نے انھیں پوری کوٹھی دکھائی اور باغ میں لے آئے!۔ باغبان کام کر رہے تھے۔ اپنے مالکوں کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ جوڑ کر انھیں سلام کیا۔! انور نے کچھ نوٹ جیب سے نکالے اور انھیں تھما دئے۔!

گھر اور چمن آپ کو پسند آیا۔ امی۔" انور نے مسکرا کر پوچھا اگر خود ان کے دل پر جیسے کوئی بھاری بوجھ پڑا تھا۔

اللہ مبارک کرے۔ بہت اچھا ہے۔

مگر آپ ناخوش و بیزار معلوم ہوتی ہیں۔

نہیں تو۔!"

جنیا یاد آتی ہے؟!"

ہاں اسی کا خیال ہے۔ رونے لگی تھی مجھ سے لپٹ کر۔!

لیکن کیا بات ہے معلوم نہیں سہیل صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ کچھ ناراض تو نہیں ہو گئے۔

میری بات مانو تو سہیل اور ان کے بچے کو بھی یہیں لے آؤ۔ اتنی تنہائی بھی نہ رہے گی۔ اور سہیل کو بھی ذہنی گھٹن سے نجات مل جائے گی۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" میری تو یہ آرزو ہے کہ تم دونوں اپنے اپنے گھر بساؤ۔ میرے گھر میں بہوئیں چلیں پھریں۔ ان کے بچوں کی چہکاروں سے میرا آنگن گونجے۔ مگر معلوم نہیں۔ خدا کو میری یہ آرزو بھی اچھی لگے کہ نہیں۔" وہ آہ بھر کر خاموش ہو گئیں

نہ جانے کیا بات تھی۔ ازدر کا دل بھی کسی نامکمل خواہش کی تکمیل کیلئے بے چین ہو —

انھوں نے وثوق سے کہا۔

یقیناً یقیناً۔ آپ کی یہ آرزو ضرور پوری ہوگی۔ آپ کو مزید صدمے دینا گناہ ہے

اچھا۔ میں جاکر سہیل صاحب کو لئے آتا ہوں۔ رہتے کہاں ہیں؟"

مجھے کیا پتہ۔ میاں۔ گھر جاکے کسی سے پوچھ لینا۔ ان سب سے ہمارا قطع تعلق

تھوڑی ہوا ہے۔ کیا عزیز دور نہیں رہتے۔

ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں۔ مظفر صاحب سے پتہ پوچھ لوں گا!۔

پھر وہی!۔

معاف کیجئے امی۔ ان کی طرف سے میرا دل صاف نہیں ہے!"

ابھی جاؤ گے۔؟

جی ہاں۔! آئیے آپ ادھر چلئے۔ میں نے ایک چھوٹی سی لائبریری بھی خریدی تھی۔

اس میں آپ کو اچھی کتابیں مل جائیں گی۔ آئیے چلیں"

ازدر چلے گئے۔ زبیدہ بیگم کچن میں آئیں اور اپنی نئی ملازمہ سے باتیں کرنے لگیں

مظفر صاحب سے عذرا کو سارا قصہ معلوم ہوا تھا۔ اور وہ دم بخود تھیں۔ اس کے

سامنے یہ لوگ نہیں گئے تھے!۔ لیکن اس نے ازدر کو آتے دیکھا تو دل ہی دل میں

خوش ہو گئی۔! مظفر صاحب چلے گئے تھے۔ ازدر کی مڈبھیڑ عذرا ہی سے ہوئی۔

آپ کو ہم سے اتنی شکایتیں تھیں کہ بہرحال آپ نے الگ ہی ہو جانا پسند کیا۔

وہ بولی۔ اور اسے احساس ہوا کہ ازدر کے سامنے وہ اپنے چہرے کے زاویے لب

ولہجے کے انداز اور حرکات وسکنات کی معقولیت پر قابو نہیں رکھ سکتی!۔

ازدر نے اس کی بات ان سنی کر کے کہا "میں سہیل صاحب سے ملنا چاہتا ہوں

آپ کو ان کے سسرال کا پتہ معلوم ہے۔

آپ کے منھ سے لفظ سسرال کیسا عجیب لگتا ہے" وہ ہنس پڑی۔ ازدر کے
ماتھے پر ناگواری کی شکنیں نظر آئیں۔ وہ خشک لہجے میں بولے۔
"تو پھر اس گھر کو کیا کہا جائے گا۔ جہاں وہ رہتے ہیں۔ آپ کو پتہ معلوم ہے؟"
ان کی ایسی کیا ضرورت آپڑی ازدر صاحب۔؟
ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آپ کو ان کا پتہ معلوم ہے؟" بے حد خشک
لہجے میں ازدر نے تیسری مرتبہ پوچھا۔!
کیوں کیا آپ سے صلح صفائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔
صلح صفائی میں سمجھا نہیں۔
میں تو سمجھی تھی کہ آپ سے کسی نے کہہ دیا ہے تبھی تو آپ ان سے باز پرس
کرنا چاہتے ہیں۔!" عذرا نے کہا۔
"یہ آپ کیا جیتیاں سی بجھوا رہی ہیں!" ازدر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ
بڑے ناز سے مسکرائی۔
میں آپ کی برائی نہیں سن سکتی۔ اس لیے تو۔ مگر شاید۔
آپ کو قیامت تک میرے خلوص کا یقین نہیں آئے گا۔!
"میں کبھی اپنی اچھائی بھی سننے کا خواہشمند نہیں رہا۔ آپ یہ بتائیے کہ آخر آپ
نے مجھے مہمل باتوں میں کیوں الجھا رکھا ہے۔ اگر آپ کو ان کا پتہ معلوم نہیں ہے تو
میں کسی اور سے دریافت کرلوں گا۔!
میں یہ مشورہ آپ کو نہیں دوں گی کہ آپ سہیل صاحب سے ملیے۔ آپ کے
متعلق ان کے خیالات بہت خراب ہیں۔!
ہو سکتے ہیں۔
کیا؟۔ عذرا نے متحیر لہجے میں کہا۔" آپ کو اس بات پر غصہ نہیں آتا کہ کوئی

آپ کو مغرور، تنگدل، کم ظرف اور دولت پر پھولنے والا کہے۔ آپ کے نسب کو حقیر سمجھے۔ آپ کے کردار کو مشکوک سمجھے یا آپ کی رفاقت سے گریزاں ہو۔؟ واہ ازور صاحب سہیل آپ کے سائے سے بھی بھاگتے ہیں آپ سے ملنا پسند نہیں کرتے اور آپ ان کا پتہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔

معلوم نہیں ہے۔؟" ازور نے ان تمام باتوں کے جواب میں کہا۔

میں کیا جانوں۔" اس نے کہا پھر بولی۔" میں تو آپ کو واپس آتے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔ آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا۔ کہ سہیل صاحب کے علاوہ۔ کوئی اور بھی آپ کی ہم نشینی رفاقت کا آرزومند ہو سکتا ہے۔!"

کبھی نہیں سوچا۔" ازور نے کہا۔ یک بیک ان کا دماغ گھومنے لگا۔ کیا دنیا سے خلوص، یگانگت۔ رواداری سب ناپید ہو چکے۔ انھیں بے حد تکلیف پہنچی سہیل کا انھوں نے کیا بگاڑا تھا۔!

چند منٹ وہ کھڑے سوچتے رہے۔ عذرا انھیں دیکھتی رہی۔ یکا یک ازور مڑے اور واپس چلے گئے۔!

عذرا کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔! وہ کسی کی آہٹوں پر چونکی۔ سہیل مضمحل قدم اٹھاتے ہوئے۔ آرہے تھے۔ اس نے خود کو سنجیدہ بنا لیا اور بے حد افسردہ لہجے میں بولی۔

آداب۔ اچھا ہوا کہ آپ چند لمحے پہلے نہ آئے۔!"

کیوں۔" سہیل وہیں کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا۔ پھر اس کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر سر جھکا کر سگریٹ سلگانے لگے۔!

ازور صاحب آئے تھے۔!

اچھا؟" انھوں نے حقارت آمیز پیرایہ میں کہا۔ اور نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک طویل کش لگا کر ڈھیروں دھواں بکھیر دیا۔! اور اپنی بھاری آواز میں بولے۔

"لیکن میرے پہلے نہ آنے میں کیا اچھائی ہوتی۔!"

کچھ نہیں! خدا مجھے غارت کرے۔ میں کوئی بات چھپا کر رکھ ہی نہیں سکتی۔

"کہہ دیجئے۔ ایسی کون سی ناگفتہ بہ بات ہے۔!

آپ کو پھر غصہ آجائے گا۔!

قہر درویش بجان درویش۔ میرا غصہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔!

پھر بھی۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ۔ آپ کو دکھ ہو۔

اچھا؟" سہیل استہزائیہ انداز میں ہنس دئے۔ "تعجب ہے۔ انہونی باتیں بھی آپ کا دل چاہنے لگا ہے۔!

"جانے دیجئے۔ آپ تو مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔!"

اس کے اٹھلانے کے انداز سے سہیل کا دل دھڑکنے لگا۔ کیا چاہتی ہے یہ اس سے قبل تو کبھی اس قسم کی باتیں نہیں کی تھیں۔ پھر بھی انھوں نے کہا۔

"دشمن اسے سمجھا جاتا ہے جسے دوست نہیں سمجھا جاتا۔ میں نے تمھیں نہ کبھی اپنا دوست سمجھا تھا نہ اب دشمن سمجھتا ہوں۔"

"کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا۔

تم نے کچھ بنایا بھی تو نہیں۔!"

کچھ بھی ہو۔ ہم میں کچھ تھوڑی سی شناسائی تو ہے۔ میں آپ کی برائیاں بھی نہیں سن سکتی۔!

میں سمجھ گیا شاید اسی لئے تم نے میرے جلدی نہ آنے پر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ

انور صاحب تشریف لائے تھے۔ انھوں نے پھر میرے متعلق کچھ کہا ہوگا۔

کچھ نہیں۔ بہت کچھ۔!

نو دولتئے ہیں۔ عذرا۔ عمر بھر کے افلاس کے بعد اب دولت ہاتھ میں آئی ہے۔ رکھتے اٹھاتے نہیں بنتی! سمجھ میں نہیں آتا ہوگا کہ اپنے تکبر اور غرور کا اظہار کس پیرایہ میں کریں۔ خیر۔ میں انھیں کچھ نہیں سمجھتا۔! میں ان کے منھ بھی نہ لگتا اگر وہ یہاں ہوتے اور میرے سامنے مجھے برا بھلا کہتے تو بھی میں انھیں کچھ نہ کہتا

کیوں؟" سچ مچ تعجب سے عذرا نے پوچھا۔

"تنگدل آدمی پر ترس آسکتا ہے۔ غصہ نہیں۔!"

خیر چھوڑیے۔ آپ ساری رات کہاں رہے۔؟

کیا کروگی پوچھ کے۔

کرنا کیا ہے۔

طفیل کی نانی سے بات چیت کرتا رہا۔!

ساری رات؟۔

ہاں۔!

کیوں۔!

تنہائی سے گھبرا گیا ہوں۔ ان سے درخواست کر رہا تھا کہ طفیل کی خالہ کو مجھ سے بیاہ دیں۔!

نہیں؟؟۔!

ہاں بھئی۔ وہی طفیل کی اچھی ماں ثابت ہو سکتی ہیں۔ میرے بچے کو جس طرح رکھا ہے۔ اس سے میں یہ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ ان سے بہتر کوئی دوسری ماں طفیل کو نصیب نہیں ہو سکتی۔!"

پھر کیا ہوا۔؟" عذرا کا دل دھڑک اٹھا۔

وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔

انھوں نے منظور کر لیا۔؟

ہاں۔! اگلے مہینے وہ قانونی طور پر فضیل کی ماں بن جائیں گی۔"

لیکن آپ تو۔!"

میں اس لئے ابھی تک خاموش تھا کہ مجھے امید تھی شاید تمھارا دل پسیج جائے مگر تم نے جس طرح صاف جواب دیا تھا۔ اس نے مجھے بہت مایوس کیا تھا۔ کیا کرتا۔ کب تک تمھارے یہاں سرائے کے مسافر کی طرح پڑا رہتا۔ کب تک میرا جیء روتا رہتا۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ گو کہ بڑی دیر میں ہو گا۔

آپ یہاں سے چلے جائیں گے؟" کچھ خفیف ہو کر عذرا نے پوچھا۔

بالکل سامان ہی لینے تو آیا ہوں۔!

اتنی جلدی؟!" اس کا چہرہ بے رنگ ہو گیا۔

جب یہاں سے جانا ہی ہے تو آج کیا اور کل کیا۔؟" سہیل نے کہا۔ ایک دل شکن ہنسی ہنسے اور سگریٹ فرش پر پھینک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے!۔

عذرا کے سینے میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

یا خدا! کیا ہو گا۔ اسے ازدر، سہیل اور پرویز میں سے کوئی بھی نہ مل سکے گا اس نے اپنے سلوک سے ازدر و سہیل کو برگشتہ کر دیا۔ ڈاکٹر پرویز دامن کشاں ہیں تو پھیر۔!

اسے بت بنی دیکھ کر اتفاق سے عزیزہ بیگم نے دیکھ لیا۔ وجہ پوچھی۔ عذرا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "امی۔ وہ آئے تھے۔ ان کا کلیجہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا کہہ گئے ہیں کہ ایک بھیانک انتقام لوں گا۔

کون؟" ارزو نے کہا؟" عزیزہ بیگم نے بھونچکا ہو کر کہا۔

"ہاں۔ امی۔ دھمکی دے گئے ہیں۔" وہ اس طرح مسکرائی کہ عزیزہ بیگم دیکھ نہ سکیں مگر انھوں نے گھر بھر میں وہ ہا میاں سی ڈال دیں۔ سہیل جو اپنا اسباب سمیٹ رہے تھے۔ یہ سارا شور سن کر بد دل ہو گئے۔

"آدمی لاکھ تعلیم یافتہ مہذب اور امیر ہو جائے مگر دن، دنیا کے پہلے آدمی کی طرح رشک و رقابت اور انتقام جیسے جذبات سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکا لعنت ہے۔"

زارا نے بھی سب کچھ سنا۔ رات سے وہ عجیب طرح کی کھوکھلی ہو رہی تھی جیسے اس کا زندہ جسم تو بے شک زمین پر متحرک تھا مگر روح کہیں پرواز کر چکی تھی مبہوت خود فراموش اور گم صم سی۔ اس کا کہیں جی نہیں لگ رہا تھا۔ ساری رات وہ کھڑکی میں بیٹھی آسمان و زمین کے ہولناک خلا میں کچھ تلاش کرتی رہ گئی تھی۔ اسے اپنے محسوسات کا ادراک نہیں تھا۔ وہ بے چین تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا چاہتی تھی۔؟ اچھا ہنستی بھی آپ کھوئی ہوئی وہ اسی طرح بیٹھی رہی لا متناہی بے ربط خیالوں کا ایک ریلا تھا۔ جو اس کے دماغ کو اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہا تھا۔!

جب وہ تھک گئی تو آہستہ آہستہ رونے لگی۔

"نہیں نہیں۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس طرح اجنبی بن کے چلے گئے جیسے مجھ سے آپ کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ آپ کو معلوم نہیں ہے۔ اپنے خیالات میں نے آپ کے تصور سے کتنے سجائے ہیں۔ آپ کو ہمیشہ اپنے دل میں سب سے چھپائے رکھا ہے۔ میں خود بھی نہیں جانتی میری ہستی میں آپ کہاں پوشیدہ ہیں اس پھانس کی طرح۔ جو خون کے ساتھ گردش کرتی بالآخر دل سے آ ٹکراتی ہے

اور پتہ نہیں چلتا۔ یہ پھانس مجھے جینے نہ دے گی۔ میں کسی سے کہہ نہ سکوں گی میں کیا چاہتی ہوں۔ کاش۔ آپ نے پہچانا ہوتا۔ کیا زارا کی آنکھیں کچھ نہیں کہتیں۔

پھر وہ اپنی حالت سنبھال کر باہر نکلی۔

منظر صاحب دالان میں کھڑے تھے۔ ان کا چہرہ فکر مند نظر آرہا تھا۔ پاس ہی سہیل تھے۔ زارا نے باری باری دونوں کو دیکھا۔!

تمہاری دلشکنی کی تو کوئی بات نہیں ہوئی میاں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ تم نے بھی رخت سفر باندھ لیا ہے۔" منظر صاحب کہہ رہے تھے۔

" دلشکنی کی کوئی بات نہیں ہے جناب عالی" سہیل نے جواب دیا۔ بس اب مجھے احساس ہوا ہے کہ میں بہت بے قرینہ زندگی گزار رہا ہوں۔ میں یہاں ہوں اور طفیل وہاں۔ نہ اسے چین ہے نہ مجھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس کے دل و دماغ پر ناگوار اثر پڑ رہا ہے۔ وہ پڑھنے لکھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ میں اس کی بھی زندگی برباد کر رہا ہوں اس لئے میں نے سوچا ہے کہ۔۔!"

اپنے بچے کو یہاں لے آؤ" ساجدہ خاتون بولیں۔

یہاں اس کی دیکھ بھال کون کرے گا۔" سہیل نے کہا اور پھر بولے "لیکن خالہ جان اب یہ کوئی پریشان کن مسئلہ نہ رہے گا۔ کیونکہ۔ میں طفیل کی خالہ میرا مطلب ہے کہ ممانی جان نے منظور کر لیا ہے کہ زہرہ ہی طفیل کی ماں کی جگہ لے سکتی ہے لہذا۔"

زہرہ تو تمہاری سالی ہے نا؟" عزیزہ بیگم نے تعجب سے کہا۔

جی ہاں" سہیل نے کہا "انھیں سے نکاح ہوگا۔

زہرہ باجی سے؟" زارا نے خوش ہوکر کہا۔

سہیل اس کی طرف دیکھ کر پیار سے مسکرائے " ہاں جنیار۔

سہیل بھائی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ کیا آپ وہیں جارہے ہیں۔!

" ہاں۔"

میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔!

میرے ساتھ۔؟ زہرہ کے پاس؟!" سہیل نے خوش ہو کر کہا۔

" جی ہاں۔ دل گھبرا رہا ہے۔ چچی جان نے الگ گھر بسا یا۔ آپ بھی جارہے ہیں مجھے بھی لیتے چلیئے۔ شاید زہرہ باجی کے پاس جاکر کچھ دل لگے۔!"

جب وہ باہر نکلے اور سہیل نے ایک خالی آٹو رکشہ کو ٹھہرایا تو ذرا ان کے پاس سرک آئی اور چپکے سے بولی " سہیل بھائی۔ آپ مجھے چچی جان کے پاس لے چلیئے۔!

لیکن میں وہاں جانا نہیں چاہتا۔!

کیوں؟۔

میں نے ازور صاحب کو غلط سمجھا تھا۔ جنیار۔"

شاید اس نے ان کی بات پر غور نہیں کیا۔ اپنی رو میں بولی۔ کل شام ازور صاحب آئے تھے۔ اور۔!

جانتا ہوں۔!" وہ برا سا منہ بنا کر بولے۔

" آپ کو پوچھ رہے تھے۔ انھیں افسوس تھا کہ آپ سے مل کر نہیں گئے۔ دیر تک عذرا باجی سے باتیں کرتے رہے۔!"

عذرا سے۔؟

جی ہاں۔ نجانے انھوں نے کیا کہا تھا۔ میں سن نہ سکی۔ ازور صاحب کی آواز تو مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ مگر عذرا باجی بہت آہستہ آہستہ بولی

رہی تھیں۔ آپ سے وہ ملے تھے۔؟"

"نہیں۔ وہ ملنا بھی چاہتے تو میں نہ ملتا۔!"

زارا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ آپ ان سے خفا معلوم ہوتے ہیں سہیل بھائی

"برابر والوں سے خفا ہوا جاتا ہے خفیہ۔ میں بے چارہ ایک کنگال لیکچرر ہوں وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ میرا ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ اتنے اعلیٰ ظرف ہیں کہ کسی کو کچھ دے کر دوسرے سے اس کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔!"

انھوں نے کیا کیا سہیل بھائی۔ میں ان سے پوچھوں گی۔"

"تمھاری مرضی۔ مگر میں ان کے یہاں نہیں جاؤں گا۔ انھوں نے مجھے دوسروں کے سامنے سبک کیا ہے۔ مجھے صدمہ ہے خفیہ۔"

"آپ نہیں جائیں گے تو میں کیسے جاؤں گی۔ ان کا گھر کہاں ہے۔ مجھے کیا معلوم؟"

"تم تو زہرہ کے پاس چل رہی تھیں۔؟"

"پھر کیا بہانہ کرتی۔؟"

اتنے میں سہیل نے ایک آٹو رکشہ ٹھہرا لیا۔ زارا نے اداس لہجے میں کہا "بڑا برا لگ رہا ہے آپ کے خیالات ان کی طرف سے اتنے خراب ہو گئے۔ آپ ان کے یہاں جانا پسند نہیں کرتے۔ اب میں جا کے کیا کروں گی۔ آپ چلے جائیے۔"

"تمھیں چھوڑتا ہوا چلا جاؤں گا۔ میں گھر کے اندر نہیں جاؤں گا۔ آؤ بیٹھو۔"

کرائے کے پیسے نہیں لائی۔" زارا بھولپن سے بولی۔"

سہیل ہنسنے لگے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آٹو میں کھینچ لیا۔

راستے بھر زارا انھیں لیکچر پلاتی رہی۔ کہ مسلمان آدمی کس قسم کا کینہ یا بغض اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ سہیل نے ساری سنی ان سنی کر دی۔

زبیدہ بیگم دیکھ رہی تھیں کہ ازور بھی اپنے گھر میں آکر خوش نہیں تھے۔ نجانے کس خیال میں غرق رہتے تھے۔ انھوں نے ازور کو ساری رات ٹہلتے اور سگریٹ پھونکتے دیکھا تھا۔ اس رات بھی تقریباً وہ جاگتے اور ٹہلتے رہے۔

صبح کو ناشتے پر زبیدہ بیگم نے دیکھا۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ لب خشک تھے اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور گالوں پر کئی دن کی داڑھی پھیل گئی تھی۔

وہ کرسی پر آ بیٹھے۔ اور پھر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ سہیل کا سلوک۔ زارا سے جدائی۔ اپنی بے دست وپائی کا جانگسل احساس۔ ماں سے کیے ہوئے وعدے کا پاس ولحاظ۔ کتنے خیالوں نے ان پر یلغار کر دی تھی۔ سب سے غالب خیال اور نمایاں تکلیف سہیل کے مغایرانہ سلوک کی تھی۔

"بیٹے شروع کرو۔ سب کچھ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔

انھوں نے ایک طویل سانس لیکر سر اٹھایا۔ ان کا افسردہ چہرہ دیکھ کر زبیدہ بیگم کے دل پر چوٹ پڑی۔ دبی زبان میں بولیں۔

"میاں آخر کیا سوچتے رہتے ہو۔ رات میں نے دیکھا تم سوئے نہیں ٹہلتے رہے۔ کیا کوئی ایسی بات ہے جو مجھ سے کہہ نہیں سکتے۔ اب اللہ نے چین اور سکون دیا ہے۔ مگر تمھیں نہ سکون ہے نہ قرار۔"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ امی" انھوں نے بے مزگی سے ٹوسٹ کھاتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے۔ ؟ میں تو کہتی ہوں کہ اب کوئی کاروبار کرو۔ اتنے پڑھے لکھے ہو سہیل تو کہتے تھے کہ تمھاری تعلیم کے مطابق کوئی ملازمت یہاں نہ مل سکے گی ؟"

سہیل کہتے تھے۔" استہزائیہ انداز میں ہنس کر انھوں نے دہرایا۔ جی ہاں شاید ان کا خیال درست ہو۔ مگر خیر۔ میں یہاں کوئی ملازمت نہیں کروں گا امی میں حکومت کے اشتراک سے یہاں ایک بینک قائم کرنا چاہتا ہوں چند روز میں کام شروع ہو جائے گا۔ مصروف ہو جاؤں گا۔ آپ کو بھی میری بیکاری کی شکایت نہ رہے گی۔!

اللہ تمھیں کامیاب کرے۔" وہ چپکے سے بولیں پھر کہا۔ کل تم نہیں تھے۔ شام کو ہاجرہ بی ایک ماشطہ کو لائی تھیں۔ انھوں نے بڑے اچھے اچھے رشتوں کی نشاندہی کی تھی۔ تصویریں بھی دے گئے ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ صاحبزادے کو دکھا دیجیے۔ دیکھو گے۔ لاؤں۔ ؟"

"ناشتہ کر لیجیے۔ پھر۔"

زبیدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ وہ کسی پر زیادتی نہیں کر سکتی تھیں۔ کسی سے اپنا حکم نہیں منوا سکتی تھیں۔ کسی پر ان کا رعب نہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے بیٹے سے تک ڈرتی تھیں۔! اور پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی اور اسے اس کا بھی ہوش نہ تھا۔!

"میرے اللہ۔ تیش انداز محبت کی حرماں نصیبی۔ اور بے زبان ہستی کی وہ بولتی ہوئی آنکھیں۔ مگر۔ یہ سب بیکار ہے۔ بے سود۔ وہ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹی ہے کسی کو اس کا خیال تک نہ آ سکے گا۔ میں بس اسی طرح سلگتا جلتا ایک روز ختم ہو جاؤں گا کسی سے نہ کہوں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔؟

اف۔ اگر میں نے اظہار کر دیا تو پھر کتنی متحیر و متعجب آنکھیں میری طرف اٹھ جائیں گی
اور شاید۔ وہ خود بھی۔ اسے پسند نہ کرے۔ محبت جلن، تپش۔ اور سوز و گداز
ہی کا دوسرا نام ہے۔ چپکے چپکے آہیں بھرنا۔ اور سسک سسک کر زندگی کے
دن گذارنا۔ بس یہی ہے وہ روح فرسا جذبہ۔ جسے انسان کے دل کے لئے گھن
بنا کر تخلیق کیا گیا ہے۔ ایک گہرا زخم۔ ایک ٹپکتا ہوا ناسور۔ ناکامی۔ محرومی!
اور بس اس کے سوا کچھ نہیں۔!"

دفعتہً وہ زبیدہ بیگم کی آواز سے چونک پڑے۔

"آؤ میری بیٹی آؤ۔" وہ کرسی سے اٹھیں اور لپک کر زارا کو گلے سے لگا لیا۔ "
تمھیں دیکھ کر مجھ میں نئی جان آ گئی۔ پتہ کیسے معلوم ہوا۔ آؤ۔ ناشتہ کر لو۔" وہ
فرط مسرت سے ہکلانے لگیں۔

زارا نے ہانپتے ہوئے ادور سے کہا۔ "آداب۔!"

"آداب نہیں۔ وعلیکم والسلام۔" ان کا چہرہ لالہ فام ہو گیا۔ وہ اداسی جو دھند
کی طرح ان پر چھائی ہوئی تھی۔ آن واحد میں شگفتگی اور زندگی سے بدل گئی۔

"آؤ جلیانو۔ چائے پیو۔" انھوں نے کہا۔ یہاں کوئی تمھاری طرح کافی
نہیں بنا سکتا۔

"بتائیے آپ کا کچن کہاں ہے؟" وہ بھی گلابی ہو رہی تھی۔ "میں ابھی بنا لاؤں
نہیں نہیں۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ گئے۔ "آؤ۔ ادھر بیٹھ
کے باتیں کریں۔ کیوں امی۔ آپ کو بھی ان کی غیر متوقع آمد سے خوشی ہوئی
ہے نا؟"

"ہاں اسی کی یاد میں مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ پھر
وہ بھی اٹھ گئیں۔ "تم لوگ باتیں کرو۔ میں ہاجرہ بی سے کہہ آؤں سبزی بلاؤ اور

شاہی ٹکڑے پکا دیں۔ ضیا کو بہت پسند ہے۔" وہ چلی گئیں "

ازور مجسم مسکراہٹ تھے۔ بے ضبط ہو کر انھوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ضیاء۔"

جی"۔ وہ مسکرائی جیسے دھنک کے رنگ بکھر گئے۔! اپنے دیدہ زیب

لباس میں لپٹی بہت پیاری ہو رہی تھی۔

تم۔ کیسے چلی آئیں۔؟"۔۔

میں بھی ساری رات سو نہ سکی۔!

کیوں۔؟

آپ سب کی یاد میں۔ یقین مانیے۔ پلک سے پلک نہ لگی۔

میں بھی جاگتا رہا۔!

آپ کیوں جاگتے رہے تھے۔؟۔

ہم۔ میں۔" وہ یکبارگی سنبھل گئے۔ اپنی اور زارا کی عمر کی تفاوت پہاڑ

بن کر ان کے خیال کی راہ میں حائل ہو گیا۔ کیا سوچے گی وہ۔

آؤ۔ اس دیوان پر بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے ایک چھوٹی سی بے چین سانس

لے کر کہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

آپ کا گھر بے حد اچھا ہے" زارا نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا"۔ یہاں سے

جانے کا دل نہیں چاہتا۔!

نہ جاؤ ضیاء۔! ازور نے کہا۔ ان کا دل سسکنے لگا۔ ضیاء مت جاؤ۔ اس

گھر کی اصلی مکین تم ہی ہو۔ میرے بے روح کی زندہ روح۔ میری پھیکی بے مصرف

زندگی کی رعنائی۔ میری پہلی اور آخری آرزو۔ نہ جاؤ۔ تم ایک اشارہ کردو تو

ہم تمھاری خاطر سارے زمانے سے ٹکرا جاؤں۔ جھیل لوں وہ جابر ہاتھوں سے

تھیں۔ جنھوں نے تم سے مجھے دور کر دیا ہے۔
مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ خاموش بیٹھے سگریٹ کے کش لیتے رہے۔
مجھے خود پر اختیار نہیں۔" ذارا کہہ رہی تھی" یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ میں جو کچھ چاہوں وہ کر نہ سکوں۔ آپ لوگوں کی جدائی میں میرا یہ حال ہوا کہ رات کی نیند گئی دن کا چین گیا۔ یہ بجی جان سے کبھی الگ نہیں رہی۔ ہمیشہ کی جدائی مجھے زندہ نہ رکھے گی۔"
"خدانخواستہ۔" ازدر بڑے کرب سے مسکرائے۔
ذارا نے ان کی طرف دیکھا۔ اور پھر سر جھکا لیا۔ آپ مذاق سمجھتے ہیں۔ مگر میں مجھے کسی طرح مرنے سے بچا لیجیے۔ میں سچ کہتی ہوں۔ آپ سے جدائی میری موت بن جائے گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔ نہ جانے ابا جان اور اماں بی کو خدا کا خوف کیوں نہیں ہے۔ وہ دل توڑنا جانتے ہیں۔ دلوں کا جوڑنا انھیں نہیں آتا۔ آپ کو دربدر کر کے ان کو کیا ملا۔ گھر بھائیں بھائیں کرنے لگا ہے۔ بجی جان کے کمرے کی طرف دیکھا نہیں جاتا!۔ آپ کو معلوم نہیں ہے شاید سہیل بھائی بھی آپ کے جانے کے بعد چلے گئے۔!
وہ کیوں چلے گئے۔؟" چونک کر ازدر نے پوچھا۔
"معلوم نہیں۔ بہت غصے میں تھے۔ آج تک میں نے انھیں اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ عذرا باجی سے کچھ تکرار ہو گئی۔ آپ کا نام بھی بار بار درمیان میں سنائی دیا۔ شاید آپ نے انھیں کچھ کہہ دیا ہو گا۔؟"
میں نے؟ نہیں تو۔ میں نے انھیں کچھ نہیں کہا۔ میں انھیں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا۔ مجھے افسوس تھا کہ میں ان سے ملے بغیر یہاں چلا آیا۔ اس غفلت کے تدارک کے طور پر میں ان سے ملنے تمھارے گھر پہنچا تھا۔ لیکن۔!

آپ آئے تھے ہمارے یہاں ۔ ؟''

ہاں ۔ لیکن نہ تو سہیل صاحب ملے ۔ نہ تم سے ملاقات ہو سکی ! البتہ محترمہ عذرا نے میری راہ کاٹی ۔ !''

عذرا باجی آپ سے ملی تھیں !۔

'' اور ۔ انھوں نے جتنی باتیں مجھ سے کی تھیں ۔ انھوں نے واقعی میرے دل و دماغ پر وہی اثر کیا ۔ جو بجلی کے گرنے سے کسی خرمن کا ہوتا ہے !''

کیا کہا تھا ۔ ؟'' زارا حیرت و استعجاب کی تصویر بن کر رہ گئی ۔ اس سے سہیل نے ازور کی شکایت کی تھی اور اب ازور سہیل کے ثنا کی نظر آرہے تھے

'' میں نے کبھی اس ناقص دولت کا گھمنڈ نہیں کیا ۔ جو آتی ہے اور چلی جاتی ہے نہ مجھے اپنی تعلیم پر غرور رہا ۔ اور نسب ۔ دنیا کی ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے ۔ انسانوں نے ذاتیں تشکیل کی ہیں ۔ اس پر فخر کرنا ، یا احساس کمتری میں مبتلا ہو جانا بھی حماقت ہے ۔ الس غالباً انھی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اعادہ سہیل صاحب نے بھی کیا تھا ۔ لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے ۔ کہ آخر میری کون سی بات انھیں اتنی بری لگی تھی ۔ جس کی بنا پر وہ یہ سب کچھ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے سمجھ میں نہیں آتا ۔''

ان کی آواز سے دکھ برس رہا تھا : '' مجھے افسوس ہے ۔ جنبا ۔ اس غریب الوطنی میں وہی ایک دوست تھے ۔ اچھا سنو ۔ تمھیں ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے ۔ ؟

کئی دفعہ گئی ہوں ان کے ساتھ ان کے گھر !'' زارا نے کہا پھر یک بیک کچھ یاد کر کے بولی : '' سنئے تو ۔'' وہ عنقریب طفیل کی خالہ سے شادی کرنے والے ہیں ۔ ! طے ہو گیا ہے سب کچھ ۔''

مگر انھوں نے تو غالباً محترمہ عذرا کی نسبت خیال ظاہر کیا تھا ۔''

"عذرا باجی نے ان کا دل توڑ دیا۔ صاف جواب دے نکلی تھیں کہ وہ کسی کے بچے کی سوتیلی ماں نہیں کہلا سکتیں!۔"

تم سے بھی ان کی نہیں بنتی شاید۔" ازدر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

کیا بنے گی؟" زارا نے برا سا منہ بنا لیا۔ "وہ اونچی تعلیم یافتہ ہیں۔ اپٹوڈیٹ ہیں فیشن ایبل ہیں۔ میں بے چاری انڑ فیل۔ وہ مجھے منہ نہیں لگاتیں۔

تم ایسی ہی بہت اچھی ہو جنیار۔"

سچی۔!" شاید بے ساختہ ہی زارا کے منہ سے نکلا تھا۔ دوسرے لمحے وہ شرما گئی۔

ہاں!" ازدر نے اس کا ننھا سا گوری ہاتھ اپنے گندمی ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے باوجود کہ وہ بڑے زاہد خشک تھے لیکن اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔! انھوں نے ہنس کر اس کا اور اپنا تاثر ختم کیا۔

بالکل سچی۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔" اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا پھر اٹھتے ہوئے بولے۔ "اور اب چلو مجھے سہیل صاحب کے گھر۔ کوئی غلط فہمی اگر انھیں یا مجھے ہو گئی ہے تو وہ رفع ہو جائے۔!"

وہی تو مجھے یہاں تک چھوڑ گئے ہیں۔ زارا سامنے ہیں کھڑی ہو گئی۔

تمھیں چھوڑ گئے اور خود اندر نہیں آئے۔!؟

"جی ہاں۔ یہی تو مجھے بھی حیرت ہے۔

"خیر تو اب معاملہ صاف ہو جائے گا تم امی سے کہہ دو کہ ہم ابھی واپس آ جائیں گے۔ میں کپڑے بدل کے آتا ہوں۔

آپ ایک گاڑی بھی خرید لیجئے۔" زارا بولی۔

تم چاہتی ہو تو ضرور خرید لوں گا۔!"

ازدر جب سہیلی کے گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ کچھ ہی دیر پہلے کسی کام سے باہر گئے ہیں۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کہاں گئے ہیں لیکن ان کی سسرال والوں نے ازدر کی بہت خاطر مدارات کی۔ سہیلی کا بچہ طفیل ازدر سے لپٹا۔! ازدر نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ وہ بہت پیاری پیاری باتیں کرتا تھا۔ اب بھی چہکنے لگا

"چچا جان! میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ آپ بھی تو بہت اچھے ہیں۔ آپ نے مجھے اتنے اچھے کھلونے لے دئے تھے۔ وہ ابھی تک ہیں میرے پاس۔! ڈیڈی کہتے ہیں کہ اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔ اس لئے مجھے پڑھنا چاہئے۔ کھیلنا نہیں چاہئے۔"

ہاں بیٹے۔" ازدر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پڑھنا زیادہ چاہئے اور کھیلنا کم چاہئے۔! آپ کہاں پڑھتے ہیں۔؟"

"لٹل فلاور اسکول میں۔ چچا جان۔ سکنڈ اسٹینڈرڈ میں پڑھتا ہوں۔"

واہ واہ۔ ماشاء اللہ۔ شاباش۔ ہم تمہیں انعام دیں گے۔

چچا جان۔ وہ جو ادھر کے گھر میں ہمارے برابر ایک لڑکا رہتا ہے نا۔ اس کا نام فرمان ہے۔ اور اس کے پاس تین پہیوں کی اتنی اچھی ٹرائیسکل ہے۔ وہ مجھے اس پر نہیں بٹھاتا۔ ڈیڈی مجھے لے نہیں دیتے۔! کہتے ہیں کہ ابھی نہیں

اچھا ہم تمہیں لے دیں گے۔ بیٹا۔ تم اب ڈیڈی سے نہ کہنا۔"

ابھی لے دیں گے چچا جان!؟" وہ شوق اور اضطراب کے مارے ان کی گود میں کھڑا ہو گیا۔

ہاں ہاں ابھی چلو میرے ساتھ۔!"

اچھا میں جوتے پہن کے آتا ہوں۔" وہ بھاگ گیا۔

سہیل کی خوشدامن میٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ زہرہ بھی سامنے آئی۔ اذدر کو وہ بڑی اچھی لگی! سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ صاف شفاف چہرہ میک اپ کی تمام لعنتوں سے پاک اذدر نے سوچا کہ وہ سہیل کی زندگی کو جنت بنا دیگی۔

پھر طفیل آگیا۔ اور اذدر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور زہرہ سے کہا۔

"بہن اگر بچے کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا"

"نہیں نہیں بھائی جان۔ زہرہ نے کہا۔ ضرور لے جائیے۔ مگر شام کو بھجوا دیجئے گا" یہ میرے پاس نہیں ہوتا تو مجھے نیند نہیں آتی۔

تم نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے۔ زہرہ بہن۔! اذدر نے کہا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میری مرحوم بہن زندہ ہو کر میرے سامنے آگئی ہے۔ میں ہمیشہ تمھیں اپنی حقیقی بہن سمجھوں گا۔ دعا کرتا رہوں گا۔ تمھارے لئے۔ خدا تمھاری زندگی کو دین و دنیا کی مسرتوں سے ہمکنار کرے۔ ہمیشہ خوش رہو۔ بامراد رہو!

ان کا دل بھر آیا۔ وہ طفیل کا ہاتھ پکڑے جلدی سے باہر مڑ گئے۔!

رات کے نو بجے کسی جلسے میں شرکت کر کے سہیل گھر واپس آئے۔ جبھی ہی سے طفیل کو پکارا۔ زہرہ نے دبی زبان سے کہا۔

" اذدر بھائی آپ سے ملنے آئے تھے۔ آپ نہیں ملے۔ وہ طفیل کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں" غصہ تو سہیل کو بہت آیا مگر ضبط کر کے بولے۔ تم نے اپنی مرضی سے اسے بھجوا بھی دیا۔

"زارا بھی ساتھ تھی۔ اس نے مجبور کر دیا۔

زہرہ۔ میں ان سے کوئی ربط ضبط رکھنا پسند نہیں کرتا" سہیل ضبط کرنے کے باوجود گرجے "وہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کے روپے پیسے کا بھوکا ہوں کچھ دے کر مجھے نوازنا چاہتے ہیں۔ تم طفیل کے ملبوسات کا بنڈل بنا دو۔ میں ابھی

بھجوا دوں گا۔"

"آپ ان سے بدظن کیوں ہو گئے ہیں"۔ زہرہ نے کہا۔" مجھے تو وہ بہت شریف بہت اچھے انسان معلوم ہوئے۔

پہلے پہل مجھے بھی بہت شریف بہت عمدہ انسان معلوم ہوئے تھے۔!" سہیل نے حقارت سے کہا "بہر حال۔ تم میرا کہا کرو گی کہ نہیں؟"

جی ابھی بنائے دیتی ہوں۔" زہرہ نے کہا اور ان تمام کپڑوں کو اخبار میں لپیٹ کر لے آئی تھی۔ جو ازور نے بچے کو دئے تھے۔!

تم ازور صاحب کے سامنے نکلی تھیں" سہیل نے اس بیچاری کو گھورا۔

جی ہاں۔" وہ سہم گئی۔

آئندہ احتیاط کرنا۔ سمجھیں۔"

"جی۔!

سہیل بڑبڑائے۔ ہمیشہ وہ شخص انتقام انتقام چلایا کرتا ہے معلوم نہیں۔ دل میں کیا ٹھان رکھی ہے کس کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ ایسے سودائی اور سنکی سے دور رہنا چاہیئے۔ میں جا رہا ہوں۔ طفیل کو لے آؤں گا۔

لاحول ولا قوۃ۔ میں تو ان کے در پر قدم بھی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔!"

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ جس وقت سہیل پہونچے ہیں۔ ازور رات کے کھانے کے بعد بازار کو گھر چھوڑنے چلے گئے تھے۔ ان سے ملاقات نہ ہو سکی ان کا بچہ وسیع دالان میں اپنی چمکتی ہوئی سائیکل چلا رہا تھا۔ اور بیحد خوش تھا سہیل کو ملازم نے اوپر بیٹھا دیا تھا۔ زبیدہ بیگم انھیں دیکھکر خوش ہو گئیں مگر سائیکل کو دیکھ کر سہیل کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ بظاہر خاموش رہے وہ زبیدہ بیگم کے پاس بیٹھے۔ اور اوپری دل سے ان کی خیریت پوچھی تھی۔

"بیٹے تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے۔ کیا خدانہ کرے کچھ طبیعت خراب ہے۔"
زبیدہ بیگم نے پوچھا۔ تم آئے ہیں۔ ازدر بہت فکر مند تھے۔ کیا بات ہے
بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہو۔۔

"میرا ان کا کوئی مقابلہ نہیں چچی جان۔ وہ امیر میں غریب۔ انھوں نے
غریب بچے پر جو مراعات کی تھیں۔ وہ ساتھ شکریے کے داپس لے لیں۔ ابھی میں
اس قابل ہوا کہ اسے کھلا پلا سکتا ہوں۔ پہنا اوڑھا سکتا ہوں۔ یہ بلو رسات
ہیں۔ انھیں دے دیجئے گا۔ میں طفیل کو لیے جا تا ہوں۔ ان سے فرما دیجئے
چچی جان کہ جو کچھ انھوں نے میری نسبت کہا تھا۔ وہ ہرگز ان کے شایاں شان
نہ تھا۔

"یہ سب کیا ہے سہیل میاں تم اور ایسی باتیں۔؟۔ ازدر نے کیا کہا
تھا۔ کچھ تو مجھے بتاؤ۔ تم دونوں تو سگے بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ کس سے
دیکھا نہ گیا کس نے لگائی بجھائی کی ہے۔ یوں ناراض ہو کر نہ جاؤ۔ سہیل
سنو تو۔ پوری بات۔ ازدر آتے ہی ہوں گے ان سے مل کے جاؤ۔"۔
زبیدہ بیگم نے کہا۔ وہ ہکا بکا تھیں۔

"چچی جان۔ ازدر کا سامنا ہوگا تو تلخیاں بڑھیں گی۔ لہذا مجھے اجازت
دیجئے۔" سہیل نے کہا۔ زبیدہ بیگم کی ایک نہ سنی۔ طفیل روتا ہی رہ گیا
مگر اسے لے کر چلے گئے۔!

عذرا نے دوکشتیوں میں پاؤں رکھ دیئے تھے۔ ساحل مراد ابھی دور تھا کہ

ڈاکٹر پرویز کی چکنی چپڑی باتوں کے بھنور میں چکرانے لگی! جس چیز کو اس نے محض شباب کی ہنگامی تفریح اور فیشن ایبل زمانے کا خاصا سمجھا تھا۔ وہ ایک ہولناک اندیشہ بن گئی!۔ پہلے پہل تو اس نے اپنے طور پر چپکے چپکے نرسنگ ہوم اور لیڈی ڈاکٹروں کے پرائیویٹ کلینک کے پھیرے لگائے۔ ان لوگوں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"دن گزر چکے ہیں۔ اب کوئی رسک لینا بھی ممکن نہیں۔ اسے ڈیولپ ہونے دیجئے۔ ورنہ دوسری صورت میں آپکی جان کو خطرہ ہے۔!"

ہر جگہ سے یہی جواب ملا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے پانچ ہزار طلب کئے۔ وہ عذرا کے پاس کہاں تھے ہر طرف سے پریشان مایوس اور نا امید ہو کر اس نے ایک دن سیمینار میں ڈاکٹر صاحب کو جا پکڑا۔ وہ اپنی دانست میں اب بالکل آزاد تھے مگر عذرا کو دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے ایک صحت مند کتاب جھپٹ کر دور پھینک دی۔ اور سامنے بیٹھتی ہوئی کھا جانے والی نظروں سے انھیں گھورا۔ بیچارے اور نروس ہو گئے۔!

یقین کیجئے کہ اکیلی نہیں ڈوبوں گی۔ آپ کو بھی اپنے ساتھ ڈبوؤں گی۔ اس نے دانت پیس کر کہا "میری جان پر بن چکی ہے۔ سمجھے جناب!"

بخدا کچھ نہیں سمجھا" وہ ہکلائے۔

اب کیا سمجھ میں آئے گا۔ وہ آگ بگولا ہو گئی" اچھا میں سمجھاتی ہوں۔ اتنے دنوں بعد ملی ہو۔ مگر آپے سے باہر۔ ارے ذرا تو سانس درست کر لو میں چائے منگواتا ہوں۔

کچھ نہیں چاہتے مجھے۔!

لیکن یہ خفگی کس بات کی ہے جان جہاں۔ کیا قصور ہوا ہے مجھ سے" وہ

مسکرائے۔ اور عذرا تبسم بن گئی۔ غصہ کی زیادتی کے مارے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کہاں سے اور کس طرح شروع کرے۔! وہ انھیں گھورتی رہی حتیٰ کہ اسکی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ پرویز صاحب بڑے دلار سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور چمکارا۔

آنسو۔!؟" انھوں نے جیب سے رومال نکالا "لاؤ میں پونچھ دوں۔ مگر کیوں۔؟ بے وجہ۔ بے سبب۔! شاید تم اپنے مشن میں ناکام ہو گئیں۔

مشن کی ایسی تیسی۔ عذرا پھٹ پڑی "میں تو کسی طرف کی نہیں رہی۔

ہوا کیا۔

ڈاکٹر صاحب ؟!" وہ سسک اٹھی۔

بھئی ذرا سوچ سمجھ کے" ڈاکٹر صاحب نے گھبرا کے کہا۔ یہ یونیورسٹی کا سینیا ہے۔ ابھی کوئی آجائے گا۔ ہم تنہا ہیں۔ تم رو رہی ہو۔ بڑی غلط پوزیشن ہو جائیگی "آپ کو اپنی پوزیشن کی پڑی ہے۔ لیکن میں کیا کروں گی اب۔"

پوری بات بتاتی نہیں ہو۔ کیا پہیلیاں بجھوں میں ؟۔

عذرا ان کے قریب جا بیٹھی۔ اور جان پر کھیل کر ساری روداد انھیں سنا دی پھر بولی۔ میں سمجھی تھی کہ کوئی نہ کوئی لیڈی ڈاکٹر میرے کام آئے گی مگر سب نے مجبوری ظاہر کر دی۔ اب کیا ہو گا۔ ابا جان بہت غصہ ور ہیں۔ وہ مجھے زندہ دفن کر دیں گے۔ خدا کے لئے مجھے پناہ دیجئے۔ آپ نے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ ابھی سویرا ہے۔ میں سب سے کہہ دوں گی کہ میں نے چار ماہ قبل ہی نکاح کر لیا تھا ڈر کے مارے ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس طرح بڑا فتنہ تھم جائے گا۔ ورنہ "

یہ تو تم نے بری خبر سنائی ہے۔" ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ سر کھجانے لگے۔ بکبارگی تم سے نکاح کیسے کر لوں

تم کیا جانو کہ اماں جان کتنی سخت گیر ہیں۔ مجھے گھر سے نکال دیں گی۔ ان کی ساری جائداد کا جو میں وارث ہوں۔ وہ بھی نہ دیں گی۔"

جہنم میں جائیں تمہاری اماں جان۔ غارت ہو جائے جائداد۔ کیا جائداد میری زندگی سے بڑھ کر ہے۔ عذرا نے کیاب ہو کر کہا۔

یہ میں کب کہہ رہا ہوں۔" ڈاکٹر پرویز نے کھکھیا کر کہا۔ تم ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو کہتی ہو۔ ذرا تو مہلت دو عذرا۔ آخر میں اماں جان کو تو ہموار کر لوں۔"

پہلے نہیں سوچا آپ نے۔!

مجھے کیا خبر تھی کہ تم یہ بم مجھ پر پھینک مارو گی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اطمینان سے شادی کریں گے۔ مگر کب۔!

میں کچھ نہیں جانتی۔ اس گرداب میں مجھے آپ نے ڈالا ہے۔ آپ ہی نکالیے ورنہ میں خودکشی کر لوں گی اور آپ کو بھی نیکنام نہیں چھوڑوں گی

ہاں ہاں بھئی۔ تمہارا کہا سہی۔!" وہ یک بیک رضامند ہو گئے۔۔۔ اور کنکھیوں سے عذرا کو دیکھا پھر بولے۔" بس۔ ایک دن کی مہلت مجھے دو۔! گھر کا بندوبست کر لوں۔ کورٹ سے سیدھے اپنے گھر جائیں گے۔ فی الحال اماں جان کا سامنا کرنا ٹھیک نہیں ہے میں آہستہ آہستہ انھیں راضی کر لوں گا۔ ایک دن میں تو کوئی آفت نہیں آئی جاتی نا۔؟"

بد عہدی بے وفائی تو نہ کیجیے گا۔" عذرا نے بھرائی آواز میں پوچھا۔

تمہارے سر سبز کی قسم میری جان۔ آخر وہ بچہ میرا بھی تو ہے۔ کیا مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔ انھوں نے بے حد دل گداز پیرائے میں کہا۔ ہنسی اور مذاق میں عذرا کے نم گال پر ایک پیار بھرا تھپیڑ لگایا۔ اور ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔" میں چاہتا ہوں کہ گھر کا پرابلم ابھی حل کر لوں۔ کچھ روپیہ بھی بینک

سے نکلواؤں گا۔ دیر ہو جائے گی۔ تو بینک بند ہو جائیں گے۔ اچھا۔ میں جا ما ہر پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔!"

"اللہ۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔ عذرا نے آنکھیں بند کر کے سکون کی سانس لی اور پھر انھیں عقیدت بھری نظروں سے دیکھ کر بولی۔ آپ کل مجھ سے کہاں ملئے گا کل۔؟" انھوں نے بے حد ذوق اور تپش سے کہا۔ انشاء اللہ اسی سینار میں۔ تم ٹھیک گیارہ بجے چلی آنا۔ اچھا۔! پھر انشاء اللہ۔ اور وہ شاید تیسری دفعہ بھی انشاء اللہ کہتے۔ مگر عذرا اٹھ کھڑی ہوئی۔ پر دیز صاحب بھی اٹھے اس سے رخصتی مصافحہ کیا۔ اور پھر وہ کتاب اٹھانے کے لئے لپکے۔ جو عذرا نے ان کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دی تھی۔ عذرا کے جانے کے بعد وہ بڑی حقارت سے مسکرائے۔ کتاب الماری میں رکھ دی۔ اور کمرے سے نکل کر چلے گئے۔

عذرا اپنی کسی سہیلی سے باتیں کرنے لاؤنج میں ٹھہر گئی تھی۔ دفعتہً اس کی نگاہیں ازور پر پڑیں۔ وہ کسی پروفیسر سے کچھ کہہ رہے تھے۔!

"یہ یہاں کیسے؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

کون صاحب ہیں۔؟ سہیلی نے پوچھا۔

میرے کزن" عذرا نے کہا۔

بڑا وجیہہ اور شاندار آدمی ہے۔ خوش قسمت ہو تم عذرا۔

ہنھ۔! بڑا غصہ ور سنگدل آدمی ہے۔ عذرا نے منھ بنایا جس ستم پیشہ بھی واہ۔!

قبل اس کے کہ ازور وہاں سے رخصت ہوتے۔ عذرا نے انھیں جھپٹ لیا۔ ازور نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا۔

یہاں کسی سے کام ہے آپ کو۔؟ اس نے بے حد ناز و ادا سے پوچھا

نہیں!" بڑی رکھائی سے اسے جواب ملا۔" سہیل صاحب کی تلاش تھی۔

وہ یہاں کہاں آتے ہیں۔؟"

گھر پر نہیں ملے۔ میں نے سوچا کہ شاید"!

وہ تو شاید آرٹس کالج میں پڑھاتے ہیں۔ جرنلزم۔ انہیں تو۔!

آپ کا شکریہ" ازور نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے۔

تمھارا پر غرور سر میں جھکا کر رہوں گی" اس نے دانت پیس کر کہا۔ ازور کے خلاف اس کے دل میں بے پایاں نفرت بھر گئی تھی۔!

گھر پہنچ کر اس نے کسی کے علم میں لائے بغیر چپکے چپکے اپنا رخت سفر تیار کر لیا۔ ماں کی الماری سے روپیہ چرا لیا۔ اور ایک زیور بھی رکھ آئے۔ اپنے ملبوسات اور ضروریات کا سامان بڑے ٹرنک میں بھر لیا۔ اور بے چینی سے چوبیس گھنٹوں کے گذرنے کا انتظار کرنے لگی۔!

ازور مطلوبہ پتے پر پہونچے اور چپراسی کو اپنا نام بتا کے سہیل کے پاس بھیجا۔ وہ کلاس لے رہے تھے۔ کتاب ہاتھ سے رکھ کر بڑے صبر واستغراق سے باہر نکلے۔!

ازور نے بے حد سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا۔

کیوں؟ کیا بات ہے؟ سہیل کے دل میں اب کوئی جگہ ان کی نہ تھی۔

بہت سی باتیں ہیں" ازور نے کسی دعا سلام کی بجائے جواب دیا۔ آپ میرے ساتھ کہیں الگ چلیے۔!

"کلاس لے رہا ہوں۔!

کوئی حرج نہیں۔ دس پندرہ منٹ بعد سہی۔ میں اس کوریڈور میں انتظار کرتا ہوں۔!"

"لیکن" سہیل نے متذبذب ہو کر کہا۔

"کچھ بھی" ازور نے ہاتھ اٹھا کر انھیں روک دیا۔ "وہ باتیں بہت ضروری ہیں جو میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم۔ کلاس کے بعد مجھ سے ملئے۔"

کلاس کا ختم کرنا مصیبت ہو گیا۔ جوں توں انا سیدھا لیکچر دے کر سہیل کوریڈور میں پہنچے۔ یہاں نسبتہً سناٹا تھا۔ ابھی کالج کے ختم ہونے میں کچھ دیر تھی۔

فرمایئے۔!" سہیل نے بڑے طنز سے کہا۔

فرمانا نہیں۔ عرض کرنا ہے۔ اتنے ہی طنز سے ازور نے بھی کہا۔

"کہہ دیجئے۔ جو کچھ کہنا ہے۔ میں اس کے بعد بھی بزی ہوں۔"

"کہنے والے ٹھیک ہی کہتے ہیں آدمی کو کبھی پہچانا نہیں جا سکتا۔ یہ شاید میری ہی سادہ لوحی تھی۔" ازور نے بڑے موثر لہجے میں کہا۔ "اپنے وطن میں جہاں میں سترہ سال بعد آیا کسی کو میں نے اپنا نہ دیکھا۔ اور جسے اپنی حماقت سے اپنا دوست سمجھا وہ سب سے بڑا بیگانہ ثابت ہوا۔

واہ صاحب" سہیل زہریلے انداز میں ہنس پڑے۔ "یہ وہی بات ہوئی۔ ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ خیر آپ نے اپنی صفائی ضروری خیال کی۔ مگر میں اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ورنہ پھر آپ کو خیال گذرے گا کہ شاید۔ عذر گناہ میں پھر میرا کوئی مفاد پوشیدہ ہے یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت ہے جناب۔"

"حاشا وکلا۔ میں نہیں سمجھا تمھارا مطلب کیا ہے۔ مجھ سے تمھارا کوئی مفاد وابستہ ہے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔؟

میں باور نہیں کر سکتا کہ تم بھی خواہ مخواہ غلط بیانی سے کام لے سکتے ہو۔

[illegible]

[illegible] بولا۔

اب بھی نہیں بول رہے ؟۔

ہرگز نہیں۔!

تو پھر میرا کچھ کہنا ہی بیکار ہے!!۔

میں تمھاری تلاش میں یونہی مارا مارا نہیں پھر رہا ہوں۔ تمھارے اس مغائرانہ سلوک سے مجھے روحانی اذیت پہنچی ہے۔ جب تک میں اس اذیت کا ازالہ نہ کرلوں گا۔ یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ دوستی یا دشمنی کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ دوستوں کے بغیر بھی میں زندہ رہ سکتا ہوں۔ لیکن ان تمام ناگفتہ باتوں کا سبب مجھے معلوم ہونا چاہئے۔ جو تم نے میرے متعلق کی ہیں۔ مجھے تم نے جو کچھ کہا بہت اچھا کیا۔ میں شاید اسی قابل ہوں مگر میں وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ تمھیں مجھ سے کیا تکلیف پہنچی تھی۔ سہیل جس کی محرک ہے"

"دیکھو بھائی۔ میں مانتا ہوں کہ۔ حیثیت اور پوزیشن میں میں تمھارے مساوی نہیں۔ لیکن۔ میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس مقابلہ میں مجھے کمتر سمجھے"

کس نے سمجھا ہے۔؟" ازدر کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔!

معاف کرنا ازدر۔ مجھے یہ ساختہ بے ساختگی بھی پسند نہیں۔ میں ایک کھرا آدمی ہوں۔ ایسا ہی تمھیں بھی سمجھتا تھا۔ مگر۔!"

مگر اب نہیں سمجھتے۔ ازدر نے ان کی بات کاٹ دی۔ انھیں کسی قدر غصہ آگیا۔ کیونکہ تمھاری دانست میں میں ایک کم ظرف، کو دولت یافتہ گی اور مغرور آدمی ہوں۔ جس کا اظہار کرنے میں بھی تم باز نہیں رہے۔!

واہ یار واہ۔ سہیل نے جلا ہوا قہقہہ لگایا۔" اور اگر میں یہ کہوں کہ تم نے

مجھے دولت کا بھوکا، مطلب پرست کہہ کے میرے خلوص پر
یہ الزام لگایا ہے کہ میں کسی غرض کی خاطر چچی جان کی خدمت کرتا اور ان کے آگے
پیچھے پھرا کرتا ہوں۔! تو میرے دل کو تکلیف نہیں پہونچے گی۔ ازدر۔ میں نے کبھی
اس نظریئے سے تمھیں نہیں دیکھا تھا۔ میں بخدا تمھیں اپنا جگری کا دوست، حقیقی
بھائی سمجھا تھا۔ مگر تم نے ـــــ!"

ازدر نے پرخیال انداز میں نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔ پھر سہیل
کو تکنے لگے اور آہستہ سے کہا "جو کچھ تم نے میری نسبت کہا ہے وہ بھی جھوٹ
ہے اور جو کچھ میں نے تمھارے متعلق کہا ہے وہ بھی غلط ہے۔ لیکن میری سمجھ
میں نہیں آرہا ہے کہ اس فساد میں دل برے کرنے والے کسی تیسرے فرد کو کیا
فائدہ پہونچ سکتا ہے۔!؟"

سہیل کے ذہن میں ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی اور آنکھوں کے سامنے
سے کوئی پردہ سرک گیا۔ یکبارگی ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرطِ غیظ سے جسم
گرم ہونے لگا۔!

ازدر نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس
تیسری ہستی کا نام لوں۔ جس نے کچھ دیر کے لئے ہمارے دل برے کئے۔!
بہرحال سہیل۔ میں تم سے صرف یہ کہنے یہاں آیا تھا کہ اگر میری طرف سے
تم اپنا دل صاف کر لو۔ تو مجھے بڑی تکلیف سے نجات ملے۔ تم نے بچے کے
کپڑے مجھے واپس کر دئے۔ اس کی سائیکل گھر پر چھوڑ گئے۔ اسے میرے
پاس سے لے گئے۔ بہت اچھا کیا۔ تم اس کے باپ ہو۔ مگر میں بھی اسے اپنا
بچہ سمجھتا تھا۔! لیکن۔ میرا اس پر حق کیا تھا۔ تم نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ میں
اس کا کوئی نہیں۔ اور وہ بھی میرا کوئی نہیں۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ وہ ایک

ے سینے سے جدا ہوئے۔ تھوڑی سی جھینپی ہوئی ہنسی

پی آنکھیں مل ڈالیں اور بولے۔ میرے دل کے صاف ہونے کی صرف

ایک صورت ہے۔!"

"بتاؤ۔!

تم بچے اور زہرہ سمیت میرے پاس چل کر رہو۔ زہرہ مجھے بے حد پسند آئی ہیں۔!" ازدر نے کہا۔

اگر ایسی بات ہے تو میں تمھارے حق میں زہرہ سے دستبردار ہوا۔" بڑے خلوص سے سہیل نے کہا۔

پاگل ہو گئے ہو۔ ازدر نے للکارا۔" میں نے انھیں اپنی بہن بنایا ہے۔

"اچھا۔ اچھا۔"

کالج سے واپسی پر میرے یہاں آؤ۔!

ابھی چلتا ہوں تمھارے ساتھ۔ سہیل تو اب کھلے پڑ رہے تھے۔

نسیم!

بیگم زہرہ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ ازور سے!

حسب پروگرام دوسرے دن کالج کے سالانہ فنکشن کا بہانہ

گھر سے نکلی ۔! اس کے والد مقصود احمد صاحب گھر پر تھے۔ انھوں نے

بڑی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ اور برہم لہجے میں بولے۔

"میں چاہتا ہوں۔ تم اب یہ سیر سپاٹے اور باہر کے ملے جلے پروگراموں میں حصہ

لینا بند کرو۔ تمھیں گھر گرہستی بھی سیکھنی چاہیے۔ اگر تمھاری والدہ اس طرف

توجہ نہ دیں نہ سہی۔ مگر تم خود بھی تو عقل رکھتی ہو۔"

اے لو۔ جیسے میں نے اسے منع کیا ہے۔" عزیزہ بیگم جز بز ہو گئیں۔

منع نہیں کیا تو سکھایا بھی نہیں۔" وہ بگڑے۔

اچھا تو آپ سکھائیے۔ وہ بھی بگڑیں۔

تم ایسی پھوہڑ بدسلیقہ اور بدتمیز عورت کا شوہر ہونے کی یہی سزا ہے کہ

اب میں سوئی۔ تاگا لے کر تمھاری لڑکی کو یہ سکھاؤں گا کہ سوئی میں تاگا کیسے ڈالا

...ہے؟" عذرا نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔
...چھٹیاں ہیں۔ صاحبزادی۔ اکیس روز تک یونیورسٹی بند رہے گی۔
تو کیا۔ پروفیسر پرویز صاحب۔ نہیں آئے۔ اس کی زبان خشک ہونے لگی
جی نہیں۔ نہیں آئے۔ مگر مجھے ایک خط دے گئے ہیں۔ تاکید کر گئے ہیں کہ ضرور
آپ تک پہنچا دوں۔ میں جا ہی رہا تھا کہ آپ آ گئیں۔
وہ خط کہاں ہے۔ عذرا کی آنکھوں میں رنگ برنگی تارے ناچنے
لگے۔
جی ابھی لایا۔ چپراسی میگزین روم کی طرف دوڑ گیا۔ اور دوسرے لمحے ایک
بند لفافہ عذرا کے ہاتھ میں تھا۔
تت۔ تمہیں معلوم ہے۔ پروفیسر صاحب کا مکان کہاں ہے" عذرا نے
سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
مکان؟۔ مکان کہاں کا صاحبزادی!۔ اکیلے آدمی تھے۔ ہوٹل کے ایک

دبا سپر
ذہنی شدت سے غم اور ...
دیر کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھی۔
گھر واپس آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ چند لمحے سانسوں کے ...
میں گذرے۔ پھر اس نے بلاؤز کے گریبان سے لفافہ نکالا۔
عذرا! مجھے یہ سب کچھ لکھنا تو نہیں چاہیے تھا مگر لکھ رہا ہوں۔
اس لئے کہ اب شاید ہی تم سے ملاقات ہو سکے۔! تم مجھے یقیناً برا
بھلا کہو گی۔ لیکن میں خود کو مرکز ملامت اس لئے نہیں سمجھتا کہ مجھے تم
ایسی آبرو باختہ اور بے ضمیر لڑکی کا کوئی اعتبار نہیں۔ دراصل یہ
غلطی تمہاری ہے۔ جس کا خمیازہ تم اٹھا رہی ہو۔ اسے اپنا سمجھنے
میں مجھے تامل ہے۔ مجھے اس میں شبہ ہے! جس کسی کا وہ ثمر ہے
اسی کو دے دو۔! فقط۔!!!
عذرا کے ہاتھ کانپے اور خط فرش پر گر پڑا۔ وہ نیم بے ہوش سی اپنے
ہاتھوں پر جھک کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ اس سے رویا بھی نہیں جا رہا تھا

ب ماتصیل کی

یم نے طرح جب بے موسم بہار آ گئی تھی۔ ازور نے

ماں کا پیچھا لے رکھا تھا۔ اور زبیدہ بیگم نے ایک پیغامبر خاتون

سے معاملہ طے کر رکھا تھا۔ ازور کے لیے بڑی اچھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

وہ ایک ریٹائرڈ چیف انجنیئر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ خوب صورت تھی۔ ماشطہ

نے اس کی خوب سیرتی کی تعریف کی تھی۔!

زبیدہ بیگم چاہتی تھیں کہ جلد از جلد بیٹے کے پاؤں میں زنجیر پہنا دیں۔

ازور نے حکومت کے اشتراک سے ایک بینک قائم کیا تھا۔ ان کی دن معروف

ہو گئے تھے۔ اب ایک ماں کی حیثیت سے زبیدہ بیگم کی آخری خواہش بس

یہی تھی کہ وہ بچوں کو اپنے آنگن میں چلتے پھرتے دیکھیں اور پوتوں کو گودی میں

کھلائیں۔

سہیل نے ان سے کہہ دیا تھا۔ میں اسی وقت زہرہ سے شادی کروں گا

جب تم محترمہ نازنین کے رشتے پر راضی ہو جاؤ گے۔!

اپنے پاگل پن سے وہ خائف ...

وہ نہیں چاہتی تھی کہ ازور بھی اس کے محسوسات پہچانیں۔ اگر
کسی کو چپکے چپکے چاہے جانا محبت کی معراج تھی۔!

زبیدہ بیگم اور زہرہ نے اسے باتوں باتوں میں خوشخبری سنائی تھی۔!
اور کہا تھا کہ وہ لڑکی زبیدہ بیگم نے پسند کی ہے۔ بہت پیاری ہے۔ شرمیلی
ہے۔ تعلیم نے اسے صحیح معنوں میں نکھار دیا ہے۔ وہ گھر میں آئے گی۔ اور
سارے گھر میں اجالا ہو جائے گا۔

تب زارا ایک پہلو پر بیٹھی سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

شام کا وقت تھا۔ ازور و سہیل کے آنے میں دیر نہ تھی۔ زہرہ ہمیشہ
کی طرح کچن میں مصروف ہو گئی۔ زبیدہ بیگم عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ طفیل
تخت پر اوندھا لیٹا سو رہا تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ برآمدے میں خنک
ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ باغ پر پالا مار گیا تھا۔ ہر طرف ایک اداس سناٹا
مسلط تھا۔ باغ کی ویران روشوں پر خشک پتے ہوا میں چکراتے پھر رہے

...پ... چھپیں گے۔"

...پ جو تھک گئے ہو، ہیں"

تھک گیا تھا۔ تمھیں دیکھا اور تھکن دور ہو گئی۔ !

وہ افسردگی سے مسکرائی۔

ادھر دیکھو میری طرف !" ازور نے مسکرا کر کہا۔

لیکن ان کی طرف دیکھنے کی بجائے اس نے سر جھکا لیا۔

جنیا۔" ؟

جی۔ بے حد مدھم آواز میں جواب ملا۔

جب بھی تم سر جھکاتی ہو۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ سر اٹھاؤ گی تو تمھاری آنکھیں آنسو سے لبریز نظر آئیں گی۔

نہیں تو۔" وہ بمشکل بولی۔ ازور نے اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کا چہرہ اٹھایا۔ وہ زبردستی مسکرانے لگی۔

"آج تک میں نے تمھیں اس طرح دیکھا نہیں تھا۔ تم بہت خوبصورت ہو۔"

دیجھ ...

مگر میں نہیں سمجھا۔ آخر ...

وہ اپنا آنچل جلدی جلدی انگلیوں پر لپیٹے اور ...

میں کیسے سمجھاؤں۔ مجھے سمجھانا نہیں آتا۔ آپ کو سمجھنا نہیں آتا۔!

جنیار؟" ازدر نے حیرت سے چونک کر کہا۔

آپ شادی مت کیجئے۔ مت کیجئے۔!" اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔

جنیار۔ مجھے تم سے۔!"

ازدر؟؟۔" دالان سے سہیل نے دہاڑ لگائی۔ زارا اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ نکلی!۔ ازدر کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔! ان کی زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی۔ اور خنکی کے عالم میں بھی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

ارے بھئی کب آئے۔ سہیل ان کے پاس آکھڑے ہوئے۔" آج تمہارے لئے ایک نئی گانی لایا ہوں۔ اسے پڑائی کرو۔ اگر اچھی لگے تو دہی اور دے آؤں

...نظر آتی تھیں۔" زہرہ

... راضی ہونا ہی پڑے گا۔ کیونکہ مجھے نیگ میں

... لینے کی بڑی جلدی ہے۔!"

آپ شادی مت کیجیے۔ آپ شادی مت کیجیے۔" زارا ان کے دل میں بیٹھی سسک رہی تھی۔

اپنے کنگن تم ابھی لے لو۔" ازور نے کہا! ان پر پرانی سنجیدگی طاری ہوگئی۔" مگر شادی۔ اور میرا آخری جواب۔ تو زہرہ۔ ابھی ہیں ـــ" انھوں نے سر اٹھا کر اس کمرے کی طرف دیکھا۔ جو زارا سے مخصوص تھا۔ شاید وہ معصوم پاگل سی روح دروازے کی جھری سے کان لگائے ان کی باتیں سن رہی ہو۔ انھیں دیکھ رہی ہو۔ ان کا آخری جواب اس کے ننھے سے دل پر بجلی بن کر گرے گا اور اس کے سارے معصوم جذبات کو جلا کے خاک کر دے گا۔!

پھر انھوں نے سر جھکا لیا اور مدھم لہجے میں بولے۔" میرا آخری جواب۔! زہرہ ان محترمہ سے کہہ دو کہ ابھی میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ مجھے تھوڑی سی

ہنیں سیسیل۔ ...

میں کہا۔ اور کرسی سرکا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔! اپ ...

سگریٹ سلگایا اور صوفے کے ہتھے پر ٹک گئے۔! زارا کے ایک فقرے

کے جذبات تہہ وبالا کر دئے تھے۔ دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ اور دل خلش

آمیز طریقے پر دھڑک رہا تھا۔!

لیکن وہ خوش تھے۔ بہت خوش۔ انھوں نے اپنا ایک فیصلہ کن جواب

سب کو سنا دیا تھا۔ زارا کی خوشی ہر حال میں انھیں عزیز تھی۔!

زارا نے ان کا جواب سنا تھا۔! اور اپنا دھک دھک کرتا ہوا دل تھام

کر رہ گئی تھی۔

"میرے اللہ۔ انھیں میری خاطر کتنی عزیز ہے"

چائے کی میز پر ابھی ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ملازم نے ایک

بند لفافہ زبیدہ بیگم کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہا کہ۔ عزیزہ بیگم کا آدمی

باہر کھڑا ہے۔ آپ کو فوراً بلایا ہے۔

زبیدہ بیگم پریشان ہو گئیں۔ خط سہیل کو دے کر بولیں۔ پڑھ کر

بات ہے۔"

سہیل نے جلدی سے لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور بلند آواز سے پڑھا

صرف ایک سطر تحریر تھی

" زبیدہ بیگم، بہت ضرور ... ہے۔ فوراً آؤ۔"

خدا خیر کرے،" زبیدہ بیگم ... ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئ

نہ جانے کیا بات ہے۔ چلیے میں بھی چلتا ہوں

سہیل نے کہا اور ادارہ کو مطلع کر کے وہ چلے گئے

سے زہرہ سے باتیں کرنے بیٹھ گئے۔!

زبیدہ بیگم افتاں و خیزاں اپنے سسرال کی دہلیز

نہ تھے۔ سب لوگ دالان میں ان کے منتظر تھے۔

کیا بات ہے۔ آپ سب چپ ہیں۔ انھ

کے بعد کہا۔

" مجھ بھی ہے کسی کا تم سے وہ بات کہیں جس نے

دی ہیں۔" عزیزہ بیگم نے کہا۔

کیا ہوا بی آپا۔" انھوں نے پوچھا۔

بیوی ہمیشہ تمھارا بٹیا انتقام انتقام کی صدائیں لگایا کرتا ہے۔" سادہ

خاتون نے جل کر کہا۔ اس نے لے لیا انتقام اور کسی کو سر اٹھا کے چلنے کے قابل

نہ چھوڑا۔"

کیا کیا ہے ازور نے۔؟" سہیل نے پوچھا۔ ان کا ماتھا ٹھنکا۔

جا کے پوچھو اس جنم جلی سے" عزیزہ بیگم نے کہا۔ "اس نے آخر ان کا کیا بگاڑا

زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔!

آگی؟" زبیدہ بیگم کا دل چلتے چلتے رک گیا۔

ہاں" عزیزہ بیگم نے قہر آلود آنکھوں سے انھیں دیکھتے ہوئے چنگاریاں

" بدلہ لیتے تو ہم سے۔ اس بدنصیب ۔۔۔ کیوں لیا۔؟ اب اس کا کیا

بھوکے گا اس پر۔ زہر کھا کے سو ۔۔۔ کے سوا اب اس کا مقدر کیا

در کو۔ کہاں منھ چھپائے ۔۔۔ ہیں۔؟" وہ بے تکان بکنے لگیں

مقصود احمد بھی کی طرف سے نکل آئے۔ زبیدہ بیگم

ری بکھیر دی تھی۔ بت بنی بیٹھی تھیں۔ سر سے پاؤں تک

۔ دل کہہ رہا تھا۔ یہ سب غلط ہے۔ اور عقل کہہ رہی تھی

ے جنون میں ایک مرد آپے سے باہر ہو گیا ہو۔!

مار ہے تھے۔ مقصود احمد کہہ رہے تھے:" تمھاری

اب میں ہمدرد تھا تمھارا۔ سب کی مخالفت مول

انہ بنا تھا۔ مگر تمھاری حمایت سے باز نہ رہا تھا

دے نے یہ دیا ہے۔ عذرا کہہ رہی تھی کہ وہ

ی دے گئے تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ یہ نامردی

رد ہے۔! بتاؤ۔ زبیدہ۔ اب میں اس بدبخت کو

تمھارے سامنے ذبح کر دوں یا گولی مار دوں اسے۔؟"

اور زبیدہ بیگم جہاں بیٹھی تھیں۔ وہیں بے ہوش ہو کر گر گئیں۔!

مکاری ہے سب۔ ساجدہ خاتون نے نفرت سے منھ بنا لیا۔

زندگی برباد کر کے مردار بھاگا۔ اس گھر سے۔ عزیزہ بیگم بولیں۔

اب یہ سوچو آخر ہوگا کیا۔؟ مظفر صاحب نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

بلاؤ ازور کو۔ میں ابھی اور اسی وقت اس سے اس کا نکاح پڑھاؤں گا۔"
مقصود احمد نے کف اڑاتے ہوئے کہا۔! مگر سہیل کو اشارہ کیا کہ وہ زبیدہ بیگم کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کریں۔ سہیل سخت پریشان تھے۔ زبیدہ بیگم کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ اور آوازیں دینے لگے۔

خدا خدا کر کے انھیں ہوش آیا۔ وہ رونے لگیں۔! مقصود صاحب گویا ہوئے۔

"اس طرح کام نہیں چلے گا۔ زبیدہ۔! بلاؤ ازور کو۔ وہ نکاح کر کے عذرا کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ ورنہ میں قطعی دونوں کو گولی مار دوں گا۔ ان کا خون تمھاری گردن پر ہوگا۔ تم نے ازور کو سمجھایا نہیں۔ اس سے ڈرتی رہیں آج انجام ہم نے تم نے یکساں بھگتا ہے۔ اگر عذرا کی جگہ تمھاری لڑکی ہوتی دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو۔"

آپ ٹھیک کہتے ہیں بھیا۔!" زبیدہ بیگم نے سکرات کی سی کیفیت میں اعتراف کیا۔" عذرا میری بیٹی ہے۔ میں ازور کو بلاتی ہوں۔ نکاح کر دیجیے میں اسے لے جاؤں اپنے ساتھ۔! اور یہ کہہ کر وہ ایک مجرم کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

ایک ملازم ازور کو بلانے گیا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد واپس آ گیا کہ ازور صاحب گھر پر نہیں ہیں۔! زہرہ بی بی نے کہا ہے کہ جیسے ہی آئیں گے۔ بھجوا دیں گی۔!

آپ گھر چلیے پھوپھی جان۔" سہیل نے کہا۔" کچھ آپ کھا پی نہیں جاتیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ ازور کے سامنے ساری باتیں رکھیے اور پھر۔!"

اتنا سوچ لو زبیدہ۔ ازور پاتال میں کبھی چھپنے نہ پائیں گے!" معقود احمد نے کہا۔" اس شرمناک راز کے گھر سے باہر جانے سے قبل انھیں عذرا کو قبول کرنا ہے۔"

زبیدہ بیگم عذرا سے ملیں۔ وہ سرنگوں بیٹھی تھی۔ زبیدہ بیگم نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں اس سے ماجرا پوچھا۔ اور آنسو بہاتے ہوئے۔ اس نے کہا:" دھمکی دی تھی ممانی جان۔ ہائے۔ اب میں کیا کروں۔"

ناقابل برداشت صدمہ سے چور، شکست خوردہ اور بیمار کی سی زبیدہ بیگم واپس ہوئیں۔ سہیل نے سہارا دیا۔

"آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ سب ان لوگوں کی کوئی سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ازور کو خوشحال دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ ایسی بڑی غلطی ازور سے ممکن نہیں ہے۔ وہ بے حد بلند، بے حد شریف انسان ہے۔ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس طرح بھی کسی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے۔!"

میاں۔ وہ ہمیشہ کہتے تو رہے تھے کہ انتقام لے کے رہوں گا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ خدانخواستہ۔!" وہ کراہتی ہوئی بولیں۔ کیا کہوں گی میں ازور سے میری زبان ہی نہ اٹھے گی۔

کہنا بہت ضروری ہے۔ چچی جان۔ بے خبری میں ازور کو کہیں کوئی نقصان نہ پہونچے۔ سہیل نے کہا۔ وہ بے حد فکر مند تھے۔ انھیں اس رکیک بہتان کا ہرگز یقین نہ تھا۔

زبیدہ بیگم نیم بے ہوش سی تخت پر گریں۔ سہیل دالان میں ٹہلنے لگے زہرہ نے وجہ پوچھی۔ سہیل نے بہانہ کر دیا۔ وہ کچھ پرانی جائداد کی تقسیم کا جھگڑا تھا۔

رات کے کھانے پر ازور موجود تھے۔ سہیل نے بڑے غور سے ان کے چہرے کا جائزہ لیا لیکن گناہ کا ہلکا سا سایہ بھی وہاں دکھائی نہ دیا۔ وہی باوقار اونچی روشن پیشانی تھی۔ جس سے علمیت شرافت اور متانت ہویدا تھی۔ وہی سنجیدہ تبسم تھا۔ جو ان کی دل محبت اور خلوص کا آئینہ دار تھا۔!

یہ شخص ہرگز اتنا نہیں گر سکتا۔ سہیل نے سوچا۔ عمل انتقام کے جذبے سے یہ کہیں بلند ہے۔!

امی کو ان لوگوں نے کیوں بلایا تھا۔ ازور نے پوچھا۔ اور اپنی پلیٹ سیدھی کرنے لگے۔

ازور۔ بیٹے۔ یہ تم نے کیا کیا۔" زبیدہ بیگم دفعتہً رو پڑیں۔

اوہ چچی جان۔ آپ خدا کے لئے خود کو سنبھالئے۔ سہیل بدحواس ہو گئے۔

کیا ہوا۔ ازور نے حیرت سے کہا۔ "سہیل کیا کسی نے امی کا دل دکھایا ہے۔"

ازور۔ تم۔ تم۔! زبیدہ بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ کیا کہیں۔

کیا بات ہے سہیل۔ کیا ہوا ہے۔ ازور نے پوچھا۔

ازور بات بہت بری ہے۔ اور اپنوں کی ہے۔ میرے بھی منہ سے نہیں نکلتی۔ کیونکہ۔ یہ عزت و آبرو کا معاملہ ہے۔!

عزت و آبرو کا معاملہ۔؟" ازور نے حیرت سے کہا۔

میں تم سے کہہ دوں گا۔ پہلے تم کھانا کھالو۔" سہیل بولے۔

اور اوندھا سیدھا کھا کے دونوں باہر چلے گئے۔! اور پھر سہیل نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ روداد کہہ سنائی۔!

سہیل کا خیال تھا کہ ازور فرط غضب سے بھوت بن جائیں گے۔ مگر وہ حیرت

وتعجب بلکہ تاسف واندوہ کے عالم میں چپکے سے بولے کتنی بری بات ہے۔ ایک شریف خاندان کی لڑکی۔ اپنے جذبۂ انتقام میں اتنی گر سکتی ہے کہ اسے خود کو بدنام کرنے اور کسی اور پر کیچڑ اچھالنے سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔ افسوس افسوس۔ نئی روشنی کا یہ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔

جذبۂ انتقام؟ میں سمجھا نہیں۔ تمھارا کہ اس کا؟! سہیل نے تعجب سے کہا۔

اس کا بھائی۔ میں نے ان کی محبت کی پذیرائی نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں شاید میرا انکار اس سے ہضم نہ ہو سکا۔" ازور نے کہا۔" مجھے افسوس ہے۔ اب میری کوئی تاویل اس کے والدین کو مطمئن نہ کر سکے گی۔

وہ تمھیں مجبور کریں گے نکاح پر۔!"

یکایک ازور بھڑک اٹھے۔" مجھے بچہ سمجھتے ہو۔ سب کے سامنے عذرا کے سر پہ قرآن مجید رکھ دوں گا۔ آخر بے گناہوں کی برأت کا بھی کوئی ذریعہ ہے کہ نہیں۔؟"

سہیل نے اپنا لب دانتوں میں دبا لیا۔

رات کو اکیلے میں سہیل نے زبیدہ بیگم۔ کو سمجھایا کہ وہ اپنی طبیعت خراب نہ کریں۔ آخر وہ اور ازور کوئی بچے نہیں ہیں۔ مشکل کا حل نکال ہی لیں گے۔ مگر زبیدہ بیگم کو پریشانی کے مارے نیند نہ آسکی۔ اور ساری رات ازور اور سہیل بھی جاگتے رہے۔ ازور کو بے حد افسوس تھا۔! اب عذرا کا کیا حشر ہوگا انھوں نے ماں کا سامنا نہیں کیا۔ کتنی بری بات تھی۔

صبح ہوئی لیکن کیسی صبح تھی وہ۔ جیسے گورستان کی شکستہ و بوسیدہ قبروں پر سورج کی کرنیں کپکپا رہی ہوں۔ ازبیدہ بیگم کی حالت بہت خراب

تھی۔ وہ رہ رہ کر انھیں جھاڑ ا لگ رہا تھا۔

سہیل جا کر ڈاکٹر کو لائے تھے۔ اس نے کوئی مسکن دوا دی تھی لیکن زبردست اعصابی بھونچال میں دوا کیا اثر کرتی۔ وہ بے حد پریشان تھیں۔!

ارز دراں کے قدموں میں آ بیٹھے۔ اور انھیں تسکین دینے کے لئے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ گھبرا رہی ہیں امی۔ بے گناہوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ آپ یقین کیجئے آپ کا بیٹا کبھی آپ کی گود کو بدنام نہیں کرے گا۔

ہمیشہ بدلہ لینے کی باتیں کرتے رہے ہو۔ زبیدہ بیگم نے مردہ آواز میں کہا۔

"آپ کی خاطر میں نے بدلہ لینے کا خیال بھی دل سے نکال دیا۔ جتنی تکلیف آپ کی قسمت میں تھیں آپ نے بھگت لیں۔ میرا بدلہ ان کا ازالہ تو نہ کرسکتا! اور اگر۔ میں کسی سے انتقام لے بھی لیتا تو مردانہ وار لیتا۔ کسی کی جان لے لیتا۔ یا اپنی جان دے دیتا۔ مگر ۔ درلڑکی سے انتہا رکیک و شرمناک انتقام — استغفراللہ۔ آپ نے یقین کیسے کر لیا۔؟"

"میں جاؤں گا اور سب کے سامنے عذرا کے سر پر کلام پاک رکھ دوں گا!"۔

اللہ تمھاری حفاظت کرے۔ بیٹا۔ میرے دل میں پنکھے لگے ہیں۔

آپ دل کو سنبھالیے۔!

ابھی جاؤ گے۔؟

جی ہاں۔!

بیٹے غصے میں کہیں تم کچھ کر نہ بیٹھو۔ وہ لوگ بھی ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

"آپ بالکل مطمئن رہیے۔!

سہیل نے بھی انھیں بہت سمجھایا بجھایا۔ اور صلاحیت سے معاملہ نپٹنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔

ازور باہر نکلے۔ گیٹ پر زارا سے مڈبھیڑ ہو گئی!۔

ازور مسکرائے "ہیلو۔ جنیا۔ آپ کے گھر کا کیا حال ہے"۔

شرم کے مارے زارا کا چہرہ تمتا گیا۔ میں کیا بتاؤں۔

اچھا سنو۔!

جی" وہ معصومیت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اور حسن معصوم کی دید میں ازور کھو گئے۔ بہت پیاری ہے۔ سیدھی سادی۔ مزاج کو پہچانتی ہے۔ شرم وحیا کا مجسمہ! ادب کرنے والی۔

جنیا! تم نے کہا تھا کہ۔ آپ مت شادی کیجیے "۔ ازور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے مان لی تمھاری بات۔ نہیں کروں گا۔ میں شادی۔ جنیا! شادی کے معنی خوشی کے ہیں نا۔ اگر تم اس میں خوش ہو تو میں سمجھوں گا کہ میری شادی ہو گئی۔

آپ۔ آپ۔!"

سمجھاؤ کوئی ایسی بات جسے سمجھنا مجھے نہیں آتا۔! انھوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ زارا غیر معمولی طور پر شرما گئی۔

" خیر۔ ایک دن ایسا آئے گا جب میں تمھارے کہے بغیر سب کچھ سمجھ جاؤں گا۔ اب میں چلوں۔؟

آپ کہاں جا رہے ہیں!"

تمھارے گھر۔ لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں جا رہا ہوں۔!

دیکھیے۔ پھوپھا ابا کو بہت غصہ ہے۔!"

آج فیصلہ ہو جائے گا۔ غصہ انھیں زیادہ ہے یا مجھے۔

اور وہ اس کا جواب سنے بغیر گیٹ سے نکل گئے۔ زارا اندر آئی۔ زہرہ نے

زبیدہ بیگم کی سو مزاجی کی خبر سنائی۔ وہ ان کے پاس جا بیٹھی۔ اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب تذکرہ چل ہی نکلا تو زارا نے فکر مند انداز میں کہا۔

بچی جان۔ رات سے ہمارے گھر میں قیامت مچی ہے۔ آپ نے ازور بھائی کو روکا نہیں۔ وہ بھی تو بڑے غصے میں گئے ہیں کہ آج فیصلہ ہو ہی جائے گا۔

یہ سن کر زبیدہ بیگم تو بالکل ہی نیم جان ہو گئیں۔ زبان سے نہ گیا کوئی دعا معنی و مفہوم کا جامہ پہن کر ہونٹوں پر نہ آسکی۔ بس وہ نیم مردہ اپنے بستر پر پڑی کسی بری خبر کا انتظار کرنے لگیں۔!

ازور کا دل و دماغ کسی اشتعال انگیز جذبے سے یکسر خالی تھا۔ وہ یہ ارادہ کر کے چلے تھے کہ عذرا سے بہلا پھسلا کر اس شخص کا نام پوچھیں گے اسے نصیحت کریں گے کہ خود کو سنبھالے رکھنا چاہیے۔ انھیں اس کی بے آبروئی کا بھی یقین نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ مظفر صاحب کے کینہ والوں کا کوئی تکلیف دہ پلان ہے۔

مگر راستے میں اچانک انھوں نے عذرا کو دیکھا۔ شاید وہ شوپنگ سنٹر تھا۔ اس کا آٹو رکشہ فٹ پاتھ سے لگا کھڑا تھا اور وہ پرس کھول کر غالباً اس کا کرایہ ادا کرنے والی تھی۔ تبھی ازور کی ٹیکسی فٹ پاتھ سے جا لگی، زنّاٹ کی آواز سے عذرا نے سر اٹھایا۔ اور یکبارگی سٹ پٹا گئی۔ کھٹ سے پرس بند کر دیا۔

آپ کا کیا کرایہ ہے۔" ازور نے ٹیکسی سے اتر کر آٹو ڈرائیور سے پوچھا۔

چھ روپئے نوے پیسے جناب!"

ازور نے اس کی طرف دس کا نوٹ بڑھا دیا۔ اور مسکرا کر عذرا کی طرف متوجہ ہوئے۔ !وہ کچھ نروس نظر آنے لگی۔

"آپ کو زحمت تو ہو گی۔ مگر میں چاہتا ہوں، آپ کچھ دیر کے لیے میرے
ساتھ چلیں"۔

"آپ کے ساتھ۔"

جی۔!

یہ باقی ہے حضور!" ڈرائیور نے دخل دیا

رکھ لیجئے۔ ازدر نے کہا اور ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ عذرا نے خود کو
قابو میں کر لیا تھا۔ لباس سنبھال کر اندر جا بیٹھی۔ اور پھر ازدر بھی اندر ہی بیٹھ
گئے۔ انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور سے نجانے کیا کہا تھا۔ عذرا سن نہ سکی۔

میں آپ ہی سے ملنے جا رہا تھا۔" ازدر نے کہا۔

کیوں؟ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

کچھ غلط فہمیاں ہو گئی تھیں آپ کے بزرگوں کو۔ انھیں رفع کرنا چاہتا تھا
وہ چپ رہی۔ ازدر نے ایک پر تنفر نظر اس پر ڈالی اور رخ پھیر کر باہر
دیکھنے لگی۔

دس منٹ بعد ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔

یہاں کیاں؟" عذرا نے پوچھا۔ اب وہ نارمل بلکہ کسی قدر شوخ دکھائی
دینے لگی تھی۔

یہی جگہ سب سے مناسب ہے!" ازدر نے کہا۔ "آپ کے اور میرے
گھر کا ماحول ایسا نہیں ہے کہ وہاں ہم آسانی سے تنہائی میں بات چیت
کر سکیں۔

اچھا اچھا۔ چلیئے۔

ازدر نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور اسے لیے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

صبح کی اولین ساعتیں تھیں۔ ابھی ہوٹل میں اتنی بھیڑ نہیں تھی! اکا دکا لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے بیٹھے تھے۔ کسی کے سامنے چائے کی پیالی رکھی تھی کوئی اخبار میں غرق تھا۔!

ازور نے جس کیبن کا انتخاب کیا وہ نسبتہً دور تھا۔! ان کے اندر داخل ہونے کے بعد ویٹر نے دروازے سے جھانک کر پوچھا۔

"کیا لاؤں حضور!"

انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر لے آؤ۔!" ازور نے کہا۔

جی ؟؟؟" ویٹر ان کا منہ تکنے لگا۔

تمھارا ہیٹر زیادہ پاور فل نہیں معلوم ہوتا۔ میں سردی محسوس کر رہا ہوں اور ہاں۔ جو کچھ منگوانا ہوگا۔ میں تھوڑی دیر بعد آرڈر دوں گا۔"

اچھا صاحب!" وہ چلا گیا۔ اور شاید کچن میں انگیٹھی تیار رہی تھی دوسرے لمحے اٹھا لایا۔

ازور نے اس کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ اور اس طرح دونوں سروں تک پردہ کھینچا کہ درازیں تک بند ہو گئیں۔!

اس کے بعد جب وہ مڑے تو عذرا کی ساری دلیری ہوا ہو گئی۔

کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میرا مطلب تو ابھی تک کچھ بھی نہ تھا۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں اس بے شرمی کے اس پورے ڈرامے سے تمھارا مطلب کیا ہے۔؟"

کھول دیجئے۔ دروازہ۔ وہ اٹھ کر جھپٹی۔ مگر اسے اپنا بازو پر روک کر ازور نے واپس کرسی پر دھکیل دیا۔

"دروازہ میری مرضی سے کھلے گا۔ سمجھیں تم۔! ہوش میں رہو اور میری

باتوں کا جواب دو۔"

میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ آپ نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ میں آپ کی پابند نہیں ہوں کہ جو کچھ الٹے سیدھے سوال آپ کریں میں ان کے جواب دیتی پھروں بس یہ سمجھ لو کہ مجھے جب تک غصہ نہ آئے۔ تبھی تمہارے حق میں اچھا ہے ورنہ ــــ!"

ہاں ہاں۔ ورنہ کیا؟ عذرا بپھری۔ "آپ مجھے قتل کر دیں گے۔ مٹنے جانے دیجئے مجھے۔ ایسی دھاندلی نہ کہیں دیکھی نہ سنی۔!

عذرا۔" ازدر کی گرج سے کمرہ گونج اٹھا۔ مت سمجھو کہ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں۔ رات سے اب تک مجھے ایک لمحہ کا سکون نہیں ملا۔ تم نے جو کیچڑ مجھ پر اچھالی ہے۔ میں اس کا سبب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میرے سوا تمھیں کوئی اور نہ ملا۔!

آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟"۔

بکواس کر رہا ہوں؟" ازدر کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ انھوں نے اتنی زور کا تھپڑ دسکاے گال پر مارا کہ اس کا چہرہ پھر گیا۔ آنکھوں میں رنگ برنگی چنگاریاں اڑنے لگیں اور زمین و آسمان میں چراغاں ہو گیا۔ اس نے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔

اب تو میں تم سے یہ بھی پوچھوں گا کہ میرا اور سہیل کا دل برا کرنے سے تمھیں کیا ملا۔ ازدر کے لہجے سے خون برس رہا تھا۔ تم ایک نام نہاد بڑے شریف خاندان کی فرد ہو۔ مگر تم جولاہوں اور چماروں سے بھی بدتر ہو۔ تم اپنا حسن و شباب لٹاتی پھرتی ہو۔ تو پھر۔ میں۔ کیوں محروم رہوں۔ نجانے کتنے تشنہ کاموں کی پیاس تم نے بجھائی ہو اور اب میں بھی۔!

انھوں نے اپنی فولادی انگلیوں میں اس کا بازو جکڑ لیا۔ وہ بلبلا اٹھی۔

"تم مجھ سے یہی چاہتی تھیں نا؟۔ آج میں۔ بھی۔ تمھارے شباب کے دروازے سب کی پذیرائی کے لئے کھلے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ عورت کیا چیز ہے۔ آج تم میری پیاس بھی بجھاؤ گی... تمھارے شرمناک اتہام کو میں اس وقت سچ کر دکھاؤں گا۔!"

نہیں نہیں۔" عذرا گھبرائی ہوئی آواز میں بمشکل بول سکی۔ اسے ازدر کے انداز عجیب بھیانک لگ رہے تھے۔ انھوں نے اسے نیچے بچھی ہوئی دری پر ڈھکیلا تھا مگر وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی اور ازدر کی پنڈلیوں سے لپٹ گئی۔ اس کی تیز سسکیاں جاری ہو گئیں۔

"مجھ سے دور رہیئے۔ خدا کے لئے۔ مجھے آپ کی آنکھوں سے ڈر لگ رہا ہے آپ بہت بھیانک ہو گئے ہیں۔!"

ازدر نے اسے اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ وہ الٹ کر دیوار سے جا ٹکرائی اور سر تھام کر ہانپنے لگی۔

"بتاؤ۔ وہ کون تھا۔ ورنہ بھیڑیا۔!" ازدر کا حال بھی ابتر تھا۔

"میں نہیں جانتی۔!" وہ چیخی۔

"کیا۔؟ تم نہیں جانتیں۔؟ بس تمھیں میرا ہی نام یاد تھا نا۔ تم نے مجھے تمام میں بدنام کیوں کیا ہے؟۔ تم مجھے سب کی نگاہوں سے گرانا کیوں چاہتی ہو کہ لوگ کہتے ہیں کہ بدلہ میں لینا چاہتا ہوں۔ لیکن بدلہ تو تم نے لیا ہے۔؟ کون سی دشمنی تھی تمھیں مجھ سے۔ بتاؤ عذرا سچ سچ بتاؤ۔ خدا کی قسم۔ میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں۔ بدترین سزا دوں گا۔ تم پر ہاتھ اٹھانا میرے لئے باعث شرم ہے۔ مگر میں خود کو روک نہ سکوں گا۔ بتاؤ۔! انھوں نے اسے بازو سے تھام کر پھر کھڑا

کر دیا

عذرا کا چہرہ متورم تھا۔ آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا ہونٹ کٹ گیا تھا۔ لیکن ازدر کو اس پر رحم نہ آیا۔

"نام بتاؤ۔ اس بدنہاد کا عذرا، تم نے سنا نہیں؟"

مجھے جانے دیجئے۔" وہ بلک اٹھی۔ "میں کہہ دوں گی: وہ آپ نہیں تھے:

بہت اچھا۔ اب تم دیکھنا اپنا حشر۔" ازدر نے کہا۔ جیب سے اپنا سگریٹ کیس نکالا۔ سگریٹ پھینک دئے۔ اور کیس کو دیکھتے ہوئے کوئلوں پر رکھ دیا تو آناً فاناً کیس سرخ ہو گیا۔ عذرا خوفزدہ نظروں سے ان کی اس بہیمانہ حرکت کو دیکھ رہی تھی! اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح متحرک تھا۔

"آپ۔ آپ۔ یہ کیا۔ کر رہے ہیں۔ آپ:" وہ ہانپتی ہوئی بولی

دیکھ ہی لوگی۔ میں کیا کر رہا ہوں۔ وہ سفاک لہجے میں بولے۔

سنئے"۔ وہ پھولی پھولی سانسوں میں بولی "میں آپکو چاہتی تھی اور۔"

میں بھی تمھیں چاہتا ہوں۔" ازدر نے جواب دیا: "اپنی محبت کی یادگار کے طور پر تمھارے جسم پر نقش و نگار بنا دوں گا۔ جب تک تم زندہ رہو گی اپنی اور میری محبت کو یاد رکھو گی!

انھوں نے رومال سے دہکتے ہوئے کیس کا گوشہ پکڑا اور اس کی طرف پلٹے۔ ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ اور وہ دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے ہوئے دیوار سے لگ گئی۔ سلگتے ہوئے کیس کی تپش اسے دور ہی سے محسوس ہو رہی تھی۔

ازدر نے ہاتھ بڑھایا۔

ٹھہر جائیے۔ خدا کے لئے سنئے۔" وہ چیخی۔ "پھینک دیجئے اسے۔ میں،

میں بتاتی ہوں۔ خدارا۔ آپ میری بات تو سن لیجئے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ آپ اتنے سنگدل ایسے ظالم ہیں۔!!"

"ہاں۔ میں سنگدل ہوں۔ تمھیں ظالم معلوم ہوتا ہوں۔ لیکن جو ستم تم نے مجھ پر ڈھایا ہے۔ اسے کیا کہو گی۔؟"

دفعتہً وہ اس کے قدموں پر گر پڑی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ازدر نے اپنا سگریٹ کیس دور گوشے میں پھینک دیا۔

"میں پاگل ہو گئی تھی۔ آپ کی اور سہیل صاحب کی دوستی پر مجھے رشک آنے لگا تھا۔ آپ میری طرف ملتفت نہ ہوئے۔ میں نے آپ کو اپنے دل میں بسا رکھا تھا۔ آپ نے میری طرف رخ بھی نہ کیا۔ میں نے آپ سے دشمنی نکالی تھی۔ مجھے معاف کر دیجئے۔"

عذرا۔ تو کیا۔ واقعی۔ تم۔ میرا مطلب ہے۔ تمھاری عصمت و آبرو تو محفوظ ہے۔؟ اگر واقعی ایسا ہے تو۔ یقیناً میں نے تمھیں معاف کر دیا۔

ہنسں۔!" اس نے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ "مجھے ڈاکٹر پرویز نے دھوکا دیا۔ میرے سپروائزر رہتے۔ مجھے فریب میں مبتلا رکھا۔ اور خود نہ جانے کہاں چلے گئے۔!"

ازدر کے سینے سے ایک طویل سانس نکلی۔ "تم اپنے والدین کو کیسے باور کراؤ گی کہ۔ میں تمھارے سلسلے میں ملوث نہیں ہوں۔"!

"میں آپ کی نفرت بھری نگاہیں برداشت نہیں کر سکتی۔!"

"کاش تم پر ہر نگاہ نفرت بھری پڑتی۔ محبت آمیز نگاہیں برداشت کر کے تم نے صرف اپنی ذات پر ظلم کیا ہے۔ عذرا۔ کیا تم نے سوچا ہے!؟"

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔!

ازور نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور اس پر ایک ملامت خیز ترحم آمیز نظر ڈالی کر مدھم لہجے میں بولے۔

"اگر جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔" اور الگ ہٹ کر دیوار سے لگ گئے۔

اس نے سر جھکا کر اپنے آنچل میں لبوں کا خون جذب کیا۔ بڑی مشکل سے دیوار کا سہارا لے کر اٹھی۔ اور ایک ایسی نگاہ ازور پر ڈالی کہ ان کا دل کانپ اٹھا اس کے لبوں پر بڑی ناقابل فہم مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ سسک پڑی۔

"ازور صاحب۔ مجھے آپ سے محبت تھی۔!"

وہ اسے جاتا دیکھتے رہے۔ دل رحم و ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہوتا رہا۔ برباد کر دی گئی بیچاری۔ فریبی دھوکے باز مرد نے بیچ بھنور میں چھوڑ دیا۔ اب اس کا کیا حشر ہوگا۔؟"

کیا کرے گی؟ زندگی کا بہت وسیع میدان سامنے پڑا ہے وہ تنہا ہے خدا کی پناہ۔ انھوں نے بے حد پچھتاتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔ "یہ ظلم میں نے اس پر کیوں کیا۔ شاید وہ یونہی سب کچھ بتا دیتی۔

ایک سرد رات کائنات پر مسلط تھی۔ ہر طرف اماوس کا کاجل گھلا ہوا تھا۔ ستارے نیند سے بوجھل پلکیں جھپکا رہے تھے۔ چاروں سمت سناٹے
[...] رہا تھا۔ اور دریچے کے باہر کہرا منجمد تھا۔ اس میں روشنیاں
[...] دائرے میں ملے جلے جگنو چمک رہے ہوں۔

ازور اور سہیل ابھی ابھی زبیدہ بیگم کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئے تھے۔ ان کے سنجیدہ چہرے پر تفکر کے بادل محیط تھے۔

دو روز ہو چلے تھے۔ زبیدہ بیگم پر غفلت طاری تھی۔ شہر کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹر اور سرجن انھیں دیکھ گئے تھے۔ اور کسی نے امید نہیں بندھائی تھی۔

ازور سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے یہ ساری گڑبڑ صرف میری ذلت سے پھیلی ہے۔ میں اگر نہ آتا تو حالات بدستور جاری رہتے۔ اور جس طرح باباجان کی موت کا تار مجھے ملا تھا اسی طرح امی کا بھی ایک دن مل جاتا۔ لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے انھیں اس کشمکش میں مبتلا دیکھنا میری طاقت سے باہر ہے۔ میں دل کو سمجھا نہیں سکتا کہ ان کا آخری وقت ہے۔! سہیل۔ کیا وہ اتنی بدنصیب ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ پیدائش کی گھڑی سے لے کر اس گھڑی تک انھوں نے کسی خوشی کا منھ کبھی دیکھا ہو۔!

"اتنے مایوس نہ ہو جاؤ ازور" سہیل نے سمجھایا۔ "کل اس منحوس واقعہ نے ان کے اعصاب پر بڑا ناگوار اثر ڈالا ہے۔ یہ ہیجان کم ہو گا تو انھیں یقیناً ہوش آجائے گا۔

ڈاکٹروں نے تو کوئی توقع ظاہر نہیں کی۔! ازور کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔" سہیل۔ کیا میری تقدیر میں یہی سب پریشانیاں لکھی ہیں... اف! میں نے امی کی کوئی تمنا پوری نہیں کی۔ کیا ہوتا۔ میں ان کی خوشی کی خاطر شادی کر لیتا۔ سہیل سہیل میں نہیں سمجھا تھا کہ امی کو بھی موت آسکتی ہے۔! انھوں نے سر جھکا لیا۔ اور بے آواز رونے لگے۔

سہیل کے دل پر بھی مایوسی کی ہیبت ...

لگے۔!

رات کا ایک بج رہا تھا۔! اور بڑا مایوس کن ماحول تھا۔ دفعتہً کسی نے کال بل بجائی۔!

خدا خیر کرے۔ اب کون ہے۔ سہیل اٹھ کر باہر گئے۔ اور ازور اٹھ کر تاریک دریچے میں جا کھڑے ہوئے۔

دو منٹ بعد سہیل واپس آئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر کہہ نہیں سکتے تھے۔!

کیا ہوا۔ کون تھا باہر؟" ازور کا دل دھڑکنے لگا۔

کیا بتاؤں بھائی۔ کیسی کیسی پریشانیاں ہماری طرف بڑھ رہی ہیں سہیل نے سوکھے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر کے کہا۔" خالو ابا کا ملازم تھا! بہت بری خبر لایا تھا۔ بلکہ

"کہ؟" ازور نے دھندلی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔!

"عذرا نے خود پر تیل چھڑک کے آگ لگائی۔ بری طرح جل گئی ہے اسے ہسپتال لے گئے ہیں۔ وہ تمھیں بلا رہی ہے۔ اور ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ۔ وہ چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہے گی؟"

کیا؟ سچ کہو۔ بھائی۔!" ان کے چہرے کی ویرانی بڑھ گئی۔

تمھارا جانا بہت ضروری ہے۔!

مگر امی۔ اف۔!

ان کے پاس میں ہوں۔۔۔ ملازم تمھارے انتظار میں باہر کھڑا

جاؤ ازور جلدی جاؤ ۔!

ازور نے اپنا مفلر اسٹینڈ پر سے گھسیٹا اور کمرے سے باہر نکل گئے

ہسپتال روشنی اور تاریکی کے امتزاج میں مدغم بھیانک ہو رہا تھا۔

سردی بڑھ گئی تھی! ہر سو پر شور سناٹے کی حکمرانی تھی ۔!

لاؤنج میں وہ سب کھڑے مل گئے ۔ عزیزہ بیگم کی حالت ابتر تھی۔

ساجدہ خاتون کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔! مقصود احمد صاحب کی طرف دیکھتے

سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ لیکن انھوں نے ازور کو ساتھ لیا۔ اور ایمرجنسی وارڈ

کی طرف قدم بڑھا دیئے ۔!

"یہ سب کیا ہو گیا خالو؟" ازور نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"شامتِ اعمال بیٹے ۔!" انھوں نے جواب دیا۔ جس راہ پر اس کی

ماں نے اسے ڈالا تھا۔ اس کی منزل یہی تھی۔ ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔ اس نے

نجانے کس کرب کے عالم میں یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا۔ بری طرح جل گئی ہے

کلیجہ تک داغدار ہو گیا ہے۔ بس چند گھنٹوں میں اس کی تکلیف ختم ہو جائیگی۔

لیکن ۔۔۔!"

"ضمیر کی نیش زنی ۔ بیٹیا ۔ کل پہلی دفعہ میرے قدم تھام کے روئی تھی اور

اعتراف کیا تھا کہ اس کی بربادی کے ذمہ دار تم نہیں ہو۔! آؤ دیکھو۔!"

انھوں نے وارڈ کا سبز پردہ سرکایا۔ اور ازور نے اضطراری طور پر آنکھیں

بند کر لیں۔

وہ عذرا تو نہیں لگتی تھی ۔ اس کی جھلسی ہوئی زندہ لاش تھی۔!

دیکھا۔؟ مقصود صاحب کے لہجے سے گر...

انھوں نے مجھے بلایا تھا۔ میں ان...

"جاؤ۔ اگر وہ۔ اپنے ہوش میں ہو۔!

ازدر نے اس کے پاس جھک کر اسے آوازیں دیں۔ لیکن۔ بے سود!۔ وہ گہری بے ہوشی میں گم تھی۔! ازدر کے دل میں درد شروع ہو گیا۔ شاید ان ہی کی انتہا پسندی نے عذرا کو اس اقدام پر مجبور کر دیا تھا۔!

عذرا۔ عذرا۔" وہ اس پر جھکے اور جلے ہوئے گوشت کی بدبو انھیں لرزا گئی۔

چلے آؤ۔ بیٹے۔ آ جاؤ۔!" مقصود صاحب پردہ تھامے کھڑے تھے شاید وہ رخصت ہو چکی۔!

چچا جان؟"۔

اسے سکون مل گیا۔ بیٹے۔ بڑا کرب تھا اسے۔"

ایک نرس نے آگے بڑھ کر عذرا کو دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر اسے سر سے پاؤں تک کمبل سے ڈھانک دیا۔!

ویری مسٹر ایبل۔ انسیڈنٹ۔" وہ بڑبڑائی۔

اور سب کا خاموش گریہ آہ و بکا کے شور میں تبدیل ہو گیا۔

لاش صبح کو ملے گی پوسٹ مارٹم کے بعد۔ ڈاکٹر نے لاپرواہی سے کہا آپ لوگ اب جا سکتے ہیں۔!"

جو کچھ ہونا تھا۔ وہ تو ہو چکا تھا۔ ازدر پر وحشت طاری تھی۔ ان کا دل غیر معمولی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک ناقابل برداشت پچھتاوا ان پر حاوی ہو کر منڈھ گیا تھا۔ کاش یہ سب نہ ہوتا جو ہوا ہے۔!

[illegible] نرس وہاں آئی۔ اور باری باری سب پر [illegible] لہجے میں بولی۔

کیا بات ہے۔" ازدر نے پوچھا۔

آپ ہی ہیں ؟۔

جی ہاں"

آپ کا فون ہے"

نرس انھیں فون تک لائی۔ کانپتے ہوئے ہاتھ سے ازدر نے ریسیور

تھاما۔! لیکن کچھ سنتے ہوئے ڈرنے لگے۔!

ہیلو۔ ازدر۔ ہیلو" ادھر سہیل تھے۔!

میں بول رہا ہوں۔" ازدر کا لہجہ کپکپا رہا تھا۔ سب خیریت تو ہے نا؟"

ہوپ لیس۔ ازدر۔ فوراً پہونچو۔!

کیا؟ کیا ہوا سہیل۔

ڈاکٹر صاحب موجود ہیں۔ چچی جان کی حالت مزید خراب ہے"

ریسیور ازدر کے ہاتھ سے گر پڑا۔

ٹوٹے پھوٹے نامکمل الفاظ میں انھوں نے مقصود صاحب سے سارا

حال کہا۔ اور آندھی طوفان کی رفتار سے گھر پہونچے۔

راہداری میں سہیل ملے۔ پریشان اور مضطرب۔

کیا حال ہے۔؟" ازدر ان سے ٹکرا گئے۔

" ہوش ایک لمحہ کے لئے آیا تھا۔ اور پھر۔ پرانی غفلت ان پر طاری

ہو گئی۔ ادھر کیا ہوا۔؟"

ختم ہو گئی۔!

ختم ہو گئی۔؟!" سہیل دھک سے رہ گ[illegible]

ازدر بدحواس اور بیقرار رزبیدہ [illegible]

ڈاکٹر صاحب نے اپنا بیگ بند کر دیا اور ہمدردانہ طریقہ سے ازدر کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔!

"ویری سوری مسٹر ازدر۔ ویری سیڈ؟"۔

سہیل نے مرتعش ہاتھوں سے کلام پاک اٹھا لیا۔

ازدر کے آنسو ٹپک رہے تھے۔

رات کی تاریکی گہری ہو رہی تھی۔!

سردی ایک نقطۂ عروج پر منجمد ہو چکی تھی۔!

اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز زبیدہ بیگم بڑے آرام سے ہمیشہ کی نیند سو گئی تھیں۔

کسی کے رونے دھونے اور آہیں بھرنے کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔!

بے چاری کم نصیب ہستی۔ ایک بڑے خوف نے ان کی جان لی۔!

ان سب کو ایسے المناک اتفاق پر حیرت بھی تھی خوف بھی تھا۔ خدا کسی اور کو ایسی سزا نہ دیدے۔!

مقصود احمد صاحب جو بیٹی کے غم سے نیم جان تھے۔ وہی آکر ازدر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ بہت سخت گیر تھے۔ سنگدل تھے۔ مگر ان کی انسانیت زندہ تھی۔ ان کا ضمیر ایماندار تھا۔ انھوں نے اپنا غم بھول کر ازدر کو سینے سے لگا لیا اور تب ازدر بے شمار جذبوں اور دکھوں سے مغلوب ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔!

[illegible] کہانیاں اپنے انجام کو پہونچ چکی تھیں۔

[illegible] نے بھی ادھورے تھے۔

[illegible] ہیبت اور خوف نے اسے بدحواس کر دیا تھا

عذرا کے خوفناک چہرے کی جھلک اس نے دیکھ لی تھی اور اس کے لوح دماغ پر مرتسم تھی!۔ راتوں کو وہ چیخیں بار بار کر کمرے سے باہر جانے کی کوشش کرتی۔ ایک ایک کی شکل وحشت بھری نظروں سے گھورا کرتی۔ اور بڑی بے تابی سے اپنی چچی جان کو پکارا کرتی تھی۔!

اور پھر بھنکتا ہوا بخار اس پر چھا گیا۔!

مگر۔ قدرت نے زخم کے ساتھ اس کا اندمال بھی پیدا کیا ہے۔!

شاید زارا اسی لئے بیمار پڑی تھی کہ دو بڑے غم بھلائے جا سکیں۔!

گھر بھر زارا کے لئے فکر مند تھا۔ سہیل اور زہرہ بھی ظفر صاحب ہی کے پاس آگئے تھے۔ ازدر اپنے دل کا زخم چھپائے زارا کی تیمار داری میں لگے رہتے۔ وہ بالکل برباد ہو چکے تھے۔ اپنا کوئی خیال باقی نہ رہا تھا۔ کئی کئی روز کا میلا لباس پہنے رہتے۔ داڑھی مونچھوں نے جھاڑ جھنکاڑ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ہمیشہ کسی سوچ میں کھوئے رہتے! سہیل کو ان کی بھی فکر تھی۔ وہ یہ سوچ کر لرز جاتے کہ انھیں پھر نہ کچھ خساروں سے دوچار ہونا پڑے۔

انھوں نے ازدر کو سمجھایا۔۔ تم تقدیر اور اللہ کی مشیت سے نہیں لڑ سکتے۔ ہمارے ہاتھ جانے والوں کو روک بھی نہیں سکتے ازدر۔ تم کو میں کیا سمجھاؤں مجھے دیکھو۔ اس بھری پری دنیا میں میرا کون ہے۔ میں تو اس نعمت کو بہت پہلے ہی کھو بیٹھا ہوں۔ جس سے تم اب محروم ہوئے ہو۔ یہ ازل کا چکر ہے بھائی۔ چلتا رہا ہے۔ چلتا رہے گا۔ بقا یہاں کس کو ہے۔؟ ایک دن ہم بھی نہ رہیں گے۔ کیا تم وقت کی طنابیں کھینچ سکتے ہو۔ [illegible]

میں کچھ نہیں کر سکتا سہیل۔ میں بے بس [illegible]

اپنی اور اپنے بدقسمت ماں باپ کی تقدیر [illegible]

وہ دونوں حرماں نصیب بھی ترستے کلپتے۔ حسرتوں کا بوجھ اٹھائے ناشاد و ناکام دنیا سے چلے گئے۔ میں بھی چلا جاؤں گا۔ یہ کیا ہے زندگی۔ بوجھ۔ تماشہ گورکھ دھندہ۔ پاگلوں کی دلچسپی۔ دیوانوں کا ورثہ تھا۔ جسے عقل و شعور کی دولت ملی ہے۔ وہ تو ویرانے بساتے ہیں۔!

"گویا تم صرف ایک تھا بھائی۔ اگر ساری کائنات گونگی ہو جائے تو خدا کی دنیا ویران ہو کر رہ جائے گی۔ اسلام کی تعلیم نے تمھیں رہبانیت کا درس تو نہیں دیا۔ ہمیں صبر بھی کرنا چاہئے۔"

"موت پر صبر کر لیا۔ لیکن میں نے اسی کی کوئی آرزو۔ پوری نہیں کی۔ اس پر صبر نہیں ہوتا۔!"

"تم بھی تقدیر الٰہی کے سامنے بے بس تھے۔!"

سچ کہتے ہو سہیل۔!

اور پھر ازدر کی تقدیر میں ایک موڑ آ گیا۔!

زارا کی دماغی کیفیت کا تجزیہ کر کے ڈاکٹر صاحب نے مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ تبھی اچھی ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ذہن پر چھائے ہوئے خوف و دہشت کے اثرات دور کئے جائیں اور اسے اس ماحول سے کہیں دور بھجوا دیا جائے۔ ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے گی۔ اس کا بہترین و موثر علاج صرف شادی تھا۔!

اور تب۔ ایک دن وہ سربلند باپ جو نسل و ذات کے ہمالیہ پر کھڑا [illegible] بیٹے سرنگوں ہو گیا۔

[illegible] تم سے معافی مانگتا ہوں۔ بہت دل دکھایا [illegible] لینے والے تھے۔ بیٹا۔ تمھارا بدترین